"زندگی ایسے گزاریں" سیریز کی پہلی کتاب

خاندانی نظام ایسے بچائیں

انور غازی

الحجاز کراچی

Marfat.com

Marfat.com

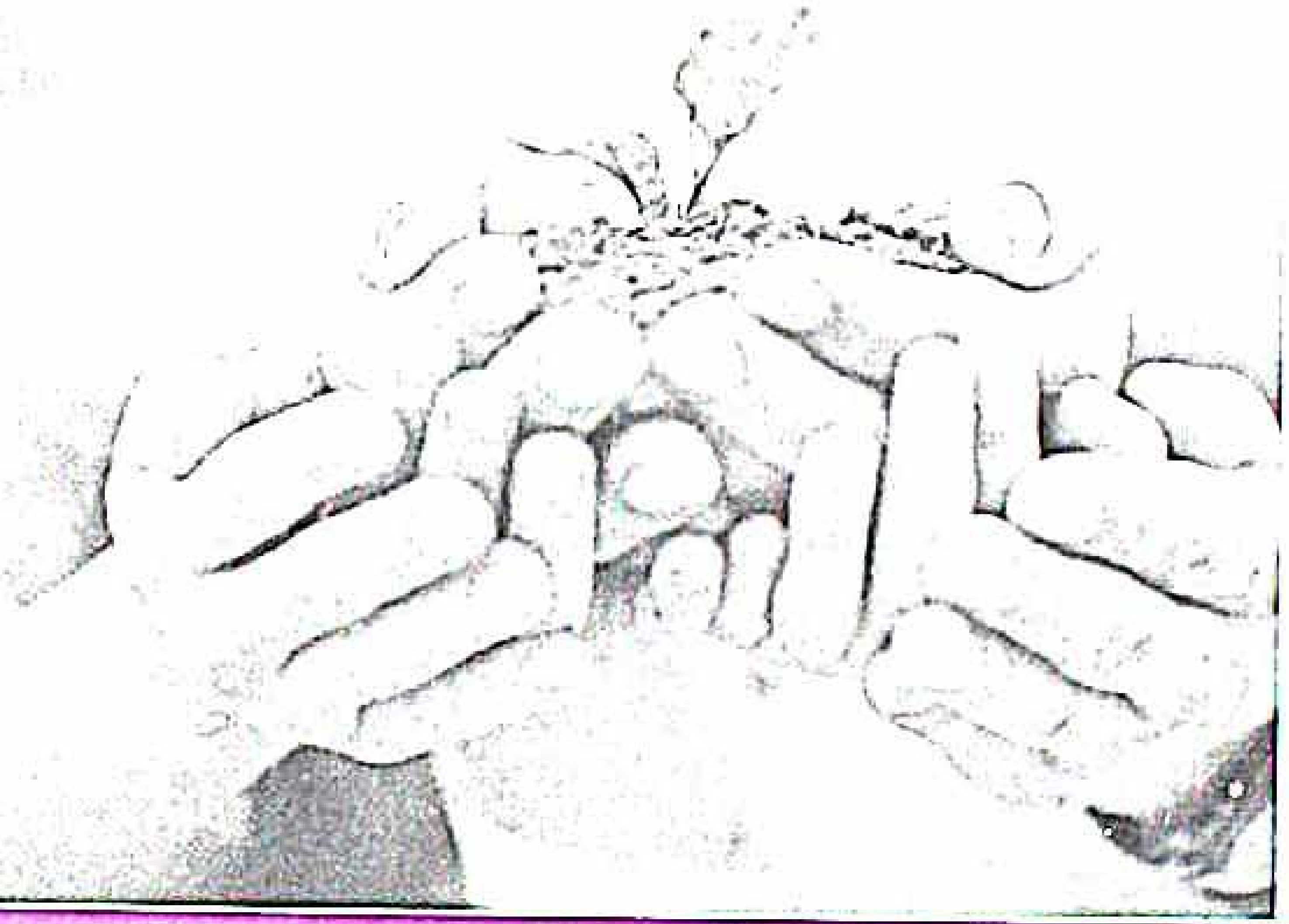

خاندانی نظام ایسے بچائیں

انور غازی

الحجاز کراچی

Marfat.com

Marfat.com

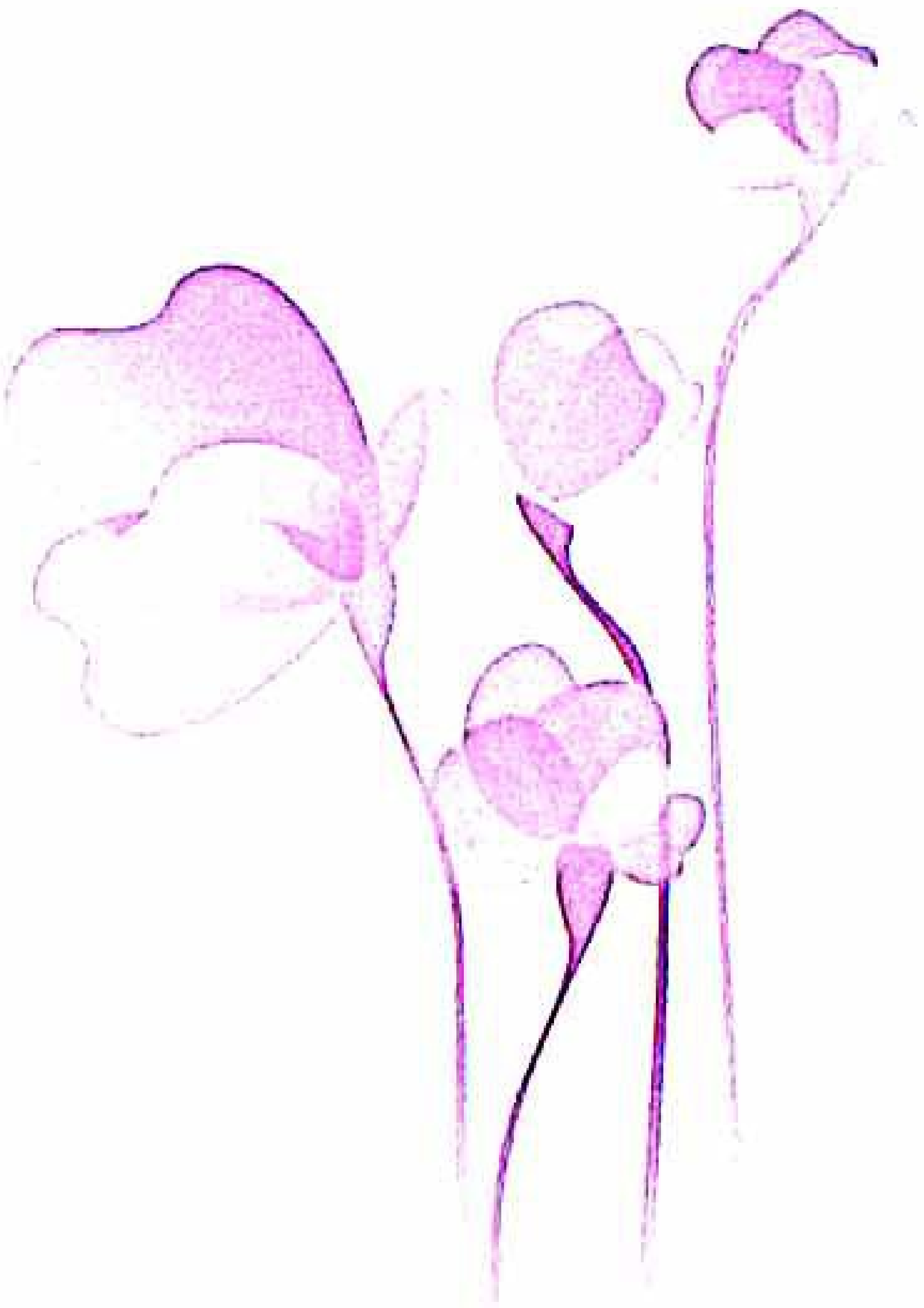

"زندگی ایسے گزاریں" سیریز کی پہلی کتاب

خاندانی نظام ایسے بچائیں

انور غازی

Marfat.com

297-7
276 9
۱۲۵۸۱۸
۲

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز کی پہلی کتاب

موضوعِ کتاب ـــــــــ خاندانی نظام ایسے بچائیں

مصنف ـــــــــ مولانا انور غازی

اشاعتِ اوّل ـــــــــ مئی 2014ء

ناشر ـــــــــ الحجاز پبلشرز

ڈیزائننگ ـــــــــ محمد صفت الٰہی (آرٹ ڈائریکٹر)

میڈیا سروسز-لاہور 281 27 84 301 92+

Printed By: Karachi, Pakistan. E-MAIL:hafizsaeedalam@gmail.com
Skype: hafiz.alam6, CELL: +92-321-4283 199

ملنے کا پتا

مکتبة الخلیج، دکان نمبر 11، سلام کتب مارکیٹ

نزد جامعة العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

0314 - 21 39 797

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحیم و کریم ہے

Marfat.com

فہرست مضامین

- ان کے نام......!! ——— انتساب 10
- داستان ''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز کی ——— عرضِ مصنف 13
- مفید اور کارآمد سلسلہ!! ——— پہلی تقریظ 22
- شاہکار شہ پارہ ——— دوسری تقریظ 25
- بھولے سبق کی یاد دہانی ——— مقدمہ 27
- آپ ہی آگے بڑھیں! ——— حرفِ اوّل 33

Marfat.com

باب 1 بچوں کی تربیت ایسے کریں

- بچہ اور ماں کی گود/ بچوں کو نیک صحبت دیں ــــــــ 39
- بچپن اور پچپن/ بچوں کو تین کام سکھائیں ــــــــ 52
- بچے اور میٹھا زہر/ بچوں کو شیطانی آلات سے بچائیں ــــــــ 64
- بچے اور جھوٹ/ بچوں کی کڑی نگرانی کریں ــــــــ 79
- بچے اور لڑائی/ بچوں کی نفسیات کو سمجھیں ــــــــ 89
- بچے اور رول ماڈل/ بچوں کی صحت کا خیال رکھیں ــــــــ 113
- بچے اور مار پیٹ/ بچوں پر تشدد نہ کریں ــــــــ 127
- بچے اور خوراک/ بچوں اچھی خوراک دیں ــــــــ 137
- بچے اور ڈپریشن/ بچوں پر بے جا پابندیاں نہ لگائیں ــــــــ 154
- بچے اور استحصال/ بچوں کا استحصال کیوں؟ ــــــــ 166
- بچے اور ورزش/ بچوں کیلئے پلاننگ کریں ــــــــ 181
- بچے اور واقعات/ بچوں کو حکایتی انداز میں سمجھائیں ــــــــ 194
- بچے اور خوف/ بچوں کو بہادر بنائیں ــــــــ 213

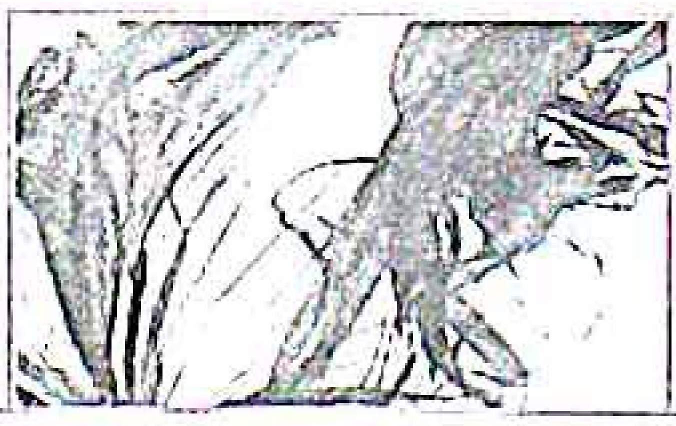

باب 2 فحاشی و بے حیائی کو ایسے روکیں

- فحاشی پھیلانے والوں کیلئے عذاب/ روشن خیالی کا فتنہ ــــــــ 223
- کون پوشیدہ ہے اس پردہ زنگاری میں ــــــــ 232

Marfat.com

- آتش فشاں/ بڑی تباہی کا پیش خیمہ ـــــــــــ 351
- غیرت بیچتے ادارے/ خود ہی پیڑ جلا کے ـــــــــــ 363
- میوزیکل کنسرٹ کی تباہ کاریاں/ انٹرنیٹ اور عشقِ ممنوع ـــــــــــ 371
- بے پردگی اور فیشن/ سنگل پیرنٹ کانسپٹ ـــــــــــ 381
- نفع کے تاجر بن جائیں/ بدنصیب کون؟ ـــــــــــ 389
- ہر ایک سے پوچھا جائے گا/ نئی نسل کو تباہی سے بچایئے ـــــــــــ 394

باب 1 شادیاں ایسے کریں

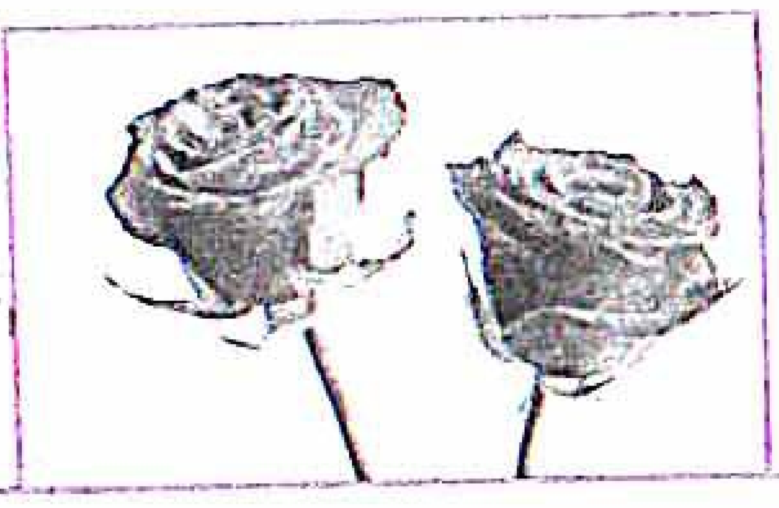

- شادیاں یوں ہوتی ہیں/ شاندار تاریخ، روشن مثالیں ـــــــــــ 37
- کچھ تلخ حقائق/ لومیرج یا لوافٹر میرج؟ ـــــــــــ 415
- اُن کا لباس اور تمہارا لباس/ میں تیرا اور تُو میری ـــــــــــ 422
- پُرشکوہ جوانی اور ڈھلتی عمریں/ شادیاں یا بربادیاں ـــــــــــ 428
- نکاحِ بیوہ گان..... کتنا مشکل، کتنا آسان؟ ـــــــــــ 441
- بیوہ خواتین ذرا سوچیں/ دوسری شادی، شجرِ ممنوع ـــــــــــ 452
- دوسری شادی کے فوائد/ کچھ مانیں، کچھ منوائیں ـــــــــــ 459
- تعدد ازواج اور پل صراط/ تیسری شادی سوچ سمجھ کر کریں ـــــــــــ 467

باب 1 خاندانی اُلجھنیں ایسے سلجھائیں

- جوڑے ایسے بنتے ہیں/ عورت اور گھر کی چار دیواری ـــــــــــ 474

Marfat.com

- آزاد، مگر قید! / معاشرے کا بنیادی یونٹ — 483
- من گھڑت داستانیں / عورت کی آزادی کے نعرے — 48
- یہ ظلم نہیں تو کیا ہے؟ / نوخیز کلیوں کو مسلنے والے! — 498
- جان رالز کی شہادت / مغربی تہذیب کے کرشمے — 511
- طلاق اور خاندانی نظام / ایک مسئلہ، کئی حل — 521
- بنتے بگڑتے خاندان / فرضی کہانیاں اور مکالمے — 528

باب 1 ازدواجی زندگی ایسے گزاریں

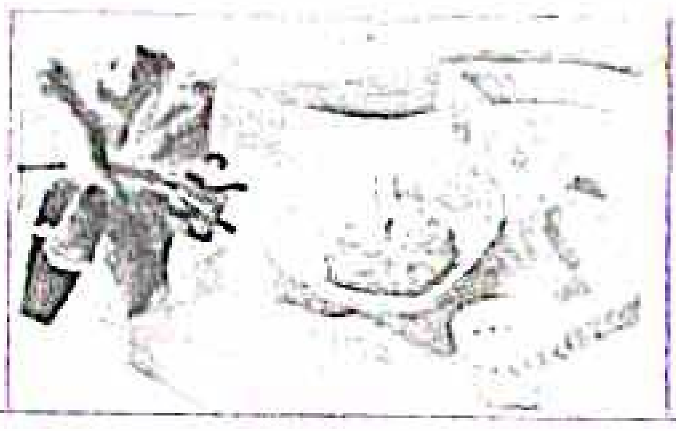

- خوشگوار ازدواجی زندگی کے سنہری اصول — 538
- پہلا اصول...... اچھے اور بُرے وقت کے ساتھی بنیے — 539
- دوسرا اصول...... غلط نظریے کی اصلاح کیجیے — 541
- تیسرا اصول...... خوبیوں اور خامیوں سمیت قبول کریں — 542
- چوتھا اصول...... دل کی بات زبان پر لائیں — 544
- پانچواں اصول...... جیون ساتھی سے بددیانتی نہ کریں — 545
- چھٹا اصول...... خودغرضی سے بچیں — 546
- ساتواں اصول...... غیر متوقع خوشیوں کا اہتمام کریں — 547
- آٹھواں اصول...... ضرورتوں کا خیال رکھیں — 548
- نواں اصول...... مشترکہ دلچسپیاں تلاش کریں — 549
- دسواں اصول...... زندہ دل بنیں! — 54

Marfat.com

انتساب

ان کے نام......!!

اس کتاب کا حرف حرف ان کے نام...... جنہوں نے فقط بتا کر نہیں...... بلکہ بِتا کر پوری انسانیت کو سکھایا...... زندگی ایسے گزارو...... یقیناً اگر وہ نہ آتے...... اور یہ قرینہ نہ سکھاتے......تو آج زندگی بڑی بدحال...... بہت پریشان وخستہ حال......اور نہ جانے کن پاتالوں میں سسک رہی ہوتی...... آج جو زندگی خود اپنے وجود پر نازاں ہے...... تو اس کا باعث فقط اور فقط......ان کی ذات گرامی ہے...... لاکھوں، کروڑوں...... درود وسلام ہو،......زندگی جینے کا ڈھنگ......سکھانے والے...... کائنات کے محسن......امام الانبیا......حبیبِ خدا......محمد مصطفیٰ......صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب پر......

؎

تجھ بن دنیا کیسی ہوتی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِی
رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

''حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات ایک بہترین نمونہ ہے۔''

(القرآن۔سورۃ الاحزاب، آیت نمبر:21)

Marfat.com

07-08-2014 / 69565 Printer Name

وَكُلُّ رَاعٍ
مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِہٖ

''اور ہر ذمہ دار سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

(شعب الایمان، البیہقی۔ حدیث نمبر:11063)

Marfat.com

عرضِ مصنف

داستان ''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز کی

ہمیں فطرتاً گندگی، بے ہودگی، بے ڈھنگے پن...... وغیرہ سے شدید نفرت ہے۔ سلیقہ مندی، صفائی ستھرائی، خوبصورتی...... وغیرہ بے حد عزیز ہیں۔ طبیعت کی نزاکت کا یہ عالم ہے کہ گھر میں اگر کوئی چپل بھی ٹیڑھی میڑھی رکھی ہو تو سر میں درد سا شروع ہو جاتا ہے۔ دفتر میں کوئی فائل بے ڈھنگے پن سے میز پر سامنے آ جائے تو اس پر کام کرنے سے طبیعت اُکتاہٹ محسوس کرتی ہے۔

نفاست اور سلیقے سے بنی ہوئی چیز اچھی لگتی ہے، دل موہ لیتی ہے، اشیاء کی خوبصورتی دیکھ کر دل و دماغ کھل اُٹھتا ہے۔ طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے۔ ایک خوبصورت بات، بیان اور تحریر پڑھ کر دل مچل مچل جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر قسم کے کام میں دل لگتا ہے۔ اور کسی قسم کی بے ہودگی، گندگی، بے ترتیبی دیکھ کر بعض اوقات پورا دن طبیعت مکدر رہتی ہے۔ انقباض کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کڑھن سے گھٹن محسوس ہوتی ہے اور گھٹن سے دَم گھٹنے لگتا ہے۔

ہماری طبیعت دوستانہ ہے۔ مل جل کر رہتے ہیں۔ تنہائی اور اندھیرے سے وحشت سی ہوتی ہے، لیکن اگر دوستوں میں سے کوئی غداری کرے، جھوٹ بولے، خیانت کرے اور وفا کا بدلہ جفا سے دے تو ہم چپکے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اسے اپنے دل سے نکال دیتے ہیں۔ ہم نے اپنی اس طبیعت کی وجہ سے بہت سے دوستوں سے علیحدگی اختیار کی۔ جب

Marfat.com

چھوڑ دیا تو بس چھوڑ ہی دیا۔ پلٹ کر نہ دیکھا۔ کیوں کہ ہم سے منافقت، دوغلا پن، بغض و حسد برداشت نہیں ہوتا۔

ہم سیدھے سادے لوگ ہیں۔ سب سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی بھلائی، اچھائی اور خیرخواہی چاہتے ہیں۔ ویسے بھی صحافی، کالم نگار، دانشور، مصنف اور رائٹر کو معاشرے کی آنکھ اور لوگوں کے حالات کا نباض کہا جاتا ہے۔ ہمارا شمار بھی اسی صنف میں ہوتا ہے۔ ہم بھی چھوٹے موٹے صحافی اور مصنف و مؤلف گنے جاتے ہیں۔ ہم جو محسوس کرتے یا دیکھتے ہیں وہ صاف صاف لکھ دیتے ہیں۔ اپنی تحریر میں تصنّع، مکاری، عیاری اور دوغلے پن سے کام نہیں لیتے۔

قارئین جانتے ہیں ہمارے اکثر مضامین اور تحریریں سماجی اور معاشرتی موضوعات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ''معاشرت'' کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی انسان تنہا نہیں رہ سکتا، نہ ہی تنہا رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب وہ دنیا میں رہتا ہے تو اس کا کسی نہ کسی سے واسطہ پڑتا ہے۔ گھر والوں سے واسطہ، دوستوں سے واسطہ، پڑوسیوں سے، بازار والوں سے اور جس جگہ پر وہ کام کرتا ہے وہاں کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، لیکن سوال یہ ہے جب دوسروں سے واسطہ پڑے تو ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کرنا چاہیے اور کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟

اس کو ''معاشرت'' کے احکام کہا جاتا ہے۔ یہ بھی دین کے پانچ بڑے شعبوں میں سے ایک بڑا شعبہ ہے، لیکن ہماری نادانی اور بے عملی کی وجہ سے دین کا یہ شعبہ بالکل نظرانداز ہوکر رہ گیا ہے۔ اس کو دین کا حصہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اس کے بارے میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام عطا فرمائے ہیں، ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

جب ہم دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں کہ فلاں معاشرتی بیماری نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور عوام و خواص اس میں مبتلا اور ملوث ہو چکے ہیں تو پھر ہم سے رہا نہیں جاتا، برداشت نہیں ہوتا...... اور اس کے خلاف باقاعدگی سے لکھنے لگتے ہیں۔

Marfat.com

ہم دس سالوں سے لکھ رہے ہیں۔ ایک ہزار کے قریب مضامین، مقالے اور کالم جبکہ 12 کتابیں بھی محض اللہ پاک کی توفیق سے لکھی ہیں۔ ان میں سے دو تہائی حصہ سماجی، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی موضوعات پر مشتمل ہے۔ ہم نے بہت پہلے سوچا تھا اس موضوع پر تفصیل سے کام کرنا ہے، چنانچہ اسی وقت سے اس موضوع پر مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ مثالی طرزِ زندگی کے حوالے سے ہمیں جو بھی کتاب، تقریر، تحریر، بیان اور مواد ملا اس کو اپنی بیاض، ڈائری اور الماری میں جمع کرتے چلے گئے۔ وقتاً فوقتاً اس مواد پر نظر بھی ڈالتے رہتے تھے۔ روزنامہ اسلام میں لکھے گئے اکثر کالم اور مضامین اسی ڈائری کے جمع شدہ مواد کے رہینِ منت ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم نے دوسرا کام یہ کیا کہ ''زندگی ایسے گزاریں'' نامی ایک سیریز کا پہلے ایک خاکہ تیار کیا۔ ہم نے سوچا اس کے تحت ان تمام موضوعات پر تفصیلی گفتگو ہونی چاہیے جو سماج، معاشرت، اخلاقیت اور روحانیت وغیرہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ 90 فیصد حقوق العباد پر اور 10 فیصد حقوق اللہ پر بات ہو۔ آج سے ٹھیک 5 سال پہلے ہم نے ترتیب سے مسودہ تیار کرنا شروع کیا۔ اس کام کے لیے روزانہ ایک گھنٹہ مختص کیا۔ الحمدللہ! 5 سالوں میں 4 ہزار 3 سو 25 صفحات لکھے گئے۔ پھر اس کو کمپوز کروانا شروع کیا۔ ایک سال میں کمپوزنگ مکمل ہوئی۔ کمپوزنگ کے بعد کتابی صورت میں ڈھالا اور سیٹ کیا تو 1200 صفحات کے قریب بنے۔

اب دو صورتیں تھیں: ایک یہ کہ 12 سو صفحات کی ایک ہی جلد شائع کی جائے۔ اس ضخیم کتاب کو 5 متوازی حصوں میں تقسیم کر کے مختلف ابواب بنا دیے جائیں۔ ہر باب میں ذیلی عنوانات لگا کر بات کو واضح اور نمایاں کر دیا جائے تاکہ تفہیم میں آسانی ہو، اور مطلوبہ چیز اور معلومات تلاش کرنے میں قارئین کو دقت نہ ہو۔ دوسری صورت یہ تھی کہ اتنی موٹی اور ضخیم کتاب کے بجائے اڑھائی سو سے 300 صفحات کی 5 کتابیں بنا دی جائیں۔ ہر کتاب میں

Marfat.com

ایک ہی کیٹگری کے 5 سے 10 حصے بنا دیے جائیں۔ پھر ہر حصے میں 15 سے 30 ابواب ہوں۔

مثال کے طور پر ''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز کی پہلی کتاب کا نام ہو ''خاندانی نظام ایسے بچائیں'' اس کے درج ذیل پانچ حصے ہوں۔ پہلا حصہ: ''بچوں کی تربیت ایسے کریں''، دوسرا حصہ: ''فحاشی و بے حیائی کو ایسے روکیں''، تیسرا حصہ: ''شادیاں ایسے کریں''، چوتھا حصہ ''خاندانی اُلجھنیں ایسے سلجھائیں''، پانچواں حصہ: ''ازدواجی زندگی ایسے گزاریں۔'' ان پانچوں حصوں میں سے ہر ہر حصے میں مختلف عنوانات پر مشتمل ابواب اور فصول ہوں۔

''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز کی دوسری کتاب کا نام ہو ''آداب ایسے سیکھیں'' اس میں درج ذیل 8 حصے ہوں۔ پہلا حصہ: ''سیرت ایسے اپنائیں''، دوسرا حصہ: ''ایثار وصلہ رحمی ایسے کریں''، تیسرا حصہ: ''ماں باپ کی خدمت ایسے کریں'' چوتھا حصہ: ''محرم ایسے گزاریں''، پانچواں حصہ: ''ربیع الاوّل ایسے گزاریں''، چھٹا حصہ: ''بندگی ایسے اختیار کریں''، ساتواں حصہ: ''صبر اور شکر ایسے کریں''، آٹھواں حصہ: ''فیڈ بیک ایسے آتا ہے۔''

''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز کی تیسری کتاب کا نام ہو ''روحانیت ایسے حاصل کریں۔'' اس کے درج ذیل یہ حصے ہوں۔ پہلا حصہ: ''رزقِ حلال ایسے حاصل کریں''، دوسرا حصہ: ''اپنی حفاظت ایسے کریں''، تیسرا حصہ: ''نیک صحبت ایسے اختیار کریں''، چوتھا حصہ: ''تقویٰ ایسے حاصل کریں''، پانچواں حصہ: ''مصائب سے ایسے بچیں۔'' چھٹا حصہ: ''آئمہ مساجد وعلماء راہنمائی ایسے کریں۔'' پھر ان پانچوں حصوں میں مختلف ابواب ہوں۔

''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز کی چوتھی کتاب کا نام ہو ''عبادات ایسے کریں۔'' اس میں 6 حصے ہوں۔ پہلا حصہ: ''روزگار ایسے حاصل کریں''، دوسرا حصہ: ''دُعائیں ایسے مانگیں''، تیسرا حصہ: ''استخارہ اور استشارہ ایسے کریں''، چوتھا حصہ: ''حج اور قربان ایسے کریں''، پانچواں حصہ: ''صدقات اور زکوۃ ایسے دیں''، چھٹا حصہ: ''عیدین ایسے گزاریں۔'' پھر ہر ایک عنوان کے تحت مختلف ابواب اور فصول ہوں۔

Marfat.com

''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز کی پانچویں کتاب کا نام ہو ''موت کی تیاری ایسے کریں۔'' یہ کتاب 4 حصوں پر مشتمل ہو۔ پہلا حصہ: ''توبہ ایسے کریں''، دوسرا حصہ: ''وصیت ایسے لکھیں''، تیسرا حصہ: ''موت کی تیاری یوں ہوتی ہے''، چوتھا حصہ: ''عذابِ قبر سے ایسے بچیں؟'' حسبِ سابق ہر ایک حصے میں مختلف ابواب اور عنوانات ہوں...... گویا ''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز کل 5 کتابوں پر مشتمل ہو۔ اس کا آغاز معصوم بچے کی تربیت سے ہو اور اختتام موت اور قبر پر ہو۔ بزرگوں اور دوستوں کے مشورے سے دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا۔ جس کا پہلا حصہ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

''زندگی ایسے گزاریں'' نامی سیریز میں ان تمام باتوں، پیچیدہ مسائل اور پیدائش سے موت تک کی سیکڑوں ہزاروں اُلجھنوں کو آسان طریقے سے سلجھانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ دینِ اسلام پر عمل کرنا کتنا آسان ہے۔ اگر کوئی مثالی زندگی گزارنے کا تہیہ کرلے تو اس کے لیے رتی بھر بھی مشکل نہیں۔ اگر کوئی عمل ہی نہ کرنا چاہے تو پھر اس کے لیے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا اور دانتوں کی صفائی کرنا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر انسان اپنے آپ کو اللہ کے احکام کے تابع کرلے اور ''قوتِ بہیمیہ'' کو ''قوتِ ملکوتیہ'' کی ماتحتی میں دے دے۔ اپنا ظاہر اور باطن ایک جیسا کرلے۔ اوصافِ حمیدہ سے خود کو مزین کرلے اور رذائل کو نکال باہر پھینکے۔ اخلاقیات اور اعلیٰ اقدار کو اپنائے۔ حسد، بغض، منافقت اور دوغلے پن سے چھٹکارا حاصل کرلے۔ دورنگی چھوڑ کر یک رنگی اختیار کرلے۔ ''خوش رہے رحمٰن بھی اور راضی رہے شیطان بھی'' والی پالیسی نہ اپنائے تو بلاشبہ شریعت پر عمل بہت آسان ہے۔

ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا مذہب اسلام تو بالکل آسان، عام فہم اور سیدھا سادا ہے۔ افراط وتفریط سے بالکل پاک۔ نہ بے جا پابندیاں ہیں اور نہ ہی بے مہار آزادیاں۔ اگر کوئی شریعت محمدی کے راستے پر چلنا چاہے تو اس کے لیے کوئی رکاوٹ اور مشکل نہیں۔ ایک

Marfat.com

شخص مسلمان ہوا تو اُس نے پوچھا: ''یارسول اللہ! مجھے کیا کیا کرنا ہے؟'' یعنی وہ اسلام کے احکامات کو بہت مشکل سمجھ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دینِ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان بتائے اور فرمایا: ''بس!'' مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پاس ایک نوجوان آیا اور عرض کی: ''میں مکمل شریعت پر عمل پیرا ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے پوری تفصیل بتادیں۔'' اس پر حضرت تھانویؒ نے صرف یہ کہا: ''سارے کام کرو، بس گناہ نہ کرنا۔''

اگر آپ شریعت محمدی کا باریک بینی سے مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا دو تہائی حصہ حقوق العباد، معاملات اور اخلاقیات پر مشتمل ہے جبکہ صرف ایک حصہ عبادات کا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا بغور مطالعہ بتاتا ہے، اخلاقیات اور اعلیٰ اقدار کا نام ہی دین ہے۔ دین تو اَدب کا نام ہے۔ ہر اُمت کا نبی اعلیٰ ترین اوصاف اور عمدہ اخلاق کا نمونہ ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے ہی اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ اقدار کے درجے پر فائز تھے۔ عرب کا ہر ہر شخص گواہی دیتا تھا: ''آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، خیانت نہیں کی، بے انصافی نہیں کی، کسی کا حق نہیں مارا، وقت ضایع نہیں کیا، اونچی آواز میں تکلم نہیں کیا، کسی سے عداوت نہیں کی، غلط فہمی اور افواہ نہیں پھیلائی، دوسروں کے عقائد پر تنقید نہیں کی، معاشرے کی کوئی حقیقی معنوں میں اچھی روایت نہیں توڑی، وعدہ خلافی نہیں کی، منافرت نہیں پھیلائی، کسی فساد کا حصہ یا وجہ نہیں بنے، کام چوری نہیں کی، کسی پر ظلم نہیں کیا۔

آپؐ اعلانِ نبوت سے پہلے ہی اخلاقیات کے اس اعلیٰ ترین منصب پر فائز تھے جس کی بنا پر کفار بھی حجر اسود نصب کرنے کے لیے آپؐ کو ثالث مقرر کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ بدترین دشمن بھی امانتیں رکھوانے کے لیے آپؐ کے پاس آتے تھے۔ تجارت کے قافلے روانہ ہوتے تھے تو لوگ اپنا سرمایہ آپؐ کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ آپؐ کی اخلاقی برتری کی یہ حالت تھی کہ عرب میں کوئی ایک ایسا شخص موجود نہیں تھا جو یہ کہہ سکتا محمدؐ نے میرے ساتھ فلاں زیادتی کی، فلاں وعدہ توڑا یا فلاں وقت میرے ساتھ تلخی و ترشی سے پیش

Marfat.com

آئے۔ پورے عرب میں کوئی شخص آپؐ پر غلط بیانی تک کا الزام نہیں لگا سکا۔ آپؐ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو آپ کی تربیت وصحبت سے صحابہ کرامؓ بھی اخلاقیات کے اعلیٰ معیارات پر متمکن ہوگئے۔ برداشت کیا تو زمین کو دہلا دیا۔ صبر کیا تو آسمان کی پلکیں گیلی ہوگئیں۔ وعدے نبھائے تو کفار کے دل نرم پڑ گئے۔ سزائیں بھگتیں تو مشرکوں کو بھی پریشان کر دیا۔

انہیں اخلاقی صفات اور آدابِ زندگی کا نام معاشرت ہے۔ ہم اس وقت تک سچے اور پکے مسلمان نہیں ہو سکتے ہم جب تک شریعت کے بیان کردہ اخلاقی درجے پر فائز نہیں ہو جاتے۔ ہمارے ہاتھ اور ہماری زبان سے جب تک دوسرے لوگ محفوظ نہیں ہو جاتے۔ آپ کا ارشاد ہے: ''حیا ایمان کا پورا شعبہ ہے۔ جب کسی شخص میں حیا ختم ہو جائے تو پھر جو چاہے کرتا پھرے۔'' اسی طرح فرمایا: ''صفائی نصف ایمان ہے۔'' اس طرح کے بیسیوں کام ہیں جو اخلاقیات میں سے ہیں، جن کو ایمان کا اہم ترین حصہ شمار کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ کی تمام کتابوں میں تقریباً 80 فیصد حصہ معاملات اور اخلاقیات سے متعلق ہوتا ہے جبکہ 20 سے 25 فیصد حصہ عبادات کے بارے میں ہوتا ہے۔

دینِ اسلام ہی کیا تمام مذاہب اور ادیان کا بغور مطالعہ کیجیے۔ معلوم ہوگا اخلاقیات اور اعلیٰ اقدار کو بنیادی حیثیت دی گئی تھی۔ آج بھی دنیا بھر میں بسنے والی قومیں، ممالک اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں میں اخلاقیات اور سماجیات اور نظامِ معاشرت کو بنیادی اکائی شمار کیا جاتا ہے۔ تمام ممالک کا آئین دیکھ لیجیے۔ تمام بین الاقوامی اداروں، آرگنائزیشنز، کارپوریشنز اور این جی اوز کے چارٹرز کو دیکھ لیجیے۔ سب میں اخلاقیات، بنیادی انسانی حقوق، صفائی ستھرائی، رہن سہن اور سماجی تعلقات کو اصل حیثیت دی گئی ہے۔

تو قارئینِ گرامی قدر! ہم نے ''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز میں انہی پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ آپ کو اپنا گھر، اپنا خاندان، اپنا قبیلہ، اپنا گاؤں، اپنا شہر، اپنا ضلع، اپنا صوبہ، اپنا ملک اور اپنی قوم کو کس طرح مثالی بنانا ہے۔ اس پوری سیریز میں

Marfat.com

آپ دیکھیں گے کہ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت سے لے کر عنفوانِ شباب تک، شادیوں سے لے کر خاندانی نظام تک، آداب سیکھنے سے لے کر سیرت اپنانے تک، بوڑھے والدین کی خدمت سے لے کر رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے تک، محرم اور ربیع الاوّل سے لے کر رمضان اور عیدیں گزارنے تک، اپنی حفاظت سے لے کر روحانیت حاصل کرنے تک، روزگار حاصل کرنے سے لے کر رزق حلال تک، نیک صحبت سے لے کر تقویٰ کے حصول تک، مصائب سے بچنے سے لے کر حج اور قربانی تک، دانتوں کی صفائی ستھرائی سے لے کر گلی محلے کی صفائی تک، دوست احباب کے تعلق سے لے کر حکومت سے تعلقات تک، فرد کی اصلاح سے لے کر قوم کی اصلاح تک، فحاشی و عریانی کے سدّ باب سے لے کر بے حیائی کی روک تھام تک، انفرادی رہنمائی سے محراب و منبر کی راہنمائی تک، بندگی سے شرمندگی تک، اللہ کی تعریف سے لے کر بندوں کے اظہارِ تشکر تک، خواتین کے حقوق سے لے کر بے سہارا لوگوں کے حقوق تک، استخارہ سے لے کر استشارے تک، دُعا سے دوا تک، صدقہ سے زکوٰۃ تک، توبہ سے لے کر وصیت تک، موت کی تیاری سے لے کر عذابِ قبر سے بچنے تک پر تفصیلی اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز میں آپ دیکھیں گے کہ جہاں معاشرے کے سلگتے ہوئے مسائل پر بحث کی گئی ہے وہیں اس کا کافی وشافی حل بھی پیش کیا گیا ہے۔ کتاب میں نت نئے مسائل، مصائب، مشکلات اور اخلاقی بگاڑ پیدا کرنے والے جدید آلات اور ٹیکنالوجی پر بھی بات کی گئی ہے۔ بہت سی باتیں ایسی تھیں جن پر بات کرتے ہوئے ہمیں جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ ہم شرم سے پانی پانی اور خجالت سے نادم ہوئے جا رہے تھے۔ لکھتے وقت قلم لرز رہا تھا، ہاتھ کپکپا رہا تھا، لیکن ہم نے دل پر پتھر رکھ کر، آنسو ضبط کر کے صرف اور صرف نئی نسل کو تباہی و بربادی سے بچانے کے لیے اور بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کے لیے لکھنے کی جسارت و ہمت کی ہے۔

Marfat.com

مثال کے طور پر آج کل انٹرنیٹ اور فیس بک وغیرہ کی وبا گھر گھر بلکہ ہر ہر فرد تک پھیل چکی ہے۔ نوعمر بچوں اور کم عمر بچیوں کے ہاتھوں میں موجود موبائلوں میں فحش تصاویر، بے ہودہ ویڈیوز اور گندے میسجز ہوتے ہیں جوان کے اخلاق اور کردار کو بگاڑنے کا سبب بن رہے ہیں۔ مجھے ای میل اور خطوط کے ذریعے بیسیوں والدین نے پوچھا کہ ہم اپنے بچوں کو کیسے بچا سکتے ہیں؟ اسی طرح کئی قارئین نے بتایا کہ آج کل نئی نسل انٹرنیٹ دیکھ کر بداخلاق اور بدتہذیب ہوتی جارہی ہے۔ یہاں تک کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں مشت زنی جیسی خطرناک اور خود کو تباہ و برباد کرنے والی قبیح حرکات جنم لے رہی ہیں۔ خدارا! اس پر قلم اُٹھایئے اور نوجوانوں کو بچایئے۔ چنانچہ ہم نے ''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز کی پہلی کتاب میں اس نوعیت کے تمام مسائل کا حل بڑی تفصیل سے لکھ دیا ہے۔

سوچیں ذرا! بچے کی پیدائش سے لے کر قبر تک...... ہم زندگی کے ہر ہر مرحلے پر ٹھوکریں کیوں کھا رہے ہیں؟ ہر جگہ ناکامی کا منہ کیوں دیکھنا پڑ رہا ہے؟ یہ کتاب آپ کی، آپ کے بچوں کی، آپ کے گھروں کی، آپ کے خاندان کی، آپ کے محلے کی، آپ کے گاؤں والوں کی، آپ کے شہر والوں کی اور آپ کی قوم کی راہنمائی کا مشکل فریضہ ان شاء اللہ آسانی کے ساتھ سرانجام دے گی۔

''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز ان شاء اللہ اپنے موضوع پر ایک جامع دستاویز ہوگی۔ آپ خود پڑھیے، اپنے دوستوں اور خاندان والوں کو پڑھنے کے لیے دیجیے۔ اسکول، کالج اور مدارس کے طلبہ و طالبات کو انعام کے طور پر پیش کیجیے! ہم نے ''زندگی ایسے گزاریں'' سیریز لکھ کر کسی حد تک اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب آپ نے اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونا ہے۔

انور غازی، کراچی
17 اپریل 2014ء

Marfat.com

تقریظ

مفید اور کارآمد سلسلہ!!

حضرت مولانا مفتی سید عدنان کاکاخیل صاحب

یوں لگتا ہے ہمارے محترم دوست مولانا انور غازی صاحب نے اپنے نام آنے والی ساری ڈاک کے جوابات کو تحریری شکل دے ڈالی ہے۔ قلم کاروں کی ڈاک ہوتی کیا ہے؟ کچھ شکوے شکایتیں، تعریف و تحسین کے جملے اور اکثر و بیشتر مشورے اور مشورے۔ یہ کام کیسے کیا جائے؟ اس معاملے میں کیا کریں؟ ایک پریشانی ہے کوئی حل تجویز کریں، سخت تشویش لاحق ہے کوئی دعا بتایئے، یہ اُلجھن ہے کوئی وظیفہ دے دیجیے...... غرض اس قسم کے خطوط، میسجز اور ای میلز کا ایک تانتا ہوتا ہے جو اکثر لکھنے والوں خصوصاً دینی موضوعات پر لکھنے والوں کے ہاں بندھا رہتا ہے۔

پاکستانی سماج میں اپنی پریشانیوں، دُکھوں، تکلیفوں، اُلجھنوں اور رکاوٹوں کے معاملات میں دینداروں، علماء، صلحاء اور مشائخ کی طرف رجوع کرنے کا رجحان ازحد غالب ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ رجحان سادہ لوح اور کم علم لوگوں کو بسا اوقات وہاں بھی پہنچادیتا ہے جہاں ان کی ضروریات اور مسائل پر باقاعدہ بیوپار کیا جاتا ہے۔ اور بیوپار بھی کچھ یوں نہیں کہ لے دے کر کام کردیا جائے بلکہ خالص جعل سازی، دھوکہ بازی اور جھوٹ کا ایک بازار ہے جو گرم ہے۔ آئے دن ان جعلسازوں کے ہاتھوں لٹتے سادہ لوح لوگوں کے قصے

۱۲۵۸۱۸

Marfat.com

اخبارات و جرائد میں لوگوں کی نظروں سے گزرتے رہتے ہیں، مگر پھر بھی ان اڈوں پر خلقت کا ہجوم ہے کہ کم ہونے کا نام نہیں لیتا۔

زندگی اگر سلیقے قرینے سے گزاری جائے تو بہت ساری مشکلات اور پریشانیوں سے اللہ تعالیٰ ویسے ہی حفاظت فرما دیتے ہیں۔ ظاہر ہے ہماری ساری پریشانیاں اور تکلیفیں ہمارے ہاتھوں کی ہی کمائی ہوئی ہیں۔ اگر حیات مستعار کے یہ چند گنے چنے لمحے کسی ترتیب میں آ جائیں اور زندگی گزارنے کا ڈھنگ انسان سیکھ لے تو 80 فیصد مسائل تو یوں سمجھیے پیدا ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔

پیدائش سے لے کر موت تک کی ایک طبعی عمر میں انسان پر مختلف مراحل آتے ہیں۔ ہر مرحلہ میں اس کی طرف یکسر مختلف نوعیت کی ذمہ داریاں متوجہ ہوتی ہیں۔ حقوق و فرائض اور واجبات کا ایک مکمل اور آسان نقشہ ہے جو ہر انسان کے سامنے اس کے احوال کے مطابق بنتا ہے۔ جب ہم اس زندگی کے اس خاکے میں حقیقی رنگ بھرنے کے بجائے طرح دینے کی کوشش کرتے ہیں یا کوئی شارٹ کٹ اختیار کرنا چاہتے ہیں یا خود کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں یا اپنے سماج سے کسی خیانت کا ارادہ کرتے ہیں یا اپنی ذمہ داریوں سے فرار اختیار کرتے ہیں تو وہاں سے مسائل کا ایک جنگل اُگنا شروع ہو جاتا ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اب فقط دعاؤں اور جھاڑ پھونک سے اس پورے جنگل کی صفائی کر کے اسے ایک دلکش باغ بنا دیں۔ اب چونکہ یہ سنت اللہ نہیں اور اس ''دار العمل'' کے لیے اللہ تعالیٰ نے عمل ہی کو شرط ٹھہرایا ہے، اس لیے ہمیں کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو ہم مایوس ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر پیچیدہ دماغی اور نفسیاتی امراض جنم لیتے ہیں۔ غرض اس ساری اَبتری کی بنیادی وجہ زندگی گزارنے کے درست طریقے سے انحراف ہے۔ اسی لیے قرآن نے اس غلط طرزِ حیات کو ''خود پر ظلم'' قرار دیا ہے۔

ان ہی سارے مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا انور غازی صاحب نے ''زندگی

Marfat.com

ایسے گزاریں'' کے نام سے ایک بہت مفید اور کار آمد سلسلہ تحریر شروع کیا ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک ایک عام آدمی کو پیش آنے والے مراحلِ حیات پر کرنے کے کام اور پوری زندگی کو ایک سلیقے اور قرینے سے گزارنے کا طریقہ بڑے سادہ اور عام فہم انداز میں بتایا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ سلسلہ کتب پڑھنے والوں کے لیے بہت نافع ہوگا اور آپ کو اپنے کرنے کے بہت سارے کام اور اپنے بہت سارے سوالوں کے جواب اس میں مل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہر اعتبار سے پڑھنے والوں کے لیے نافع بنائے اور لکھنے والے کے اس عمل کو میزان میں ان کی حسنات کے گراں بار کرنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین!!

Marfat.com

تقریظ

شاہکار شہ پارہ

حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن مدنی صاحب

زندگی آمد برائے بندگی .... زندگی بے بندگی شرمندگی

مالکِ عزوجل نے زندگی عطا فرمائی تو زندگی گزارنے کے طریقے بھی بتادیے۔ مالکِ ارض وسماء نے محبوب لم یزل کو کائنات کے انسانوں کے لیے مکمل آئیڈیل بنا کر بھیجا۔ محبوبِ خدا نے زندگی کے ہر موڑ، ہر رخ اور ہر مرحلے کا طریقہ وسلیقہ نہ صرف بتادیا بلکہ کر کے بھی دکھادیا۔ ساری اچھی باتیں جو قرآن میں قال ہیں، آقائے دوجہاں کی زندگی میں حال ہیں۔

نقشِ قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

قرآن کے بیان کردہ احکامِ عبادت، مکارمِ اخلاق، طرقِ زندگی اور رسول اللہ کے نقوشِ حیات سے معرضِ وجود میں آنے والے اخلاق حمیدہ اور اوصافِ متمیزہ ہی کا نام اچھی اور پرسکون زندگی ہے۔

علم محمد، عدل محمد، پیار محمد
ساری اعلیٰ قدروں کا معیار محمد

رنگ بدلتی دنیا، ہچکولے کھاتی اقداروں اور لبِ دم تہذیبوں کے مجموعے سے جس حیا باختہ و دہشت ناک تہذیب، اندوہناک صورت حال، خطرناک عادات واطوار، شرمناک

Marfat.com

کردار، افسوس ناک حالات و معاملات، وحشت ناک مسائل، کربناک رویوں، تشویش ناک رجحانات اور بے باک نسل نے جنم لیا ہے اس نے امتِ مسلمہ سے اس کے شاہین اور مستقبل سے اس کی امید چھین لی ہے۔ ماں کی گود سے ملنے والے دروس ناپید اور باپ کی توجہ سے ملنے والی تربیت عنقا ہوگئی ہے۔ لاتعداد TV چینلز، انٹرنیٹ، موبائلز، رسائل و جرائد اور اسکول و کالج و یونیورسٹیز کے مادہ پرست خبطی تعلیم و تربیت اور ذہن سازی کے بنیادی عناصر و کلیدی عوامل بن گئے ہیں۔ ایسے میں ضرورت ہے کہ نسلِ نو کی تربیت کی طرف دردمندی اور انہماک سے توجہ دی جائے کہ اولاد ہی ہر انسان کی پونجی، ہر انسان کی دنیا اور ہر انسان کی آخرت ہے۔ انہیں سنوار لیا تو امت کا مستقبل اور اپنی دنیا و آخرت سنوار لی۔

نسلِ نو کی اخلاقی بدحالی و تربیت کے بانجھ پن، تعلیم و تربیت کے نظام کی خستہ حالی اور امت کے مستقبل کی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے امت کے غم خوار، مطالعۂ کتب کے غنیم اور غضب کے باریک بیں انور غازی نے برسوں کے مطالعے اور مدتِ مدید کی ریاضت کے بعد خونِ جگر میں انگلیاں ڈبو کر فگار پوروں اور پر خلوص قلم کے ساتھ وہ شہ پارہ امت کی نذر کیا ہے جو عدیم النظیر، عدیم المثال اور کمال ہی کمال ہے۔ اس میں سادگی کا جمال، لطافت کا کمال، قرآن کا قال، نبی کا حال، اوصافِ حمیدہ کا عروج اور تہذیبِ نو کی تباہ کاریوں کا زوال، بزبان حال، بانداز دلپذیر و دانیال ہے۔ یہی انور غازی کی محنت، ریاضت، خلوص، سوز و ساز اور عروجِ کمال ہے جس پر بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ پرفتن دور کی ظلمت و ضلال کی راہوں پر قندیلیں روشن کرنے والا ''انور'' اور تربیت کی نازک راہوں سے سلامتیٔ فکر سے گزر جانے والا ''غازی'' ہے۔ کتاب کی قبولیت و مقبولیت کی تمنا و مناجات۔ برادرم انور غازی کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ پیارے اللہ سے دعا و التجا کہ اس کتاب کو اتنی قبولیت اور پذیرائی نصیب ہو جتنی کہ اس امت کے لیے کڑھنے والوں نے دعائیں اور والدین نے اپنی اولادوں کے لیے پاک مالک کی بارگاہ میں التجائیں کی ہیں۔ آمین بجاہ نبی الامین!

Marfat.com

مقدمہ

بھولے سبق کی یاددہانی

مولانا عمر فاروق راشد، معاون مدیر شریعہ اینڈ بزنس

ہوا کیا؟ مغرب کلیسا کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ گیا۔ مذہب سے نفرت رگ و پے میں بس گئی۔ ان کی نظر میں ترقی کی راہ میں واحد رکاوٹ کوئی چیز تھی تو وہ مذہب تھا۔ آسمان سے اتری ہدایات تھیں۔ جسے وہ خودغرض، خائن اور لالچی ذہنیت کے مالک ربّیوں کے روپ میں انتہائی ناکام دیکھ رہے تھے۔ سو، یہ طے پایا کہ مذہب کو دیس نکالا دے کر نئی منزلوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہونا چاہیے۔ مفکرین علوم وفنون کے سمندروں میں غوطہ زن ہوئے۔ یہ روحانیت سے مادّیت کی طرف ''یوٹرن'' تھا۔ تحقیق و جستجو کا محور عالم انفس کے بجائے ''آفاق'' اور قلب کے بجائے ''نظامِ قدرت'' قرار پایا۔ معدنیات، کیمیا، طبیعات، ریاضیات اور ٹیکنالوجی کے نئے نئے راستے سامنے آئے۔ نئی منزلوں کی تلاش میں پستی کا سفر جاری رہا۔ جدید نظریات بھی وجود میں آئے اور نت نئے آلات بھی۔

عقل کا تراشیدہ طرزِ زندگی، اسباب راحت کی بہتات اور مشینوں کی حکمرانی۔ یہ تھا سالوں کی تحقیق کا خلاصہ اور مادّیت کا مقصد وحید۔ ہر طرف «لَا اِلٰهَ وَلَا دِيْنَ وَلَا غَيْبَ وَلَا اِيْمَانَ وَلَا رُوْحَ وَلَا آخِرَةَ» کا نعرہ گونج اُٹھا۔ دین و مذہب کو دیس نکالا دیا گیا اور ہر طرف مشینوں کی حکمرانی قائم ہوگئی۔ اس قدر کہ دنیا میں کچھ نہ بچا سوائے مشینوں کے۔ انسان بھی مشین بن گئے۔ سائنس قبلہ وکعبہ قرار پائی۔ سائنس سے سوچا، سائنس کو کھایا اور

Marfat.com

سائنس ہی کو پوجا جانے لگا۔ عقل نے انسان کو ''کیپٹلزم'' سے نوازا۔ سوشلزم کا تحفہ دیا۔ بم اور بارود دیے۔ کلاشن اور بندوق تھمائی۔ پروپیگنڈے اور سازشوں کی راہ سجھائی۔ انسانیت کی قبا کھینچ اُتاری۔ اندر سے جو کچھ برآمد ہوا، وہ انسان کے روپ میں ایک درندہ تھا۔ خود غرض، فسادی، لالچی اور سراسر کمرشل۔ یہ تھا مادّیت کا انجام......اوراس کے بعد مغرب کے اضطراب کی اک مادر پدر آزادنئ کہانی شروع ہوئی اور وہ بھول بھلیوں میں جاپڑا۔

اس وقت مغرب حقیقتاً ایک بندگلی میں ہے۔ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ اعتماد، سکون، احساس، ہمدردی اور جذباتی ہم آہنگی نام کی کوئی چیز نہیں۔ دلوں میں شقاوت کے ڈیرے ہیں اور باہر عداوت کے پہرے۔ خاندانی نظام کا جنازہ نکل چکا ہے۔ افراد، طبقات، برادریاں اور معاشرے...... سبھی ایک مسلسل بے چینی کی لپیٹ میں ہیں۔ ایک توڑ پھوڑ، ایک کشمکش اور ایک جنگ کی گھنگھور گھٹا چھائی ہے۔ ایک اخلاقی انتشار، ایک روحانی خلا اور ایک مستقل مایوسی۔ انسانیت سسک رہی ہے۔ خواہشات و ہوس کی دیوی حکمرانی کر رہی ہے۔ یوں سمجھیے کہ ایک آتش فشاں پہاڑ ہے جو کسی بھی لمحے پھٹ سکتا ہے۔ ایک خاموش سمندر ہے کہ جس کی زیریں لہریں کسی دم طوفان برپا کردیں گی۔

یہ ہے مغرب، مغربی تہذیب، مغربی ترقی اور مغربی طرز فکر کا انجام۔ انہوں نے ایمان سے منہ موڑا۔ خدا سے ناتہ توڑا۔ دنیاوی اسباب و وسائل کو آخری وسیلہ سمجھا۔ عقل کے لولے لنگڑے گھوڑے پر سوار دنیا کو مسخر کرنے نکلے اور پھر اتنی دور جانکلے کہ خود کو فراموش کر بیٹھے۔ اضطراب اور ڈیپریشن نے انہیں دیوانہ بنا رکھا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر خودکشیاں کرنے لگے ہیں۔ دردِ دل، شمع احساس، انسانی ہمدردی جو کہ تخلیق انسان کا اصل مقصد اور طرۂ امتیاز ہے، ان میں سے کوئی بھی چیز ان کے ہاتھ نہیں۔ سو، یہ حقیقت اب چڑھے سورج کی طرح عیاں ہوچکی ہے کہ انسانیت کا واحد نجات دہندہ ایمان اور مذہب ہے۔ روح اور روحانیت ہے۔ پیغام رسالت اور شیوہ پیغمبری ہے۔

Marfat.com

دوسری جانب آپ مشرق کو دیکھیے۔ وہ مغرب کی پیروی میں ہلکان ہوا جاتا ہے۔ اس کی گھسی پٹی اور ناکام تہذیب کو گلے کا ہار بنا رہا ہے۔ اپنی آفاقی اور روحانی تعلیمات پر شرمندہ سا نظر آتا ہے۔ ملت کے نوجوانوں کو اسی تہذیب میں آئیڈیل نظر آنے لگا ہے۔ عوام اپنا ظاہر و باطن اہلِ مغرب جیسا بنانے پر نازاں نظر آتے ہیں۔ حکام اپنی پالیسیوں کے لیے انہی کے فرسودہ نظریات و خیالات سے متاثر ہو رہے ہیں۔ آج ضرورت ہے اقوامِ عالم کو بتایا جائے کہ فلاح و صلاح سراسر روحانیت میں ہے۔ قرآن پاک کی زندہ جاوید اور حکیمانہ تعلیمات میں ہے۔ قیامت تک باقی رہنے والے مذہب اسلام میں ہے۔ مسائل کا حل اسلامی شعائر اپنانے میں ہے۔ مشکلات سے نجات سنت نبوی کی پیروی میں ہے۔ قابلِ فخر، قابلِ عمل، قابلِ تقلید اور قابلِ قبول صرف اور صرف اسلام ہے۔ تمام تر انفرادی، اجتماعی، ملکی اور بین الاقوامی مسائل کے لیے پھر سے روحانیت کا پلّہ تھامنے کی ضرورت ہے۔

''زندگی ایسے گزاریں'' کی پوری سیریز مطالعہ کرنے کے بعد یہ عاجز اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ مصنف قوم کو یہی بھولا سبق یاد دلانا چاہتے ہیں۔ اسی راز سے پردہ اُٹھانا چاہتے ہیں جسے ہم دیکھنے کے باوجود دیکھنے سے قاصر ہیں۔ وہی نوا پھر سے بلند کرنا چاہتے ہیں جو مفکرینِ قوم ہر دور میں اپنا فریضہ سمجھ کر بلند کرتے رہے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ ہماری تہذیب کیا ہے اور طرزِ زندگی کیا ہے؟ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کس روش سے کنارہ کش ہو جانا چاہیے؟ مسائل کیوں پیدا ہوتے ہیں اور حل کیسے کیے جاتے ہیں؟ وہ واضح کرتے ہیں کہ اسلام کس قدر جامعیت کے ساتھ ہماری زندگی کا احاطہ کرتا اور کس باریکی کے ساتھ بڑے چھوٹے تمام مسائل کو حل کرتا ہے؟ انہوں نے معاشرتی رویوں اور سماجی خرابیوں کی جراحی کی ہے اور علاج بھی بتایا ہے۔ یوں انہوں نے ہزاروں صفحات سے کشید کر کے ایک ایسا مجموعہ ہمارے لیے مرتب کر دیا ہے جسے پڑھ کر ہم اپنی زندگیوں میں ایک سکون، ایک

Marfat.com

قرار اور ایک دینی وحدت لا کر اس کے حقیقی مزوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ تمام اہم سماجی مسائل کا احاطہ کرتی ایک مستند، جامع اور سراسر عملی سیریز جسے حاصل کرنے کے بعد بار بار پڑھا اور خوب خوب فائدہ اُٹھایا جائے گا، ان شاء اللہ!

یہاں مجھے موقع دیجیے کہ سیریز کے تجزیے سے قبل آپ کے پسندیدہ مصنف کا تعارف پیش کروں۔ استاذ محترم حضرت مولانا محمد انور غازی صاحب حافظ قرآن، ثقہ عالم دین، معروف صحافی اور بالغ نظر و تجربہ کار مصنف ہیں۔ جامعہ دارالعلوم کراچی سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ اس کے بعد حضرت مفتی رشید احمدؒ کے ہاں تخصص فی الافتاء کیا۔ کراچی یونیورسٹی سے گریجویشن مکمل کرنے کے بعد طلب علم کا سلسلہ ہنوز جاری رکھے ہوئے ہیں۔ درسِ نظامی کی تدریس سے وابستہ رہے۔ کالج میں اردو ادب بھی پڑھاتے رہے۔ متعدد ممالک کے سفر کیے اور پھر سفرنامے لکھے۔ افغانستان میں جاری معرکوں کا آنکھوں دیکھا حال لکھا۔ 2003ء میں کسی سفاک نے گاڑی پر قاتلانہ حملہ کیا۔ دُشمن ناکام ہوا اور آپ ''غازی'' ٹھہرے۔ صحافت کے میدان میں اہلِ حق قلم کاروں کا خلا محسوس کرتے ہوئے قلم سے ناتہ جوڑ لیا۔ اللہ ربّ العزت نے خصوصی توفیق سے نوازا اور کوچہ صحافت میں بہت مختصر عرصے میں شہرت، مقبولیت اور ترقی پائی۔ اس وقت روزنامہ جنگ، روزنامہ اسلام، ضربِ مؤمن اور دیگر جرائد کے لیے کالم لکھتے ہیں۔ ضربِ مؤمن کی ادارتی ٹیم کا بھی حصہ ہیں۔ ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں جبکہ اتنی ہی کتب زیر طبع یا زیر تکمیل بھی ہیں۔ علاوہ ازیں جامعۃ الرشید کے شعبہ صحافت کے استاذ ہیں۔ محنت و خلوص آپ کی خصوصی صفات ہیں۔ اللہ نے لکھنے لکھانے کا خصوصی ذوق عطا فرمایا ہے تو اُمت کے مسائل کے لیے تڑپتا دل بھی عطا کیا ہے۔ سہل نگاری، شستہ نویسی اور حکایتی اندازِ تحریر کے ذریعے شائقین مطالعہ میں مقبول ہیں۔ آپ کی کتابوں پر تقریظ لکھنے والوں اور آپ کے اندازِ تحریر کو پسند کرنے والوں میں عطاء الحق قاسمی، عرفان صدیقی، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، حامد میر، جاوید چوہدری،

Marfat.com

اور یا مقبول جان، پروفیسر متین الرحمٰن مرتضٰی، ڈاکٹر عامر لیاقت، مولانا اسلم شیخوپوریؒ اور سیّد عدنان کا کاخیل جیسے ماہرین فن اور مستند قلم کار شامل ہیں۔

زیر نظر سیریز ''زندگی ایسے گزاریں'' جس کی ایک کتاب اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس کے مجموعے پر نگاہ ڈالتے ہوئے یہ محسوس ہونے میں دیر نہیں لگتی کہ دراصل معاشرے کے انقلاب کی یہ وہ صورت ہے جو اس دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ آپ اسے ''اصلاح فرد'' کی ذمہ داری کہہ سکتے ہیں۔ اسے کل سے پہلے جز کی درستی کا نام دے سکتے ہیں۔ عمارت کی تعمیر سے قبل اس کے اجزا اور میٹریل کو خالص اور پختہ بنانے کا عمل قرار دے سکتے ہیں۔ اہلِ فکر ونظر کا اتفاق ہے کہ اس دور میں سب سے کارگر حکمت عملی یہی ہے۔ اصلاح معاشرہ کے لیے جڑوں کو چھوڑ کر صرف پتے جھاڑتے رہنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ مسائل ومشکلات کی کچرا کنڈی پر منقش چادر ڈالنے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔ دائمی مریض کو طاقت کے نسخے کھلاتے رہنا بے کار ہے۔ سو، انقلاب معاشرہ کے لیے آج سب سے کارگر تدبیر یہی ہے کہ افرادِ معاشرہ پر محنت کی جائے۔ افراد کی طرف بڑھنے سے قبل اپنی ذات میں انقلاب برپا کیا جائے۔ ''پیدائش سے موت'' تک کے ہر ہر مرحلے میں اسلام زندہ جاوید نظر آئے۔ تمام معمولات اور معاملات میں سنت نبوی کی بہار آجائے۔ آج یہ کتاب دیکھتے ہوئے ہمیں یہی عزم کرنا ہے۔ ہمیں خود کو بدلنے کی کوشش کرنی ہے۔ یہی تبدیلی کی خواہش اور کوشش ان شاء اللہ ہماری نجات کا باعث بنے گی۔ ہمارے بدلنے سے اندھیروں بھرے معاشرے میں ایک چراغ جل اُٹھے گا۔ پھر چراغ سے چراغ جلتے جائیں گے۔ اندھیرے چھٹتے جائیں گے۔ پھر وقت آئے گا، جب ہر طرف امن وامان ہوگا۔ معاشرہ خوش حال ہوجائے گا۔ ہماری آرزوئیں پوری ہوں گی۔ وطنِ عزیز میں ہر طرف سنت، شریعت، قانون، اخلاق، کردار اور کارکردگی کا دور دورہ ہوجائے گا۔ اسی خودآگاہی، تبدیلی فرد اور اصلاح نفس کا عزم کرکے سیریز کے پانچ حصوں

Marfat.com

میں غور کیجیے۔ آپ انہیں ایک نصاب زندگی اور کتاب زندگی پائیں گے۔

دیکھیے ! پہلا عنوان ہے: ''خاندانی نظام ایسے بچائیں'' یہ ہمیں نئی نسل کی درست ترین خطوط پر ساخت و پرداخت کے لیے رہنما اصول بتائے گا۔ خاندانی نظام کے اوّلین مرحلے ''شادی'' سے متعلق سنت کی روشنی عطا کرے گا۔ مختلف خاندانی اُلجھنوں، مسائل، رسوم، نشیب وفراز اور بے اعتدالیوں کا حل پیش کرے گا۔ معاشرے کی اصلاح سے متعلق ائمہ مساجد کے فرائض منصبی واضح کرے گا۔ فحاشی وعریانی کے سیلاب بلاخیز کی روک تھام کے لیے اہم مشورے پیش کرے گا۔ دوسری کتاب ''آداب ایسے سیکھیں'' دراصل اخلاقیات کا ایک نصاب ہے، جہاں سیرت، خدمت، عشق رسول، صبر وشکر، ایثار وصلہ رحمی اور بندگی پر مبنی شرعی اقدار ملاحظہ کرنے کو ملیں گی۔ اسی سلسلے کی تیسری کڑی ''روحانیت ایسے حاصل کریں'' کے عنوان کے ساتھ حلال کمائی، حرام سے اجتناب، حفاظت نفس، صحبت اولیاء، تقویٰ وطہارت اور مصائب پر صبر کی بابت رہنمائی ملے گی۔ چوتھی کتاب ''عبادات ایسے کریں'' میں سال بھر میں ادا کی جانے والی روزانہ، ہفتہ وار، ماہانہ یا سالانہ عبادات، نیز مالی اور بدنی عبادات سے متعلقہ مسائل وفضائل یکجا ملیں گے۔ سیریز کی پانچویں اور آخری کتاب ''موت کی تیاری ایسے کریں'' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ حصہ نہایت ہی اہم ہے۔ توبہ، وصیت، عذابِ قبر، موت کی سختیاں وغیرہ متعدد عنوانات جو عموماً ہماری نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔

بلاشبہ یہ ایک تحفہ زندگانی ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں اس سے کماحقہٗ استفادے کی توفیق عطا فرمائیں۔ ایک ذمہ دار مسلمان کی حیثیت سے اپنی اصلاح کی توفیق بخشیں۔ مصنف کی وہ عظیم فکر جو ہماری ذات سے ہوتی ہوئی معاشرے، وطن اور پھر اُمت مسلمہ کی اصلاح تک رسائی رکھتی ہے، رنگ لائے۔ اللہ کرے پانچ کتابوں کی یہ سیریز معاشرتی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہو۔

Marfat.com

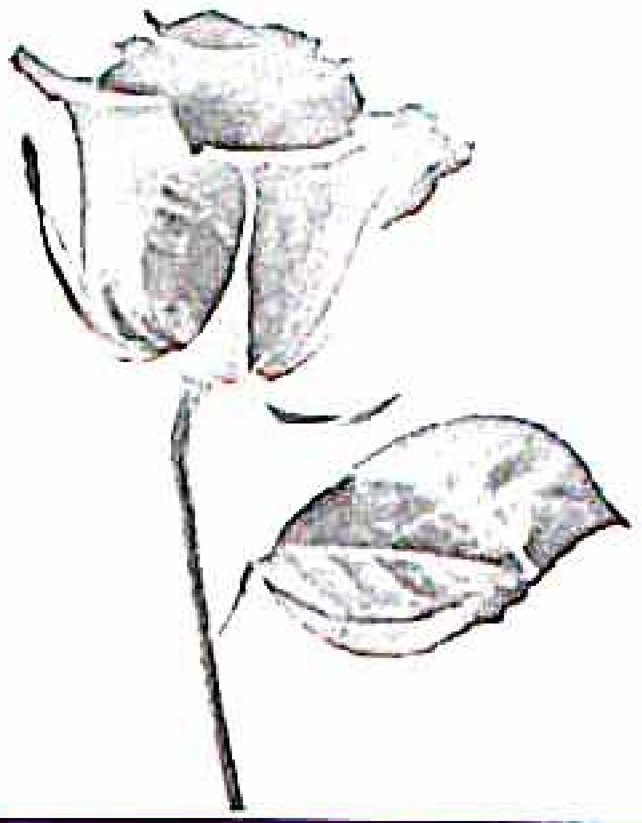

حرفِ اوّل

آپ ہی آگے بڑھیں!

طلوعِ اسلام کے ابتدائی دنوں کی بات ہے۔ ایک صحابیؓ کا کسی یہودی سے بحث مباحثہ ہوگیا۔ بات چیت مختلف موضوعات سے ہوتی ہوئی رہن سہن اور طور طریقوں تک جا پہنچی۔ ایک دوسرے کے طرزِ زندگی اور بود و باش پر بات نے طوالت اختیار کی اور یہود کے طرزِ زندگی پر صحابی کی جانب سے جامع اعتراضات ہوئے تو یہودی سے کچھ نہ بن پڑا۔ یہودی نے غصے میں کہا: ''تمہارے نبی کیسے ہیں جو تمہیں قضائے حاجت کے لیے بیٹھنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ بھلا یہ چیزیں بھی سکھانے اور بتانے کی ہیں؟'' اس پر مسلمان نے فخر سے جواب دیا: ''ہاں! ہمارے نبی ہمیں ہر چیز کا طریقہ اور سلیقہ بتاتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ استنجا کیسے کیا جائے؟ کیسے بیٹھا جائے؟ کون سے ہاتھ سے طہارت کی جائے؟ قبلہ رُخ ہو کر پیشاب، پاخانہ کرنے سے منع کیا ہے۔ اس بات سے بھی روکا ہے کہ دائیں ہاتھ سے استنجا کریں۔ گوبر، ہڈی، کاغذ اور کھانے پینے کی اشیا کے ساتھ طہارت سے روکا ہے۔''

درج بالا جس حدیث کا مفہوم بیان کیا گیا ہے، وہ حدیث صحاحِ ستہ میں سے صحیح مسلم شریف کی جلد اوّل کے صفحہ نمبر 163 پر موجود ہے۔ اسی طرح ترمذی شریف کی جلد اوّل کے صفحہ نمبر 17 پر بھی ہے۔ حدیث پاک کا متن کچھ یوں ہے:

Marfat.com

«عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ یَزِیدَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ، قِیلَ لَہٗ: قَدْ عَلَّمَکُمْ نَبِیُّکُمْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلَّ شَیْءٍ حَتَّی الْخِرَاءَۃَ قال، فقال: أَجَلْ. لَقَدْ نَہَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَۃَ لِغَائِطٍ أَوْبَوْلٍ وَأَنْ نَسْتَنْجِیَ بِالْیَمِینِ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِیَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَۃِ أَحْجَارٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِیَ بِرَجِیعٍ أَوْبِعَظْمٍ»

ترجمہ: ''حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے، ان سے کسی نے کہا: ''تمہارے نبی تمہیں ہر چیز سکھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ قضائے حاجت کے لیے بیٹھنے کا طریقہ بھی؟'' حضرت سلمانؓ نے جواب دیا: ''جی ہاں! بالکل، انہوں نے ہمیں اور بھی بہت ساری چیزیں سکھائی ہیں۔ ہمیں قبلہ رُخ ہوکر بول و بزار سے منع کیا ہے۔ اس بات سے بھی روکا ہے کہ ہم دائیں ہاتھ سے یا تین عدد سے کم پتھروں کے ساتھ استنجا کریں۔ یہ بھی انہوں نے سکھایا ہے کہ ہم گوبر یا ہڈی کے ساتھ طہارت کریں۔''

قصہ مختصر یہ کہ مسلمان نے اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزارنے سے متعلق ہمیں تمام باتیں، رہن سہن کے طور طریقے، بات چیت کے آداب، خرید وفروخت کے احکام، لین دین اور معاملات طے کرنے کے جملہ اصول بتائے ہیں۔ ہماری اپنی تہذیب وثقافت ہے۔ کون سا شعبہ ہے جس کے متعلق ہمیں شریعت سے رہنمائی فراہم نہیں کی گئی؟ اس کا مطلب ہے اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں پیدائش سے موت تک، شادی بیاہ سے غمی خوشی تک، بچپن سے لڑکپن تک، نوجوانی سے بڑھاپے تک، نجی معاملات سے سرکاری کاموں تک، عائلی وخانگی زندگی سے لین دین کے معاملات تک، کھیتی باڑی سے تجارت وصنعت تک، بچوں کی تربیت سے بزرگوں کے حقوق تک، ملکی سیاست سے عالمی تعلقات تک، اپنوں کی دوستی کے احکام سے یہود وہنود، مشرکین، نصاریٰ اور دیگر قوموں اور مذاہب کے ساتھ تعلقات قائم کرنے تک سب کچھ موجود ہے۔ دینِ اسلام واحد مذہب ہے جس میں اتنی تفصیل اور تنوع کے ساتھ احکام

Marfat.com

بیان کیے گئے ہیں۔ ہمارے دین میں زندگی کے تمام گوشوں سے متعلق کافی شافی رہنمائی موجود ہے۔

وہ تمام تفصیلات آج بھی موجود ہیں، لیکن بدقسمتی سے عملدرآمد کم ہوگیا ہے۔ جبکہ خیر القرون میں ان سنہری اصولوں پر عمل درآمد کیا گیا۔ اس کے بعد بھی ایک وقت تک زندگی کے ہر ہر شعبے میں دینِ اسلام کے احکام پر سختی سے عمل کیا جاتا رہا، جس کا نتیجہ یہ نکلا مسلمان تیزی سے ہر شعبے میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ پوری دنیا میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں انسان تو انسان، ذمہ داریوں میں جانوروں کے حقوق تک گنوائے گئے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپؓ نے فرمایا: ''اگر دریائے فرات کے کنارے بکری کا بچہ بھی پیاسا مرجاتا ہے تو اس کا ذمہ دار بھی میں ہوں۔'' عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ حکومت ہر شخص خوشحال تھا۔ تلاش کرنے سے بھی کوئی ایسا شخص نہیں ملتا تھا جس کو صدقات دیے جاسکتے ہوں۔ اسلام کے زرّیں اصولوں کو پلے باندھ کر اور عدل وانصاف کا جھنڈا تھام کر مسلمان جس طرف کا بھی رُخ کرتے، فتح وکامیابی ہی ان کے قدم چومتی۔

دیگر ادیان اور مذاہب کے مقابلے میں دین اسلام کی خوبی یہ ہے کہ اس میں بچوں کی تعلیم وتربیت، عقد ونکاح، شادی بیاہ، غمی وخوشی، جنگ وجدال، امن وصلح، معیشت وتجارت کے اصول عملی طور پر موجود ہیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی پوری زندگی ہمارے سامنے ہے۔ پھر اپنوں اور غیروں سے کس طرح سلوک کرنا ہے؟ خواتین کے کیا حقوق ہیں؟ خادموں اور ملازموں کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا ہے؟ پڑوسیوں اور ہمسائے ممالک اور قوم کے ساتھ کس طرح رہنا ہے؟ ایک ساتھ کام کرنے والوں کے کیا حقوق ہیں؟ بیماروں کی تیمارداری کس طرح کی جائے؟ تحقیق وتفتیش کا نظام کیا ہونا چاہیے؟ علم وادب کے حصول کے کیا آداب ہیں؟ دنیا میں تعمیر وترقی کے لیے کیا کیا اقدامات کن

Marfat.com

طریقوں سے کیے جائیں؟ یہ سب کچھ اسلام میں موجود ہے۔

لیکن ہماری بے عملی کی وجہ سے آج ہم ہر شعبہ زندگی میں مشکلات کا شکار ہیں۔ ہمارا خاندانی نظام تک خطرے میں ہے۔ آپ سیاسی نظام سے لے کر گھریلو نظام تک کا باریک بینی سے جائزہ لے لیجیے۔ صوبوں، ضلعوں، تحصیلوں، شہروں، محلوں، دیہاتوں، خاندانوں، گھرانوں حتیٰ کہ میاں بیوی تک میں اختلافات ہیں۔ ایک دوسرے پر عدم اعتماد ہے۔ چھوٹے چھوٹے مسائل پر لڑائی جھگڑے ہیں۔ والدین اور اولاد میں اتفاق و اتحاد نہیں ہے۔ رشتہ دار ایک دوسرے کے قتل کے درپے ہیں۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ بچوں کو اسلامی نہج کے مطابق تعلیم نہیں دی جارہی اور ہونہاروں کی شریعت کے مطابق تربیت نہیں ہو پارہی۔ اصل اصلاح فرد کی ہوتی ہے۔ فرد کی اصلاح سے گھر کی اصلاح ہوتی ہے۔ گھر سے خاندان، خاندان سے قبیلہ، قبیلے سے گاؤں، گاؤں سے محلّہ، محلے سے شہر، شہر سے تحصیل، تحصیل سے ضلع، ضلع سے ڈویژن، ڈویژن سے صوبہ اور صوبوں سے ملک اور پھر پورا معاشرہ بہتر ہوجاتا ہے۔ گویا اصل مسئلہ اور فساد کی جڑ شخص کی عدم تربیت اور عدم اصلاح ہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بچوں کی بہترین تربیت کی جائے۔

ہر دور میں بچوں کی تربیت اور فرد کی اصلاح پر خصوصی توجہ دی جاتی رہی ہے، لیکن آج ہم ملکوں اور قوموں کو تو سدھارنے کے درپے ہیں، مگر ہونہاروں کی تعلیم و تربیت اور شخصی اصلاح کی طرف رتی بھر توجہ نہیں دیتے۔ ہر سطح پر کوشش کی جارہی ہے کہ ملک اور قوم یک دم سدھر جائیں۔ یکدم پورے ملک سے کرپشن، بدعنوانی، خیانت، جھوٹ، دھوکا، فراڈ، ملاوٹ، چوری، حرام خوری اور بدکاری جیسے ناسوروں اور غیبت، حسد، بغض اور حبِ مال وجاہ جیسے رذائل کا خاتمہ ہوجائے جو کہ مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے، مگر اس طرف کم توجہ دی جاتی ہے کہ ہم اپنی نئی نسل کو سدھار کے راستے پر کس طرح گامزن کریں کہ نوجوانوں کی ایک بہترین کھیپ ہمیں میسر آجائے۔ اس لیے یہ ایک اہم بات ہے کہ

Marfat.com

بچوں، بچیوں اور نئی نسل کی تعلیم و تربیت اور فرد و شخص کی اصلاح پر انفرادی توجہ دی جائے۔
یہ بات یاد رکھیں جس طرح کا معاشرہ تشکیل دیا جا رہا ہے اس میں آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو آگ کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ اس میں آپ ہی کا فرض بنتا ہے کہ آپ آگے بڑھیں اور اپنا کردار ادا کریں۔ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچائیں۔

بحکم قرآنی:

«فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ»

ترجمہ: پھر جس کسی کو دوزخ سے دُور ہٹالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ صحیح معنی میں کامیاب ہو گیا۔

Marfat.com

باب 1

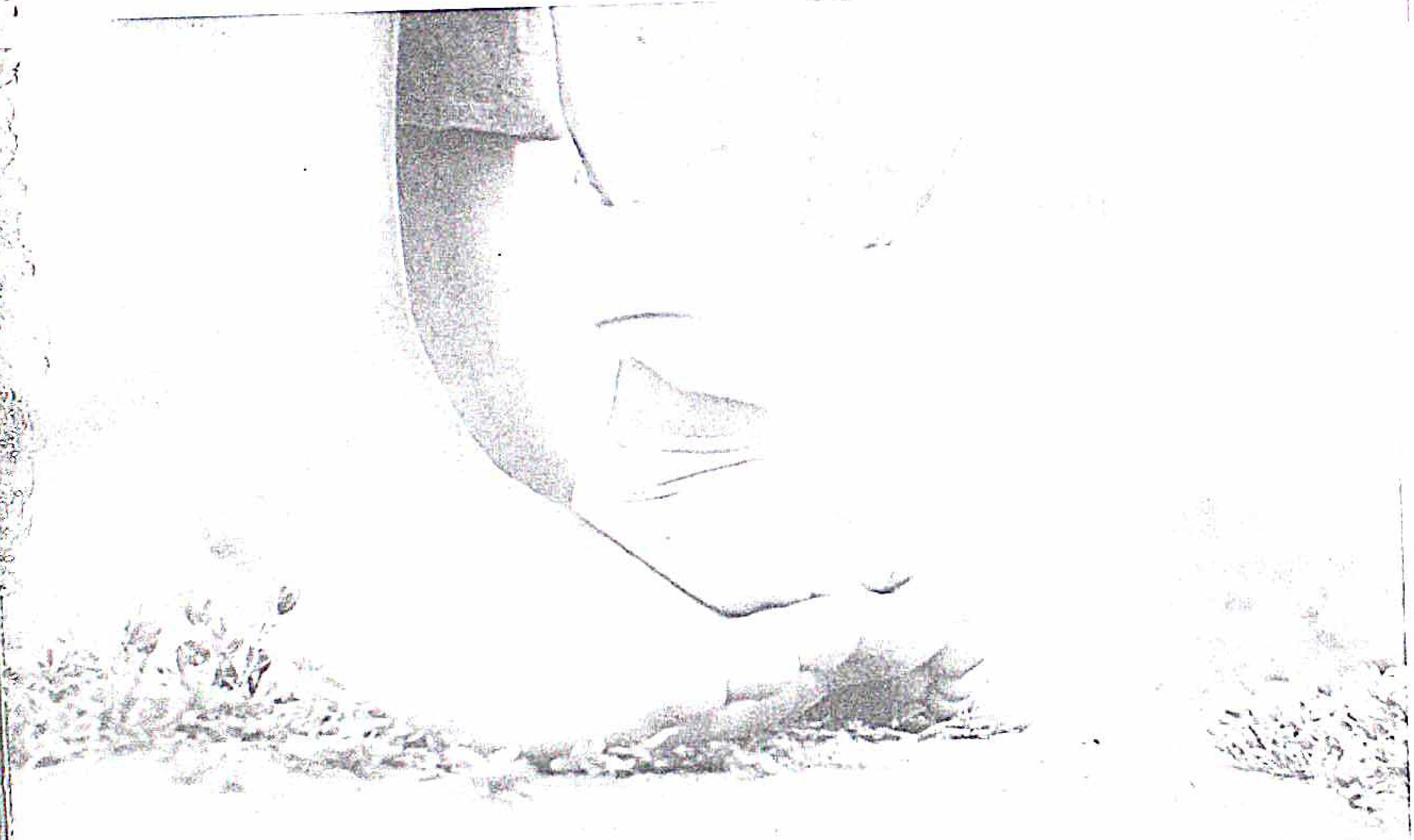

بچوں کی تربیت ایسے کریں

Marfat.com

1 / 1

بچہ اور ماں کی گود/ بچوں کو نیک صحبت دیں

انسان کی پرورش، نشو ونما اور تربیت کا سب سے پہلا مرحلہ اس کا بچپن ہوتا ہے۔ اس لیے گفتگو کا آغاز بچے کی تربیت سے کرتے ہیں۔ تربیت کے انہی اسلامی خطوط پر اپنے پیاروں کی تربیت کیجیے۔ یہ بچے ہی آپ کا مستقبل اور آپ کی آخرت ہیں۔

یہ سچ ہے، اَٹل حقیقت ہے اور پوری دنیا کے ماہرین کا اس پر اتفاق ہے۔ بچوں کی نفسیات اور نشو ونما کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ بچے کے ذہن کی دیواریں ایک خالی کینوس کی طرح ہوتی ہیں۔ اس پر قصوں، کہانیوں، دیومالاؤں، عظیم انسانوں کے کرداروں اور اخلاقیات سے مزیّن سچی نصیحت آمیز داستانوں کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے۔

بچوں کے ذہنوں پر ایک ماحول کا فسوں طاری ہوتا ہے۔ ایک خوابوں کی دنیا وجود رکھتی ہے۔ خوابوں کی اس دنیا میں اچھے اور اعلیٰ کرداروں والے ہیرو ہوتے ہیں اور بُرے کرداروں والے وِلن بھی۔ ایک سرزمین ہوتی ہے جس پر پھول کھلتے ہیں، موسم بدلتے ہیں، فصلیں اپنی بہادر دکھاتی ہیں۔ اس میں جیتے جاگتے انسان بستے ہیں۔

بچپن میں جیسا ماحول اور جیسی خوابوں کی دنیا بچے کے ذہن کے کینوس پر منقش کر دی جاتی ہے، وہی دنیا پوری زندگی کے لیے اس کے لیے ایک حوالہ بن جاتی ہے۔ جس طرح کے ہیرو اس کے ذہن کے پردے پر نقش ہوتے ہیں، وہ ساری زندگی ان کے سحر سے باہر نہیں نکل پاتا۔ جس طرح کی اخلاقیات وہ سیکھتا ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ خود کسی بھی طرح کے کردار میں ڈھل جائے، اس کی اخلاقیات کا معیار وہی رہتا ہے۔

Marfat.com

بچپن کا یہی وہ زمانہ ہوتا ہے جب بچہ اپنے وطن، اپنے علاقے اور اپنے موسموں سے محبت سیکھتا ہے۔ اسے آخری عمر میں بھی اسی ماحول کی ہواؤں کی سرسراہٹ اور مٹی کی خوشبو یاد آتی ہے۔ اس خوابوں کی دنیا اور ذہن کی سکرین پر بننے والی متحرک فلم کی ایک زبان بھی ہوتی ہے۔ یہ وہی زبان ہوتی ہے جسے وہ عام دنیا میں بازار جاتے، گھر میں رہتے، محبت، سیاست یا جنگ پر گفتگو کرتے ہوئے استعمال کرتا ہے۔

اسی طرح متحرک تصویریں اگر ایک علاقے کی ہوں اور زبان وہ دوسرے خطے کی بولیں تو ایک ایسی بے ربط سی دنیا وہاں آباد ہو جاتی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، لیکن اگر زبان، ماحول، کردار اور اخلاقیات سب کی سب ایک ہوں۔ وہ اس بچے کے اپنے اردگرد کے ماحول سے اجنبی ہوں تو اس کا پہلا نتیجہ یہ نکلتا ہے اس کی اپنے ماحول اور لوگوں سے بیگانگی پیدا ہو جاتی ہے۔ خوابوں کی دنیا کے ماحول سے محبت اور چاہت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس بچپنے میں کی ہوئی تربیت کا اثر آخری عمر تک رہتا ہے۔

مشہور مقولہ ہے: ''ماں کی گود بچے کا پہلا مدرسہ ہوتی ہے۔'' گود تو کیا بلکہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی بچہ والدین کے اثرات قبول کرنا شروع کر دیتا ہے۔ آج تو سائنس نے بھی اس بات کو قبول کیا ہے کہ بچے کے DNA میں والدین سے بہادری، حیا اور اچھے اخلاق جیسے اوصاف منتقل ہوتے ہیں۔ جو عورت زمانہ حمل میں اس دعا کو کثرت سے پڑھے گی تو اللہ اس کو نیک اولاد عطا فرمائیں گے۔

قرآن کی سورۂ آل عمران کی آیت 35 میں اس دعا کا ذکر ہے:

«رَبِّ إِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّراً فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.»

ترجمہ: ''یا ربّ! میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں اسے

خاندانی نظام ایسے بچائیں

Marfat.com

ہر کام سے آزاد کر کے تیرے لیے وقف رکھوں گی۔ میری اس نذر کو قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

نیک صالح کی طلب بھی ضروری ہے، ورنہ نافرمان اولاد والدین کی تباہی اور دردِ سر کا باعث بنتی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے: ''آدمی کی موت کے ساتھ ہی اس کے نیک اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے، جن میں سے ایک ولد صالح کا چھوڑ کر جانا بھی شامل ہے۔ اگر والدین نے اولاد کی نیک تربیت نہیں کی تو ان کی نافرمانیوں کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔''

بچوں کی اچھی تربیت سے متعلق چند مفید نکات حسب ذیل ہیں۔ دوران حمل والدین کو خصوصی طور پر گناہوں سے بچنا چاہیے۔ عورت کو اچھی کتابوں اور قرآن پاک سے تعلق زیادہ رکھنا چاہیے۔ اچھی باتیں سوچنی چاہییں، کیونکہ ان کا Biological اثر مسلّم ہے۔ حرام اور مشتبہ لقمے سے بچنا چاہیے۔ یہ زمانہ بڑا اہم ہے۔ کتنے بچوں کے متعلق سنا گیا کہ وہ پیدائشی طور پر کئی کئی سورتوں کے حافظ ہوتے ہیں۔ ایسا ان کے والدین کے قرآن سے شغف کی بنا پر ہوتا ہے۔

ماں کو چاہیے کہ بچے کو خود سے قریب کرنے کے لیے اور اس کے دل میں اپنی محبت ڈالنے کے لیے خود دودھ پلائے۔ دودھ پلانے کے دوران ماں باوضو رہے۔ درود شریف پڑھے۔ اس دوران جو دعا کی جاتی ہے قبول ہوتی ہے اور بچہ اس دوران اپنے آس پاس کا اثر خوب قبول کرتا ہے۔ اس لیے اس وقت گناہوں سے خصوصی طور پر بچے۔

پیدائش کے بعد اگرچہ ڈاکٹر منع کریں، مگر سنت پر مکمل اعتبار کرتے ہوئے تحنیک کا عمل ضرور کریں۔ یعنی کسی اللہ والے کی چبائی ہوئی کھجور بچے کے تالو پر لگائیں۔ اس کی اپنی برکات ہیں۔ اولاد کا والدین پر حق ہے کہ وہ اس کا ایسا نام رکھیں جس کے اچھے اثرات اس

Marfat.com

پر مرتب ہوں۔ انبیاء، صالحین اور اولیاء کے ناموں پر نام رکھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس گھر کے اندر کوئی ''محمد'' نام کا بچہ ہوتا ہے۔ اللہ اس کی برکت سے سب گھر والوں کو جہنم سے بچائیں گے۔ ہمارے مشائخ تو دس دس نسلوں تک اس نام کو چلاتے تھے۔ باپ کا نام بھی محمد پھر بیٹے کا نام بھی محمد پھر پوتے کا نام بھی محمد اسی طرح چلتا تھا۔

والدین نے اگر اولاد کی ایسی تربیت کی کہ جب اس نے بولنا شروع کیا تو سب سے پہلے اللہ کا نام اس کی زبان سے نکلا تو اس بناء پر اللہ ان والدین کے سب پچھلے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ بچے کو سلاتے وقت لا الہ الا اللہ کی لوری دیں۔ اس کے کپڑے تبدیل کرواتے وقت، کھلاتے وقت ہر وقت کی مسنون دعائیں اس کو پڑھ کر سنائیں۔ اب تو ایسا دور آ گیا ہے کہ بچوں کو سب سے پہلے ماما، پاپا اور Twinkle Twinkle سکھاتے ہیں۔ کہاں سے نیک تربیت ہوگی؟

بعض مائیں بچوں کو سب کے سامنے کپڑے تبدیل کروانے لگتی ہیں۔ اسی طرح کپڑے اُتار دیں گی۔ جلدی پہنائیں گی نہیں یا پھر شلوار اور قمیض دونوں ساتھ اتار کر پھر دوسرے کپڑے پہنائیں گی۔ یہ طریقہ بالکل نامناسب ہے۔ باری باری شلوار قمیص تبدیل کروانی چاہیے۔ وہ بھی تنہائی میں لے جا کر، تاکہ ابتدا ہی سے بچے کے ذہن میں حیا کے پاکیزہ جذبات اپنی جگہ بنالیں۔

کئی مائیں بچوں کو جن، بھوت، فقیروں اور جانوروں سے ڈراتی ہیں، یہ بھی نامناسب طریقہ ہے۔ اس کو پہلے اللہ سے مانوس کریں۔ پھر اس کے ناراض ہونے سے ڈرائیں۔ بعض عورتیں بچے کو اس کے باپ سے ڈراتی ہیں۔ پھر بچہ سمجھنے لگتا ہے کہ ماں کی کوئی اہمیت نہیں اور اس کو خوب ستاتا ہے۔ کوشش کریں کہ بچہ مار کا عادی نہ بنے اور مار کے بغیر ڈانٹ ڈپٹ سے سمجھ جایا کرے، تاہم اگر کبھی ضرورت پیش آ جائے تو خود ہی سزا دیں، تاکہ بچے

Marfat.com

میں ماں کی محبت کے ساتھ ساتھ اس کا خوف بھی پیدا ہو۔

بچوں میں بچپن سے ہی سن کر کہنے، اپنی غلطی پر معافی مانگنے، دوسرے بچوں سے لڑائی جھگڑے سے بچنے اور لڑائی کی صورت میں درگزر کرنے، بڑوں کا ادب احترام کرنے اور سلام کرنے کی عادت ڈالیں کہ بچپن کی عادت پچپن تک رہتی ہے۔ اس کو کوئی چیز دیں تو یہ سکھائیں کہ پہلے سب کو کھلاؤ، پھر خود کھاؤ وغیرہ۔

بہت زیادہ ڈانٹ ڈپٹ سے یا تو بچے کی شخصیت مسخ ہو جائے گی یا پھر وہ ڈھیٹ بن جائے گا، اس لیے اعتدال ضروری ہے۔ بچے کو سمجھا کر، دلائل دے کے، پیار سے سمجھائیں اور اچھے کام پر اس کی حوصلہ افزائی ضرور کریں۔ اسی طرح ماں باپ آپس کی باتیں اور جھگڑے بچوں کے سامنے کرنے سے بچیں۔

والدین بچوں کے لیے نمونہ بنیں۔ ان کے سامنے کسی بھی غلط کام سے بچیں کیونکہ بچوں کو فطرتاً اللہ نے نقال بنایا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے بڑوں کی نقل کرتے ہیں، اس لیے ماں باپ صرف نقاد نہ بنیں بلکہ نمونہ بنیں۔ عبادات سے لے کر اخلاقیات تک اور معاشرت سے لے کر معاملات تک والدین کا ہر پہلو قابلِ تقلید ہونا چاہیے۔ بچوں سے جھوٹے وعدے نہ کریں کہ یہ دوں گی وہ دوں گی اور پھر نہ دیں، حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

اسی طرح دھمکیاں بھی نہ دیں کہ فقیر کو دے دوں گی، بھوت کو بلاؤں گی کیونکہ بچہ دیکھتا ہے کہ خالی دھمکی ہے۔ ایسا ہوتا تو نہیں ہے، پھر وہ ڈھیٹ بن جاتا ہے۔ اس سے وہ اس طرح جھوٹ بولنا بھی سیکھتا ہے۔ والدین بچوں کو خود سے قریب کریں۔ ان سے ان کی باتیں شیئر کریں۔ ان سے دوستی بھی ایک حد تک رکھیں اور ساتھ ساتھ ان پر نظر بھی رکھیں۔ نہ تو بچوں کو بہت پابندیوں میں رکھیں کہ وہ باغی ہو جائیں اور نہ ہی بالکل آزاد چھوڑ دیں کہ وہ پلٹ کر دیکھیں ہی نہیں۔ ان کی مصروفیات اور تعلقات پر پوری نظر رکھیں۔

Marfat.com

والدین کے اخلاق کا بچے پر اثر پڑتا ہے۔ بچے کی فطرت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر رنگ کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اس کی حالت سفید کپڑے کی مانند ہوتی ہے جس پر جو رنگ چڑھاؤ چڑھ جاتا ہے۔ اس وقت بچے کی صحیح اور اسلامی طریقے کے مطابق پرورش کرنا والدین کا اولین فریضہ ہے، جسے ہر عقل مند والدین کو فراموش نہ کرنا چاہیے۔

جب زمین سے نئی فصل اگتی ہے تو کسان کھیت کے چاروں طرف کانٹوں کی باڑ لگا کر اپنی کھیتی کی حفاظت بڑی محنت سے کرتا ہے۔ اسی طرح نومولود بچہ بھی بڑی حفاظت کا محتاج ہے تاکہ اس کی پاکیزہ فطرت کی صحیح طور پر پرورش ہو سکے اور گندہ ماحول اسے خراب اور تباہ نہ کردے۔ آپ نے سنا ہوگا پہلے زمانے کی مائیں بڑی نیک تھیں۔ وہ چکی پیستی تھیں اور بچے کو گود میں لے کر ''اللہ اللہ'' کی لوری بھی دیتی تھیں۔

یہ واقعہ بھی ذرا پھر سے ذہن میں تازہ کرلیجیے۔ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کا مشہور قصہ ہے۔ جب آپ دین کا علم سیکھنے کے لیے بغداد کی طرف تشریف لے گئے تو نیک دل والدہ ماجدہ نے چالیس دینار۔ آپ کے حوالے کیے اور یہ نصیحت فرمائی کہ بیٹا ہر حال میں سچ بولنا۔ راستے میں ڈاکوؤں نے قافلے پر حملہ کیا۔ قافلہ والوں نے اپنا مال چھپانے کی کوشش کی، مگر آپ نے سچ کہہ دیا کہ میرے پاس اتنے دینار ہیں۔ اس سچی بات کا ڈاکوؤں پر اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے ڈاکہ زنی کے حرام پیشے سے توبہ کرلی اور نیک بن گئے۔

افسوس! لوگ اللہ سے اولاد مانگتے ہیں، مگر ان کی صحیح اسلامی طریقے پر تربیت کی طرف پوری توجہ نہیں دیتے۔ دینی تعلیم کی طرف سے بے اعتنائی برتتے ہیں اور اولاد کو دوزخ سے بچانے کی فکر نہیں کرتے۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ کی ہدایت کو اس ضمن میں ہمیشہ ذہن نشین رکھ کر اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آپ فرماتے ہیں: مسلمان عام طور پر اس فرض عین سے غافل ہیں جو سورہ تحریم پارہ نمبر 28 میں اللہ نے فرض فرمایا ہے:

«قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَاراً» یعنی ''اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو دوزخ سے بچاؤ۔''

Marfat.com

یہ فرض کفایہ نہیں بلکہ فرض عین ہے کہ مسلمان جہاں اپنی نجات کی فکر کرتا ہے وہاں اپنے بیوی بچوں کی بھی فکر کرے۔ یہ آپ کا فرض ہے کہ ان کو دین سکھائیں۔ حضرت سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندیؒ فرماتے ہیں: ''بچوں کی تربیت اور ان کی تکلیف برداشت کرنے سے دل تنگ نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس میں بہت بڑے اجر کی اُمید ہے۔''

یاد رکھیں! ننھے بچے، جن کے دل و دماغ وائٹ بورڈ کی طرح ہیں، جنہیں اچھائی اور برائی کی تمیز نہیں، جنہیں اسلامی و اخلاقی اقدار کا علم نہیں، کم سنی کی اس عمر میں والدین انہیں جو سکھائیں، وہ سب کچھ پوری زندگی کے لیے پتھر کی لکیر ثابت ہوتا ہے۔ انگریزی لباس، گلے میں ٹائی، بستوں اور کاپیوں، کتابوں میں تصاویر کی بھر مار، سکول کا ماحول مغربی طرز پر۔ ذرا سوچیے! ہم بچوں کے دل و دماغ کی سادہ تختی پر کیا نقش کر رہے ہیں؟

کیا یہ اثرات اس کی پوری زندگی پر اثر انداز نہیں ہوں گے؟ کیا بچپن کا یہ طرز لباس اور ماحول اسے نیک لوگوں کی طرز زندگی سے قریب کر رہا ہے یا دور؟ انگریزی لباس، انگریزی گفتگو اور سکول کا انگریزی ماحول، بچوں کی گھٹی میں پلایا جا رہا ہے۔ انگریزی تعلیم کے ساتھ انگریزی ماحول کا یہ سلسلہ بھی جاری رہتا ہے تاوقتیکہ کل کا نادان بچہ، جس کی دینی تربیت والدین و اساتذہ کے ذمہ تھی، آج جوان ہو کر پورا انگریز دکھائی دیتا ہے۔

گھروں میں موجود بڑے بوڑھے جب نوجوان بچوں بچیوں کی یہ انگریزی ''حرکتیں'' دیکھتے ہیں، تو خون کے آنسو روتے ہیں کہ ان بچوں کی پیدائش پر ہم نے ان سے کیسی اچھی امیدیں وابستہ کی تھیں اور کتنی دعاؤں اور آہ وزاری سے ان کی صحت وسلامتی کی دعائیں مانگی تھیں اور آج نوجوان نسل کا رخ قبلہ سے منحرف ہوتا جا رہا ہے۔ نوجوان نسل کو انگریزی کے اس دلدل میں اتارنے میں کس کا قصور ہے؟ شروع میں اولاد کی محبت میں مغلوب ہو کر ایسا قدم اٹھا لیا جاتا ہے جس کے اثرات بعد میں مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ مانا کہ انگریزی ضروری ہے، لیکن کیا اس کے لیے انگریز بننا بھی ضروری ہے؟

Marfat.com

ان حالات میں گھر کے بڑے بوڑھوں اور والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کی اخلاقی اور دینی تربیت کی طرف بھرپور توجہ دیں۔ قدم قدم پر ان کے دل ودماغ میں اسلامی تعلیمات کی روح بھر دیں، تاکہ وہ ایمان واخلاق کو خراب اور متاثر کرنے والے ماحول میں، اپنے اخلاقی اقدار کو اور ماحول کے زہریلے اثرات سے اپنے ایمان واعمال کو بچاسکیں۔ اس دور میں وہ کون سے عوامل ہیں جو ہمارے ایمان کے لیے مہلک ہیں؟

اس بارے میں ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ فرماتے ہیں: ''دورِ حاضر میں جس چیز نے ہمارے اخلاق کو تباہ کیا ہے۔ اس میں زیادہ تر ہاتھ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا ہے۔ مختلف قسم کے ڈائجسٹ جو زہریلا مواد لیے ہوئے ہیں، نکل آئے ہیں۔ سب میں عریانی، بے شرمی اور آزادی کی لہریں بھری ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ اخبارات میں فحش مضامین سے بھرپور ہیں۔ صفحے کے صفحے سینما کی نیم عریاں تصاویر پر مشتمل ہیں۔ ماڈرن نسل کو دین کا پتا نہیں، مسلسل برباد ہورہی ہے۔ ان کے ذہن میں کبھی ان چیزوں کی خرابی نہیں آئی، زہر اپنا کام کرچکا ہے۔

اب ان نوجوانوں کو کون سمجھائے کہ یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ایسے اعمال کا ارتکاب کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔'' اگر ہم اپنے بچوں کو ابتدا ہی سے اسلامی تہذیب وثقافت سکھائیں اور اسلامی آداب کا خوگر بنائیں تو معاشرہ چند ہی سالوں میں مثالی بن سکتا ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ اولاد کی تربیت کا سب سے پہلا تعلق ماں سے ہوتا ہے۔ جیسی ماں ہوتی ہے عموماً ویسی ہی اولاد ہوتی ہے کیونکہ تربیت ماں ہی کرتی ہے۔ غیر شعوری طریقے سے اولاد خاص کر معصوم بچہ ماں کی جانب ہی متوجہ ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح اور جیسے ماں کرے گی ویسے ہی اس کی اولاد بھی ہوجائے گی۔

بعض بزرگوں کے بارے میں سنا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کی ماؤں نے

Marfat.com

تربیت اس انداز میں کی کہ بڑے ہونے کے بعد ان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ گندگی اور نجاست کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ طبیعت اس قدر نازک ہو چکی تھی اگر وہ کسی گندی چیز کو دیکھتے تو قے آجاتی تھی۔ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے بچپن میں یہ چڑ تھی اگر کسی نے اپنا پیٹ کھول دیا تو انہیں قے آجاتی۔ شرارتاً کئی بچے ان کے سامنے اپنا پیٹ کھول کے دکھاتے تھے تاکہ وہ چڑ جائیں۔

ایک اور حقیقی واقعہ سنیے! ایک بچے کو کہیں سے ایک روپے کا سکّہ ملا۔ اس نے اُٹھایا، صاف کیا، مٹھی میں چھپایا اور گھر کی طرف بھاگ نکلا۔ گھر میں گھستے ہی خوشی سے امی امی پکارنے لگا۔ ماں نے آواز دی تو خوشی سے کودتے ہوئے اپنی مٹھی میں بھینچے ہوئے سکّے کو دکھایا۔ بچے کے ہاتھ میں سکّہ دیکھتے ہی ماں کے چہرے پر فکر کی لال، پیلی اور نیلی لکیریں نمودار ہوگئیں۔ ماں نے کھڑے کھڑے ہی پوچھا کہ بتاؤ! کہاں سے لائے ہو، کہاں سے ملا ہے؟ بچے نے بتایا کہ فلاں جگہ سڑک پر پڑا ہوا تھا۔ میرے پاؤں سے ٹکرایا تو میں نے اُٹھالیا۔ ماں سمجھ دار تھی، اس نے بھانپ لیا کہ اگر اس وقت اس معصوم کی ذہن سازی نہ کی گئی تو وہ بتدریج چوری تک جا پہنچے گا۔ ماں نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور تفصیل سے بتایا۔ مختلف طریقوں سے سمجھایا اور اس کا طریقہ کار بھی بتا دیا کہ اگر دوبارہ کبھی کوئی بھی چیز ملے تو کیا کرنا ہے؟ ماں نے کہا کہ فوراً یہ سکّہ الماری میں رکھے ہوئے گلے میں ڈال دیں۔ یہ کسی بھی طرح ہمارے لیے جائز نہیں ہے۔

عجیب اتفاق کہ اسی دن شام کے وقت کھیلتے وقت بچے کو 5 روپے کا سکّہ ملا۔ وہ دوڑتا ہوا گھر آیا۔ سیدھا کمرے میں گیا۔ الماری میں غریبوں کے لیے رکھے ہوئے گلّے میں ڈالے اور پھر گھر سے باہر کھیلنے میں مشغول ہوگیا۔ دیکھیں صرف چند گھنٹے پہلے کی تربیت کا اثر۔

بہت سی چیزیں ہیں جو ہمارے اعتبار سے چھوٹی ہوتی ہیں، لیکن بچے کی تربیت

Marfat.com

میں وہ کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک دودھ پلانے کا مسئلہ بھی ہے۔ شروع سے لے کر آج تک اس پر تمام ڈاکٹروں اور طبیبوں کا اتفاق ہے کہ چھوٹے بچے کے لیے ماں کے دودھ سے زیادہ بہتر کوئی غذا نہیں۔ لعنت ہے اس فیشن والے معاشرے پر کہ ماؤں کو دودھ پلانے سے آزاد کر دیا۔ بچوں کو مصنوعی اور ڈبے کے دودھ پر ڈال دیا۔ مائیں تو اپنے حسن کی حفاظت میں دودھ پلاتیں نہیں اور انہوں نے بچوں کو جانوروں اور حیوانات کے دودھ کی پرورش پر ڈال دیا۔

یہ بالکل مسلّم بات ہے۔ ماہرین بھی یہی کہتے ہیں کہ بچے کے اخلاق و عادات پر دودھ کا اثر پڑتا ہے جس کا اور جیسا دودھ پیے گا، اس کے اخلاق و عادات ایسے ہی ہوں گے۔ اس کا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ ویسے بچے جوان جانوروں کے دودھ پر پرورش پاتے ہیں، ان کے اندر بھی یہ اوصاف کچھ نہ کچھ آ جاتے ہیں۔ شریف ماؤں کا دودھ پینے والے شریف ہوتے ہیں۔ بری ماؤں کا دودھ پینے والے بچے برے ہوتے ہیں۔ یہ حدیث کا مضمون ہے۔

آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ اپنے بچوں کو شریف ماؤں کا دودھ پلاؤ۔ بہادر ماؤں کے دودھ پینے والے بچے عموماً بہادر ہوتے ہیں۔ بزدل ماؤں کا دودھ پینے والے بچے کا اکثر و بیشتر بزدل ہی ہوتے ہیں۔ اچھے اخلاق والی ماؤں کا دودھ پینے والے بااخلاق ہوتے ہیں اور اخلاق باختہ عورتوں کا دودھ پینے والے ویسے ہی ہوتے ہیں۔ دودھ کا اثر بچے کے اخلاق پر پڑتا ہے۔ آگے اس کی پوری زندگی اسی پر آتی ہے، اسی پر بنتی ہے اور اسی سے بگڑتی ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمادی کہ اپنے بچوں کو شریف ماؤں کا دودھ پلایا کرو۔

ہم نے بہت ساری ماؤں کے بارے میں سنا کہ وہ بچے کو دودھ پلاتے وقت قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بچے نے جلد ہی قرآن پاک حفظ کر لیا۔ آپ نے اگر حضور ﷺ کی سیرت پڑھی ہے تو اس میں آپ نے یہ پڑھا ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

Marfat.com

دودھ پلانے کے لیے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کو مقرر کیا گیا تھا۔ اس میں بڑی حکمتیں تھیں۔ وہ بڑے اونچے خاندان کی شریف عورت تھیں۔ اللہ نے بڑی خوبیوں سے انہیں نوازا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کے لیے اللہ نے ان کو مقرر کیا، چنانچہ دو سال کی مدت تک آپؐ ان کا دودھ پیتے رہے۔ اس کے بعد بھی تقریباً 6 مہینے ان ہی کے یہاں پر پرورش پائی......، مگر پھر ایک واقعہ پیش آ گیا جس کی وجہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو والدہ کے پاس پہنچانے پر مجبور ہو گئیں۔

مقصد یہ ہے کہ اس طریقے سے شریف ماؤں کا اور شریف عورتوں کا دودھ پلانے کا اہتمام شریعت اور اسلام نے کرایا ہے، جبکہ ہم اپنے بچوں کو مصنوعی ڈبے اور جانوروں کا دودھ پلاتے ہیں۔ ماں سے زیادہ بچے کے لیے اور کون بہتر ہوگا؟ ایک عربی مقولہ ہے: ''أَمْثَلُ الْغِذَاءِ لِلطِّفْلِ لَبَنُ الْأُمِّ'' یعنی ''سب سے بہترین غذا بچے کے لیے ماں کا دودھ ہی ہوتا ہے۔'' ہاں! اگر ماں بیمار ہے یا اس کے دودھ میں کوئی خرابی ہے تو کسی اور عورت کا دودھ پلائیں جو شریف ہو، اچھے خاندان کی ہو، بااخلاق ہو، اس کا دودھ پلوائیں۔ دیکھیے! بچے کو شریف اور بااخلاق بنانے کے لیے کتنا اہتمام کیا گیا ہے۔

دودھ کے مسئلے میں بھی یہ ہے کہ اس کے اوقات مقرر ہوتے ہیں۔ فطری اور قدرتی طریقے پر بھی اللہ نے اس کا وقت مقرر کر دیا۔ بچے کو جب بھوک لگتی ہے تو ماں کی چھاتی میں دودھ اُتر آتا ہے۔ جب تک بھوک نہیں لگتی، دودھ نہیں اُترتا۔ اللہ کا نظام ہی ایسا ہے۔ آپ حضرات خوب جانتے ہیں کہ بھوک بچے کو لگتی ہے اور وہ روتا ہے تو فوراً ماں کا دودھ اُتر آتا ہے۔ جب بھوک نہیں لگتی تو پڑا رہتا ہے، سوتا رہتا ہے۔ یہ نظام اللہ نے بنایا ہے۔ کیسا نظام بنایا ہے؟ اگر آپ غور کریں گے تو یہ اللہ کی قدرت کا ایک بڑا کرشمہ ہے۔

بچے کے دودھ پینے کے زمانے میں بچے کے سامنے ماں باپ ایسی حرکتیں نہ کریں جو اخلاق کے خلاف ہوں، اس لیے کہ بچہ دیکھتا تو ہے اگرچہ شعور نہیں۔ دیکھی ہوئی چیز اس

Marfat.com

کے ذہن میں پیوست ہوجاتی ہے۔ آپ ایسا سمجھیے کہ جیسے کیمرہ ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے فلم لگی ہوئی ہوتی ہے۔ جو کچھ اس کے شیشے کے سامنے آ گیا، اس کی تصویر بن گئی۔ بالکل اسی طریقے سے بچے کا ذہن ہوتا ہے۔

بچے کی آنکھیں کیمرے کا شیشہ ہیں۔ وہ ذہن جو اس کا پیچھے حافظے کے اندر ہے، وہ اس کے لیے فلم ہے۔ ادھر اس نے دیکھا، اُدھر کھٹ سے وہ فلم میں تصویر بن گئی۔ اب وہ سمجھے یا نہ سمجھے، شعور رکھے یا نہ رکھے۔ وہ چیز اس کے ذہن میں پہنچ گئی۔ اس لیے چھوٹے بچے کے سامنے بہت ہی محتاط زندگی گزارنے کی ضرورت ہوتی ہے، تب جا کر بچے بااخلاق ہوتے ہیں۔ اسی طرح کئی ماؤں کے بارے میں سنا کہ وہ بچے کو دودھ پلانے کے زمانے میں چوری جیسی بُری عادات میں مبتلا تھی تو اس کی اولاد بھی چور بن گئی۔ تاریخی کتب میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حمل کے زمانے میں کسی عورت نے پڑوسی کے گھر میں واقع بیری سے بغیر اجازت کے ایک بیر اُٹھایا اور کھالیا۔ بعد میں یہ عادت اس بچے میں بھی پائی گئی۔

بچیوں اور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت پر سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، کیونکہ ہر بچی اور لڑکی نے بڑی ہو کر ماں بننا ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ اور حقیقت ہے کہ گھر کا سارا نظام ہی ماں کے اردگرد گھومتا پھرتا ہے۔ جب گھر کا سارا نظام ماں کے گرد ہی گھومتا ہے۔ ماں ہی گھر میں وہ ہستی ہوتی ہے جو سب سے زیادہ توجہ کا مرکز ہوتی ہے۔ بچے فطری طور پر ماں کی بات زیادہ مانتے ہیں۔ اب آپ خود ہی سوچیں جب خود ماں ہی کی تربیت نہ ہو، ماں جاہل، اجڈ، بدمزاج، بدتہذیب، بدسلیقہ، پھوہڑ اور بداخلاق ہو تو وہ اپنے معصوم بچے کی کیا تربیت کرے گی۔ اس لیے عرض کرتا ہوں کہ بچوں سے زیادہ بچیوں کی تربیت پر توجہ دیا کریں۔

آج کل یہ ہو رہا ہے کہ لڑکوں اور بچوں کی تعلیم پر تو بھاری بھرکم اخراجات کیے جاتے ہیں۔ ان کے ناز نخرے برداشت کیے جاتے ہیں، لیکن بچیوں کی تعلیم و تربیت پر کوئی خاص

Marfat.com

توجہ نہیں دی جاتی۔ یہ رویہ خاص طور پر علما اور دیندار حضرات کے گھروں میں روا رکھا جاتا ہے۔ بعض حضرات اپنی بچیوں کی تعلیم پر خوب توجہ دیتے اور مال خرچ کرتے ہیں، لیکن ان کی تربیت کی طرف توجہ نہیں دیتے، حالانکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچیوں کو امورِ خانہ داری سکھانا چاہیے۔ آج کل جو میاں بیوی کے درمیان جھگڑے ہو رہے ہیں، ان کی اصل بنیاد یہی معاملات ہوتے ہیں۔ طلاق کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ عورت اپنے شوہر کی خدمت نہیں کرتی بلکہ ان کو خانہ داری آتی ہی نہیں، لہٰذا آپ اپنی بچیوں کو گھریلو کام کاج کا عادی بنائیں۔ اس کا بہترین طریقہ یہ بھی ہے کہ بچیوں کو اس کی ترغیب دینے کے ساتھ ان کے درمیان مقابلے کروائے جائیں۔ مثلاً: اگر گھر میں دو بچیاں ہیں تو کہا جائے کہ دیکھتے ہیں آج کون اچھی روٹی بناتی ہے؟ پھر دونوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اگر گھر میں ایک ہی بچی ہے تو اسے گھر کے کسی بھی کام پر حوصلہ افزائی کے ساتھ انعام سے نوازا جائے۔

Marfat.com

1 / 2

بچپن اور پچپن / بچوں کو تین کام سکھائیں

''بچپن کی تربیت پچپن تک جاتی ہے۔'' یہ محاورہ ایک سو ایک فیصد درست ہے۔ یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ جو نوجوان اپنے بڑوں اور بزرگوں کی خدمت اور اپنے ساتھیوں اور استاذوں کا ادب کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے والدین نے بچپن ہی سے اس بات کی تاکید اور اس کام کی تربیت دلسوزی سے کی ہوتی ہے۔

اسی طرح بعض نوجوان ایسے ہوتے ہیں جو انتہائی بدتمیز، بدلحاظ، منہ پھٹ، تکلیف پہنچانے والے اور کام چور ہوتے ہیں۔ جب آپ اس کے پس منظر میں جا کر دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ ان کے والدین نے بچپن میں ان کی تربیت کرنے، اخلاق سکھانے اور آداب بتانے پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ اب ان جوانوں کو جتنا چاہیں سمجھالیں، وہ اپنی عادت سے جو کہ فطرتِ ثانیہ بن چکی ہوتی ہے، مجبور ہوتے ہیں۔ وہ چاہتے ہوئے بھی باز نہیں آسکتے۔

ہم روزمرہ کی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں اور آپ نے بھی ایسا متعدد بار دیکھا ہوگا۔ بعض لوگ نفاست پسند ہوتے ہیں۔ منہ، دانت، ہاتھ پاؤں صاف رکھتے ہیں۔ انتہائی صاف ستھرا لباس پہنتے ہیں۔ گندگی اور میل کچیل سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

اسی طرح بعض حضرات وخواتین کے منہ سے ہر وقت بدبو کے بھبکے آتے رہتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں پر میل جمی رہتی ہے۔ بال بکھرے ہوتے ہیں۔ ناخنوں میں گندگی ہوتی اور کپڑے بے ڈھنگے ہوتے ہیں۔ ان کو جتنا چاہیں سمجھالیں، یہ وقتی طور پر قائل ہوجائیں

Marfat.com

گے، آپ کی بات مان لیں گے، لیکن ایک دو دن بعد پھر اپنی پرانی ڈگر پر آ جائیں گے۔ وہ کسی ملامت کی رتی بھر پروانہ کریں گے۔ تو یہ وہ تربیت اور عدم تربیت ہے جو بچپن کا قصہ ہے اور اسے اب پچپن تک جانا ہے۔

اسی حوالے سے ہمارے دوست شکیل صاحب کے بچوں کی کہانی سنیے! وہ کہتے ہیں میرے پانچ بچے ہیں۔ ان میں سے ایک سادگی پسند ہے۔ وہ بناوٹ اور تصنع بازی کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ کھانے سے لے کر لباس تک، بستر سے لے کر گاڑی تک، باتوں سے لے کر کاموں تک...... ہر کام اور چیز میں سادگی جھلکتی نظر آتی ہے، جبکہ دوسرا بچہ اچھا اور عمدہ کھاتا اور لباس پہنتا ہے۔ ہر بات اور ہر کام میں عمدگی کو پسند کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلا بچہ ہوا تو ہماری آمدنی انتہائی کم تھی، چنانچہ معیارِ زندگی سادہ ہی تھا۔ کھانوں سے لے کر کپڑوں تک میں سادگی تھی۔ بچے نے سات سال اسی ماحول میں گزارے۔

اس کے بعد اللہ نے ہمیں خوشحالی اور آسودگی سے نوازا۔ گھر میں معیارِ زندگی بلند ہوگیا۔ اس حال میں دوسرے بیٹے نے آنکھ کھولی۔ پہلے سات سال والے ماحول سے یہ ماحول یکسر مختلف تھا۔ اچھے اور پُرتکلف کھانے، نفیس اور عمدہ کپڑے، سیر سپاٹے، نوکر خادم...... وہ پورا ماحول موجود تھا جو ایک خوشحال خاندان کے لیے ہوتا ہے۔

اس بچے کی تربیت بھی اسی ماحول اور انہی حالات میں ہوئی، چنانچہ اب وہ ہر کام، ہر چیز اور ہر بات میں اسی بود و باش، رہن سہن اور تہذیب و آداب کو پسند کرتا ہے۔ سادگی اور ہلکی اشیا اس پر گراں گزرتی ہیں۔ ان دونوں بچوں کے مزاج میں بہت زیادہ فرق ہے، حالانکہ والدین نے دونوں ہی بچوں پر یکساں توجہ دی تھی۔

سادگی اچھی بات ہے، ہونی چاہیے۔ تکبر، نخوت اور غرور سے بچنا ضروری ہے، لیکن ایک بات یاد رکھنے کی ہے۔ وہ یہ کہ آج کل لوگوں نے، خصوصاً دیندار حضرات نے گندگی اور میل

Marfat.com

پچیل کا نام سادگی رکھ دیا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اگر آپ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ خوش لباسی کو کس قدر پسند کیا گیا ہے۔ اس بارے میں آپ کے سامنے چند دلائل رکھتا ہوں۔

جب خوارج کا ظہور ہوا اور انہوں نے قرآنی آیات سے غلط استدلال کو رواج دیا تو حضرت علیؓ کی نظرِ انتخاب، مفسرِ قرآن حضرت ابن عباسؓ پر پڑی اور آپ نے انہیں خوارج کو سمجھانے کا حکم فرمایا۔ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں میں نے حسین ونفیس قسم کا ایک یمنی جوڑا پہنا۔ جب میں خوارج کی جماعت کے پاس پہنچا تو انہوں نے ''مرحبا'' کہہ کر میرا استقبال کیا اور ساتھ ہی طنز واعتراض کے طور پر کہا: ''یہ بڑھیا جوڑا کیا ہے؟''

مطلب یہ تھا کہ اعلیٰ اور مہنگا قسم کا حسین وجمیل لباس اسوۂ نبوی اور مقامِ تقویٰ کے خلاف ہے۔ میں نے کہا: تم میرے اس اچھے لباس پر کیا اعتراض کرتے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسین سے حسین جوڑا پہنے دیکھا ہے۔

ایک مرتبہ چند صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے کے باہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملنے کے لیے جب گھر سے باہر تشریف لے جانے لگے تو پانی سے بھرے ایک چھوٹے برتن میں دیکھ کر اپنی داڑھی اور سر کے بال سنوارنے لگے۔

حضرت عائشہؓ یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ عرض کیا: ''آپ تو اللہ کے رسول ہیں، آپ بھی اہتمام کررہے ہیں۔'' آپ نے جواب میں سمجھایا: ''ہاں جب بندہ اپنے بھائیوں سے ملنے کے لیے گھر سے نکلے تو اسے چاہیے کہ اپنا حلیہ دُرست کرلے کہ بے شک اللہ خوبصورت ہیں اور خوبصورتی کو پسند کرتے ہیں۔''

حضرت ابن عباسؓ ایک مرتبہ قیمتی جوڑا پہنے ہوئے شہر سے گزر رہے تھے۔ راستے میں چند حضرات سے ملاقات ہوگئی، وہ ازراہِ تعجب کہنے لگے: ''آپ تو ابن عباس ہیں اور آپ

Marfat.com

نے اس طرح کا لباس پہنا ہوا ہے؟'' ابنِ عباسؓ نے ان کی نظریاتی تربیت کے پیشِ نظر فرمایا: میں سب سے پہلے قرآن کریم سے دلیل دیتا ہوں۔

اللہ کا ارشاد ہے: ''کہو! کہ آخر کون ہے جس نے زینت کے اس سامان کو حرام قرار دیا ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے۔'' اب دوسری دلیل سنت سے دیتا ہوں: ''آپ عید کے موقع پر حیرہ کی بنی ہوئی عمدہ چادر اوڑھتے تھے۔'' یہ دلائل سن کر وہ حضرات بالکل مطمئن ہو گئے۔

حضرت ابورجاؒ فرماتے ہیں ایک موقع پر ہمارا حضرت عمران بن حصینؓ سے سامنا ہوا۔ آپ نے ریشم کی ملاوٹ سے بنی ہوئی منقش چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ ہم نے عرض کیا: ''آپ نے یہ کیسے اوڑھ لی؟'' حضرت عمرانؓ نے فرمایا: یہ شریعت کے مزاج کے خلاف نہیں ہے۔ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ جس بندے کو اس نے نعمتوں سے نوازا ہے، اس کا اثر اس کے جسم پر نظر بھی آئے۔

ان واقعات سے اس خام خیال کی واضح نفی ہوتی ہے کہ دینداروں اور آخرت کی فکر رکھنے والوں کو اپنی صورت و ہیئت اور لباس کے حسن و قبح سے بے پروا ہو کر میلا کچیلا، پراگندہ حال اور پراگندہ بال رہنا چاہیے اور صفائی ستھرائی، صورت و لباس کو سنوارنے کی فکر اور اس میں جمال پسندی گویا دنیاداری کی بات ہے۔ جو لوگ ایسی سوچ رکھتے ہیں، وہ بلاشبہ زہد اور تقویٰ کی صحیح روح اور لباس کے حقیقی مقاصد سے بے خبر ہیں۔

قرآن شریف میں لباس کے درج ذیل دو مقاصد بتائے گئے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! ہم نے تمہارے لیے لباس نازل کیا ہے جو تمہارے جسم کے ان حصوں کو چھپا سکے جن کا کھولنا برا ہے اور جو خوشنمائی کا ذریعہ بھی ہے۔''

غور کریں تو صرف ستر چھپانے کے لیے مختصر سا لباس کافی ہوتا ہے، مگر اللہ نے انسان کو اس سے زیادہ لباس اس لیے عطا کیا کہ اس کے ذریعے زینت و جمال حاصل کر سکے اور

Marfat.com

اپنی ہیئت کو شائستہ بنا سکے لہٰذا ایک اچھے لباس کی صفت یہ ہونی چاہیے کہ وہ ان دونوں مقاصد کو پورا کرے۔ نہ تو ایسا ناقص ہو کہ ستر پوشی کا مقصد ہی پورا نہ ہو اور نہ ایسا کم درجے کا کہ وہ بجائے زیب و زینت کے آدمی کی صورت بگاڑ دے اور دیکھنے والوں کے دلوں میں بے وقعتی پیدا کرے۔

اسی طرح کپڑے پہننے کی مشہور و مسنون دُعا میں بھی انہی دونوں مقاصد کا ذکر ہے تاکہ ہر مسلمان لباس کا شکر ادا کرتے وقت ان مقاصد سے غافل نہ رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نیا لباس پہنے تو یہ دُعا پڑھے: «اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَآ اُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِيْ حَيَاتِيْ...... "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے لباس دیا، جس کے ذریعے میں اپنا ستر چھپاؤں اور زینت حاصل کروں۔"

یہ دُعا ہر مسلمان کو سمجھاتی ہے کہ نمائش و اسراف سے بچتے ہوئے آسائش و آرائش کی نیت سے عمدہ لباس کا استعمال مقاصدِ لباس کے عین مطابق اور مستحسن عمل ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، ائمہ مجتہدین اور بزرگانِ دین جب بھی میسر ہوتی اللہ کی حلال کی ہوئی عمدہ پوشاک زیب تن کیا کرتے تھے۔ بہت سے اکابرِ حق...... جن کو اللہ نے مالی وسعت عطا فرمائی تھی...... اکثر عمدہ اور بیش قیمت لباس استعمال کرتے تھے۔

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپؐ نے جو چادر زیب تن فرما رکھی تھی، اس کی قیمت ہزار درہم تھی۔ حضرت تمیم داریؓ نے ایک چادر ہزار درہم میں خریدی تھی اور آپ اس میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ کے شاگردِ خاص حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ آپ کبھی کبھار پانچ سو درہم کی مالیت والی مخلوط ریشم کی بنی ہوئی منقش چادر استعمال فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک کپڑا ایک ہزار درہم کا خریدا اور اسے پہنا۔

Marfat.com

امام ابو حنیفہؒ چار سو دینار کی مالیت کی چادر پہنا کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی عمدہ لباس کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے شاگردِ خاص امام محمدؒ نفیس کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔ دراصل جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اس کو اس طرح رہنا چاہیے کہ دیکھنے والوں کو بھی نظر آئے کہ اس پر اس کے ربّ کا فضل ہے۔ یہ شکر کے تقاضوں میں سے ہے۔

ایسا نہ ہو کہ امیر ہونے کے باوجود کنگلا دکھائی دے۔ آپؐ نے مالک بن فضلہؓ کو مالداری کے باوجود بہت ادنیٰ قسم کے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''جی ہاں!'' آپؐ نے پوچھا: ''کس نوع کا مال ہے؟'' عرض کیا: ''مجھے اللہ نے اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ، بکریاں، گھوڑے اور غلام باندیاں...... غرض ہر قسم کا مال دے رکھا ہے۔ آپؐ نے یہ سن کر فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے تم کو مال سے نوازا ہے تو پھر اللہ کے انعام واحسان کا اثر تمہارے اوپر نظر آنا چاہیے۔''

شاید ان ہی وجوہات کی بنا پر فقہا عمدہ لباس کو درجہ مستحب میں قرار دیتے ہیں۔ فتاویٰ شامی میں ہے: عادتِ الٰہیہ یہ ہے کہ عوام کی دینی ترقی علمائے کرام سے مربوط و مستحکم تعلق ہی میں مضمر ہے۔ علما کی صحبت و مجالست عوام الناس کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس باہمی تعلق کی خوشگواری کے سلسلے میں علما کی ظاہری صورت کی درستی، عمدگی اور استغناء کی صورت بہت معاون رہتی ہے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے: ''تم اپنے بھائیوں کے پاس جارہے ہو تو اپنی سواری اور لباس درست کرو، تاکہ تم لوگوں میں ممتاز رہو۔''

ہم سمجھتے ہیں دین کا تقاضا یہ بھی ہے کہ جب دعوتِ دین کے میدان میں کام کرنے والے معاشرے میں جائیں تو لوگوں کے درمیان نمایاں ہوں، لیکن یہ نمایاں ہونا کسی رشک یا فخر کے طور پر نہ ہو۔ محض اس لیے کہ لوگ ان کے فقیرانہ لباس کی وجہ سے ان سے دور رہنا پسند نہ کریں۔ ان میں دوسروں کے لیے جاذبیت اور کشش ہو، تاکہ وہ لوگوں کے دلوں میں

Marfat.com

گھر کرنے اور ان تک اپنی دعوت پہنچانے پر قادر ہوسکیں۔

حضرت عمر فاروقؓ اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کرتے تھے کہ ''میرا دل چاہتا ہے کہ قراء حضرات صاف ستھرے، سفید کپڑے پہنا کریں۔'' مدینہ کے علما، صلحا کی مستقل عادت امام مالکؒ یہ بیان کرتے تھے: ''میں نے مدینہ منورہ کے جتنے فقہاء کو دیکھا، وہ سب عمدہ لباس پہنا کرتے تھے۔''

آج کل یہ سننے میں آتا ہے کہ عصرِ حاضر کے علما و صلحا اپنے اکابر و اسلاف کی بود و باش کھو چکے ہیں۔ ان کے راستے سے ہٹ چکے ہیں۔ بجائے پیوند زدہ لباس پہننے کے مہنگے اور عمدہ کپڑوں میں نظر آتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں اس طرح کی باتیں علمی طبقے کے لیے غیر مانوس نہیں۔

مفتی محمد شفیعؒ فرماتے تھے: ''مولوی، ملامتی فرقہ ہے۔'' یعنی ساری دنیا کی ملامت ہر حال میں اس پر عائد ہوتی ہے۔ اگر مولوی بیچارہ مفلس و غریب ہو تو اس کے اوپر یہ ملامت ہے کہ یہ دنیا سے کٹا ہوا ہے اور اس کو اس بات کی فکر نہیں کہ کہاں سے کھائے گا، اور اپنے بیوی بچوں کو کہاں سے کھلائے گا؟ اگر مولوی کے پاس زیادہ پیسے آگئے تو پھر کہتے ہیں یہ مولانا تو بڑے مالدار اور رئیس ہیں۔

اگر مولوی دین کی بات سکھاتا ہے۔ قرآن شریف پڑھاتا ہے تو اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ساری دنیا سے کٹ گیا ہے۔ اگر کسی مولوی نے دنیوی علوم بھی حاصل کر لیے تو کہا جاتا ہے کہ ان کو چاہیے تھا کہ بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے، لیکن یہ تو دنیا کے چکروں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بہرحال! یہ بات طعنہ ہو یا خیر خواہی، لیکن دینی تعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ قرآن کی آیت «قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ» کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وہ لوگ عتاب و عذاب کے قابل ہیں جو اللہ کی حلال کی ہوئی عمدہ پوشاک یا پاکیزہ

Marfat.com

اور لذیذ خوراک کو حرام سمجھیں۔ وسعت ہوتے ہوئے پھٹے حالوں، گندہ پراگندہ رہنا نہ کوئی اسلام کی تعلیم ہے، نہ اسلام میں کوئی پسندیدہ چیز ہے۔ جیسا کہ بہت سے جاہل خیال کرتے ہیں۔ سلفِ صالحین اور ائمہ اسلام میں بہت سے اکابر جن کو اللہ نے مالی وسعت عطا فرمائی تھی، اکثر عمدہ اور بیش قیمت لباس استعمال فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب وسعت ہوئی، عمدہ سے عمدہ لباس بھی زیب تن فرمایا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف میں حضرت فاروق اعظمؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ سے جو عام حالات میں معمولی قسم کا لباس یا پیوند زدہ کپڑے استعمال کرنا منقول ہے، اس کی دو وجہ تھیں: ایک تو یہ کہ اکثر جو کچھ مال آتا وہ فقرا، مساکین اور دینی کاموں میں خرچ کر ڈالتے تھے۔ اپنے لیے باقی ہی نہیں رہتا تھا، جس سے عمدہ لباس آسکے۔ دوسرے یہ کہ آپ مقتدائے خلائق تھے۔ اس سادہ اور سستی پوشاک کے رکھنے سے دوسرے امرا کو اس کی تلقین کرنا تھا، تاکہ عام غربا فقرا پر ان کی مالی حیثیت کا رعب نہ پڑے۔

اس طرح صوفیائے کرام جو مبتدیوں کو لباسِ زینت اور عمدہ لذیذ کھانوں سے روکتے ہیں، اس کا منشا بھی یہ نہیں کہ ان چیزوں کو دائمی طور پر ترک کرنا کوئی کارِثواب ہے، بلکہ نفس کی خواہشات پر قابو پانے کے لیے ابتدائے سلوک میں ایسے مجاہدے بطورِ علاج و دوا کے تجویز کر دیے جاتے ہیں۔ جب وہ اس درجے پر پہنچ جائے کہ خواہشاتِ نفسانی پر قابو پالے کہ اس کا نفس اس کو حرام و ناجائز کی طرف نہ کھینچ سکے تو اس وقت تمام صوفیائے کرام عام سلفِ صالحین کی طرح عمدہ لباس اور لذیذ کھانوں کو استعمال کرتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کی راہ ہے۔

آپؐ نے جہاں پیوند لگے کپڑے اور معمولی سوتی قسم کے لباس پہنے، وہاں آپ دوسرے ملکوں کے بنے ہوئے ایسے بڑھیا کپڑے بھی پہن لیتے تھے جن پر ریشمی حاشیہ یا نقش و نگار بنے ہوتے تھے۔

Marfat.com

اس طرح بہت خوش نما چادریں بھی زیب تن فرماتے تھے جو اس زمانے کے خوش پوشوں کا لباس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو اپنے طرزِ عمل سے یہ تربیت دی کہ کھانے پینے کی طرح لباس کے بارے میں بھی وسعت ہے، مگر ریا و نمود اور فخر و غرور سے بچتے ہوئے عمدہ لباس پہنا جائے۔

ان ڈھیر سارے مضبوط دلائل سے ایک بات تو سو فیصد ثابت ہوگئی کہ کسی بھی کام میں سادگی اختیار کریں یا عمدگی پسند کریں، لیکن گندگی اور میل کچیل کی کسی بھی صورت اجازت نہیں دی جاسکتی۔ پھر دین کے نام پر اس قسم کے کام کرنا اور بھی معیوب ہوجاتے ہیں۔

بچوں کو پھولوں سے توجیہہ دی جاتی ہے۔ شیکسپیئر نے کہا تھا: گلاب کے پھول کو کسی بھی نام سے پکارو، وہ گلاب کا پھول ہی رہے گا۔ بچوں کی بھی یہی مثال ہے۔ پھولوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بچوں کی بھی ہر طرح حفاظت کی جاتی ہے۔ ماہرینِ نفسیات کہتے ہیں کہ 3 سے 7 سال تک کی عمر، وہ عمر ہوتی ہے، جس میں بچے نے جو کچھ سیکھنا ہوتا ہے وہ سیکھ جاتا ہے۔

اس کے بعد بچے وہ کچھ کرتے ہیں جو ان 7 سالوں میں سیکھا ہوتا ہے۔ 3 سے 7 سال بچے کی عمر کا وہ زمانہ ہوتا ہے، جس میں وہ شعور کی طرف آتا ہے۔ سمجھ بوجھ کر چلنے لگتا ہے۔ وہ اچھی طرح سمجھ جاتا ہے کہ میرا گھر، میرے ماں باپ، میرے بہن بھائی اور دوسرے رشتہ دار کون کون ہیں؟

اس عمر میں تین چیزوں کا خصوصی طور پر خیال رکھا جائے: اس کی جسمانی اور فزیکل تربیت پر بھرپور توجہ دی جائے۔ اچھی اور عمدہ خوراک دی جائے، تاکہ اس کی صحیح اور اچھی نشوونما ہوسکے۔ اس کی جسمانی ساخت میں کوئی نقص اور کمی نہ رہ جائے۔ دوسری بات، روحانی اور دینی تربیت کی ہے۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

Marfat.com

''تم سب سے پہلے اپنے بچوں کو ''لا الٰہ الا اللہ'' سکھاؤ۔ اپنے بچوں کی زبان ان کی زبان کھلواؤ ''لا الٰہ الا اللہ'' پر۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آیا ہے: ''اللہ اللہ کہہ کر کھلواؤ۔'' بچہ جب زبان کھولنا شروع کرے، اس کو تلقین کی جائے، اس کو بتایا جائے، اس کے سامنے بار بار یہ کلمات کہے جائیں تو بچہ نقل کرے گا۔ اس لیے کہ بچہ بہت زیادہ نقال ہوتا ہے۔ جو کچھ دیکھتا ہے، کرنے لگتا ہے۔ جو کچھ سنتا ہے، وہ بولنے لگتا ہے۔

بچے کو پہلا کلمہ سکھانے کی بہت سی حکمتیں ہیں: ایک حکمت یہ ہے کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی برکت سے بچے کا ایمان نہ صرف محفوظ بلکہ مضبوط ہوجاتا ہے۔ اس کی تربیت میں یہ تخم پڑ جائے گا۔ اس کے ذہن میں یہ بات راسخ اور پکی ہوجائے گی کہ میں مسلمان ہوں، میں اللہ کو ایک ماننے والا ہوں، اللہ میرا معبود ہے، میں اس کا بندہ ہوں، حالانکہ وہ معنی نہیں جانتا۔

بچے کے پیدا ہونے کے بعد جلد سے جلد اس کے کان میں اذان اور کلماتِ اقامت کہے جائیں، وہاں بھی یہی کہا اور بتایا جاتا ہے کہ اگرچہ بچہ نہیں سمجھتا، لیکن اس کے لاشعور میں جا کر یہ بات پیوست ہوجاتی ہے۔

بچے کے کان اور آنکھ کے ذریعے جو بات جاتی ہے، وہ دل تک پہنچتی ہے۔ آنکھوں کے ذریعے جو بات دیکھتا ہے، وہ ذہن تک پہنچتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے: ''یہ کان جو ہیں یہ دل کے لیے ''قیف'' ہیں۔ ''قیف'' کہتے ہیں اس پھول نما آلے کو جو ایک بوتل کے منہ پر رکھ کر دوسری بوتل سے اس میں تیل ڈالنے کے لیے اسے استعمال کرتے ہیں، اسے اُردو میں قیف کہتے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ یہ کان جو ہے، یہ دل کے لیے قیف ہے۔ یعنی بات باہر سے آئی، اس قیف کے اندر گئی اور سیدھی دل میں اُتر گئی۔ یہ کلماتِ اذان اور کلماتِ اقامت کان سے اس نے سنے، اگرچہ اس کو شعور نہیں، لیکن دل میں اُتر گئے۔

Marfat.com

یہی حال آنکھوں کا ہے۔ آنکھوں سے اس نے اپنے گھر کے ماحول کو دیکھا، ذہن پر نقش ہوگیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بچوں کی زبان کھلواؤ، کون سے کلمے سے کھلواؤ گے؟ سب سے پہلے یہ سکھاؤ: ''لا الہ الا اللہ'' یعنی اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ ماں، باپ، بھائی، بہنیں، چچا، چچی اور دیگر ایک ساتھ رہنے والے...... یہ سب بچے کی تربیت میں شریک ہیں۔ بچے کی تربیت میں اپنے اپنے مرتبے کے مطابق سب کا حصہ ہے۔ اس چھوٹے بچے کے سامنے جو اپنی زبان کھول رہا ہے: ''لا الہ الا اللہ''، ''اللہ اللہ''، ''اللہ اکبر'' اور تیسرا کلمہ جب مسلسل پڑھتے رہیں گے تو یقین رکھیے، بچہ ان کے اوپر اپنی زبان کھولے گا۔

پھر اس کے بعد وہ ہمیشہ اور پوری زندگی اسے یاد رکھے گا۔ متعدد بار ہم نے کئی لوگوں کو دیکھا جو ہر وقت چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ان کلمات کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ یہ دراصل ان کی بچپن کی تربیت کا اثر ہوتا ہے۔ آپ بھی ایسا کیجیے!

تیسرا اور اہم مرحلہ بچے کی اخلاقی تربیت کا ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ننھے منے بچوں کو تین چیزیں لازمی سیکھائی جائیں۔ اس کا ثبوت حدیث پاک سے بھی ملتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اپنی اولاد کو تین باتوں کا عادی بناؤ۔ یعنی جب وہ سنِ شعور کو پہنچنے لگیں تو تین باتیں ان کے دل میں ڈال دو، ذہن نشین کرادو اور راسخ کردو۔

پہلی چیز ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔ سب سے پہلے اپنے نبی کی محبت ان کے دلوں میں ڈالو۔ دوسری بات اہلِ بیت کی محبت ہے۔ بچوں کے دلوں میں اور ذہنوں میں اسے راسخ کردو۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے، انبیائے کرام علیہم السلام کے قصے انہیں سنائے جائیں۔ یہ ''قصص الانبیاء'' نامی کتاب سے سنائے جاسکتے ہیں۔

اس کے بعد صحابہ کرامؓ کی حکایات ہیں۔ یہ ''حکایاتِ صحابہ'' نامی کتاب سے سنائے جاسکتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے اسلاف اور بزرگوں کے واقعات، ان کی سیرت، ان کے

Marfat.com

کارنامے اور اسلام کے راستے میں، اللہ کے راستے میں جو انہوں نے قربانیاں دیں، ان کا ذکر کریں۔ نیز چھوٹے چھوٹے بچے جو آپؐ کے زمانے میں تھے، ان کے بڑے بڑے کارنامے ہیں اپنے بچوں کو سنائیں۔ یہ حکایات اور واقعات ان کو خود سنائے جائیں یا سنانے کا اہتمام کیا جائے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔

تیسری بات یہ ہے اپنے بچوں کو قرآن کی تلاوت کا عادی بناؤ۔ کون ہے ہم میں سے؟ کتنے ہیں ہم میں سے اس پر عمل کرنے والے؟ اپنے جتنے بھی بزرگ ہیں، اسلاف ہیں، اولیاء اللہ ہیں، اللہ کے نیک بندے ہیں، صحابہ کرامؓ ہیں، قطب ہیں، ابدال ہیں، غوث ہیں، ہم سب جانتے ہیں...... ان کے واقعات تو علیحدہ رہے، ہمارے بچوں کو ان کے نام تک معلوم نہیں۔ جب نام نہیں معلوم تو ان کی عظمت دلوں میں کیسے آئے گی؟ ان سے محبت کیسے پیدا ہوگی؟ ان کے طریقے پر عمل کرنے کی توفیق کیسے ہوگی؟ صحیح راستے پر چلنے کا جذبہ کیسے پیدا ہوگا؟

جب ہم نے ان کو ان تمام چیزوں سے غافل رکھا ہے۔ خدا نہ کرے کہ ہمارے بچے سیدھی راہ سے بھٹک جائیں۔ ٹھیک ہے آخرت میں ان سے مواخذہ ہوگا جو ہونا چاہیے، لیکن اس سے پہلے مواخذہ ہوگا ہم سے اور ماں باپ سے کہ تم نے ہماری اس امانت کو اور ہمارے اس سچے موتی کو جو تمہارے پاس ہم نے دیا تھا، بتاؤ! تم نے اس کو کیوں تباہ و برباد کیا؟ اس کا جواب دو، وہاں سوال ہوگا۔ پہلے ہم سے سوال ہوگا، بعد میں ان سے باز پرس ہوگی۔ اس لیے ان پھولوں کو بچائیے۔

Marfat.com

1 / 3

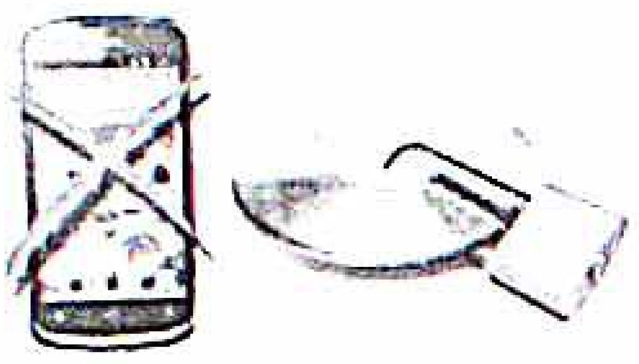

بچے اور میٹھا زہر/ بچوں کو شیطانی آلات سے بچائیں

ایک اہم بات جس سے اجتناب انتہائی ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ آج کل کے دجالی میڈیا اور شیطانی آلات سے بچنا۔ اسی کی وجہ سے گھروں میں بے برکتی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ یہ تمام تر نحوست اسی کی ہے۔ ان چیزوں نے غفلت اور اللہ و رسول کے نام سے بیزاری میں ایسا مشغول کردیا ہے کہ بچے کے ذہن میں اس کے علاوہ اور کچھ چیز ہے ہی نہیں۔ وہ ہر وقت یہی سوچتا ہے کہ شام کو جاؤں گا اور یہ دیکھوں گا اور یہ دیکھوں گا۔ اسی سے متاثر ہوکر وہ عادات اپناتا ہے۔

آج کل بچوں کے بگاڑ میں سب سے اہم کردار بے لگام میڈیا اور فحش پروگراموں کا ہے۔ بے ہودہ پروگرام، معاشقے پر مبنی ڈرامے اور فحاشی عریانی سے بھرپور فلمیں اب تو ہر موبائل فون میں بھی موجود ہوتی ہیں اور ایک ایک گھر میں پانچ پانچ موبائل فون ہوتے ہیں۔

یاد رکھیے! ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں: مثبت اور منفی۔ آج کی جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے زندگی کو باسہولت بنایا ہے، اس سے انکار ممکن نہیں۔ فاصلے اتنے کم ہوگئے ہیں کہ دنیا ایک گلوبل ویلج کی صورت اختیار کرگئی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی اس ترقی میں جہاں دوسری چیزیں شامل ہیں۔ وہاں الیکٹرانک میڈیا، سوشل میڈیا اور بالخصوص موبائل فون زیادہ معاشرے کی بگاڑ میں بڑا اثر رکھتے ہیں۔ اس لیے بھی کہ ان کی ضرورت ہے اور

Marfat.com

اس لیے بھی کہ ہر عام و خاص اسے خریدنے کی استطاعت رکھتا ہے۔

اب تو لوگ دو دو موبائل فون رکھتے ہیں۔ جب موبائل نہیں تھا، اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، ٹھیک ٹھاک زندگی گزر رہی تھی۔ خدا کی قدرت ہے کہ جب موبائل آ گیا تو اب ہر آدمی نے اس کی ضرورت محسوس کی اور واقعی اس دور میں موبائل کی ضرورت اور اس کی سہولت سے انکار ناممکن ہے۔ تاہم موبائل کے درست اور مثبت استعمال کے ساتھ ساتھ اس کا منفی رُخ بھی ہے، جو اس کا ناجائز استعمال ہے۔

موبائل کے ہزار فوائد سہی اور لاکھوں منافع سہی، مگر غلط استعمال کی صورت میں اس کے بے تحاشا نقصانات بھی ہیں۔ جنہیں نظر انداز کرنا حقیقت سے منہ موڑنے کے مترادف ہے۔ موبائل کے غلط استعمال سے ہونے والے نقصانات اور ان کا ازالہ کیسے ممکن ہے؟ ان کی نشاندہی کریں گے، پھر ازالے کے لیے تجاویز دیں گے۔ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ موبائل کے استعمال پر پابندی لگائی جائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ موبائل کو صرف موبائل برائے ضرورت و جائز سہولت استعمال کیا جائے۔ شروع شروع میں موبائل صرف بات کرنے اور سننے کی حد تک محدود تھا، لیکن رفتہ رفتہ ہر مہینے بعد موبائل کسی نئی سہولت کے ساتھ اپنی شکل بدلتا رہا۔ موجودہ دور یعنی 2014ء میں موبائل کی جدید شکل ایک کمپیوٹر ہے۔ جو فنکشن کمپیوٹر یا لیپ ٹاپ کا ہے، وہ سارا نظام اور سہولتیں موبائل میں بھی ہیں، بلکہ کمپیوٹر یا لیپ ٹاپ میں کیمرے کا وہ نظام نہیں جو موبائل میں ہے اور بہت آسانی کے ساتھ موبائل سے تصویر کھینچی جاسکتی ہے۔

ٹی وی پروگرام بآسانی موبائل پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈر کی ضرورت یا سہولت بھی موبائل میں موجود ہے۔ لوگ سینما نہیں جاتے یا کم جاتے ہیں، کیونکہ موبائل خود ایک سینما گھر بن چکا ہے۔ اس جدید سہولت کی ایجاد سے پہلے لوگ بالخصوص میوزک کا شوق رکھنے والے، مسافر بس یا فلائنگ کوچ ڈرائیوروں سے گانے لگوانے کا مطالبہ کرتے

Marfat.com

تھے۔ اب مائیکروفون کان میں رکھ کر میوزک سنتے ہیں اور زمانے میں یہ انقلاب موبائل کی وجہ سے آیا۔

خدا جانے آگے کیا کیا ایجادات ہوں گی۔ تاہم ہر چیز کے شر اور منفی پہلو سے بچنا عقلمندی ہے اور اس کے مثبت استعمال سے مستفید ہونا ہی اصل ہے۔ آیئے! موبائل کے استعمال پر ایک نظر ڈال کر اس کے مشروع وغیر مشروع اور جائز وناجائز استعمال کا جائزہ لیتے ہیں۔ موبائل کا درست استعمال تو شاید ہر کسی کے علم میں ہے کہ کال کرنا، کال سننا، SMS ارسال کرنا اور وصول کرنا اسی طرح کیلکولیٹر اور کمپیوٹر سے فائدہ اُٹھانا، ریڈیو خبریں سننا وغیرہ شامل ہیں۔

آج کل موبائل جس پڑھنے والے ناسمجھ بچے اور بچی کے ہاتھ میں آگیا تو سمجھ جائیں کہ اس کے لیے برائی کا راستہ کھل گیا۔ میرا خیال ہے کہ پڑھنے والے بچے، بچی کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے بہت سے احباب جوش میں آکر، دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنے بچوں کے ہاتھ میں یہ آلہ تھما دیتے ہیں اور گویا خود ہی اپنے قلعے میں بارود رکھ دیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان بچوں کے ہاتھ میں موبائل آتا ہے تو یہ برائیوں کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔ موبائل دوستیاں شروع ہوجاتی ہیں۔ ظاہر سی بات ہے پہلے لڑکا اور لڑکی کی دوستی مشکل ترین کام ہوتا تھا، لیکن اب یہ انتہائی آسان بن گیا ہے۔

ہماری نئی نسل اس مصیبت میں اس قدر گرفتار ہوچکی ہے کہ ہمیں پرواہ ہی نہیں۔ پیسے کا گُم ہوجانا بڑا نقصان نہیں ہے۔ جتنا بڑا نقصان اولاد کا گم ہوجانا، نسل کا گم ہوجانا ہے۔ آج پیسے کے گم ہوجانے پر ہمیں نقصان کا احساس ہوتا ہے، لیکن اولاد کے گم ہوجانے اور ضائع ہوجانے پر احساس نہیں۔ بیٹی گھر سے نکلتی ہے، موبائل اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ بیٹا ابھی میٹرک پاس نہیں کر پاتا، موبائل اس کے ہاتھ میں پکڑا دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں جس قسم کے واقعات جنم لیتے ہیں، اس ہوشربا رپورٹ سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

ایک نجی ادارے نے عرق ریزی سے ایک رپورٹ تیار کی ہے۔ اس میں یہ بات سامنے آئی کہ صرف ایک سال میں یعنی جنوری 2012ء سے جنوری 2013ء تک 17 ہزار 211 لڑکیاں اپنے گھروں سے ان آشناؤں کے ساتھ فرار ہوئیں جن کے ساتھ موبائل پر دوستی ہوئی تھی۔ ان فرار ہونے والیوں میں 4 ہزار شادی شدہ اور بچوں والی عورتیں بھی ہیں۔ 2 ہزار سے زائد کالج کی طالبات ہیں، جبکہ ایک ہزار گھریلو لڑکیاں ہیں۔ موبائل فون پر فری میسجز اور رات بھر کے فری کال پیکیجز نے نوجوانوں میں فری گپ شپ، بے ہودہ اور فحش پیغامات اور پھر ایک دوسرے کو سہانے خواب دکھانے کو رواج دیا اور ڈراموں کے آوارہ کرداروں نے انہیں گھروں سے بھاگنے پر آمادہ کیا۔

ان بھاگنے والیوں میں کئی شریف خاندان اور دین دار گھرانوں کی عورتیں بھی شامل ہیں۔ اسی طرح کیبل، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے بے ہنگم طوفان نے بھی ''ینگ جنریشن'' کو پاگل و دیوانہ کر دیا ہے۔ کیبل، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر نوجوان نسل کی اکثریت فحش تصاویر اور ناجائز ویڈیو کلپ دیکھتی ہے۔

ایک مصدقہ رپورٹ کے مطابق 57 فیصد لوگ ویب سائٹوں پر فحش اور بے ہودہ مواد دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ پاکستان میں سیکس ورکرز کی تعداد 12 سے 16 لاکھ بتائی جاتی ہے۔ یہ افراد بدکاری، ہم جنس پرستی، شرمناک کاروبار اور دیگر بیسیوں قسم کے گھناؤنے دھندوں میں شریک ہیں۔ یہ نوجوان نسل کو ورغلانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

کیبل پر چلنے والے ڈراموں اور فلموں میں ایسے مناظر دکھائے جا رہے ہیں جن میں اسلامی تہذیب و ثقافت، اسلامی شعائر، اعلیٰ اخلاقی اقدار اور محترم و مقدس رشتوں کو پامال کیا گیا ہوتا ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ دیکھے جانے والے ڈراموں اور فلموں میں وہ پہلے نمبر پر ہیں، جن میں محبت اور مذہب کا امتزاج دکھایا گیا ہو۔ آج کل کی ہٹ

Marfat.com

فلم ہو یا مقبول ترین ڈرامہ سیریل ان میں سے 88 فیصد کا موضوع محبت اور مذہب کا ملاپ ہوتا ہے۔

''عشق ممنوع'' جیسے ڈیڑھ سو کے قریب ڈراموں اور فلموں میں یہی کچھ ملے گا۔ ان ڈرامہ سیریل اور فلموں میں کبھی کسی دین دار شخصیت کو ہیرو اور عاشق بنا کر پیش کیا جاتا ہے تو کبھی کسی امام مسجد کو عشق کی ڈور میں بندھا ہوا دکھایا جاتا ہے۔ کبھی مذہبی رجحان رکھنے والے باشرع نوجوان کو محبت نامے لکھتے ہوئے دکھایا جاتا ہے تو کبھی صوم وصلوٰۃ کی پابند برقع پہننے والی طالبہ کو عشق کی امر بیل بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

یہ سب دیکھنے والی نوجوان نسل یہ سمجھنے لگتی ہے کہ شاید ہمارا مذہب ہی عشق بازی کی سرپرستی بلکہ حکم دیتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ یہ مستحسن اقدام ہے۔ ان کو دیکھ کر تو نوجوانوں کے ذہن میں یہ پیغام جاتا ہے شاید نماز، روزے کی طرح عشق کرنا بھی لازم ہے۔

ان بے ہودہ ڈراموں اور لچر فلموں میں مقدس رشتوں اور اعلیٰ اقدار و اخلاقیات کو انتہائی غلیظ طریقوں سے پامال کیا جاتا ہے۔ جب نوجوان نسل یہ سب کچھ دیکھتی ہے تو غیر محسوس طریقے سے ان کے جذبات کو مہمیز ملتی ہے۔ وہ بھی اسی طرح کی ایکٹنگ کرنے لگتے ہیں۔ انجام کار وہ بھی کسی غلط راہ کی طرف نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ''عشق'' کی اندھی وادی میں جا پہنچتے ہیں۔ جہاں سے باعزت واپسی ممکن نہیں ہوتی۔

ان ڈراموں اور فلموں سے دوسرا بڑا نقصان مذہبی حلقوں اور دین دار طبقے کو ہو رہا ہے۔ ایسے مناظر دیکھنے کے بعد نوجوان نسل کے ذہن میں غیر شعوری طور پر مذہبی رہنماؤں کی قدر و منزلت انتہائی کم ہو جاتی ہے۔ آپ خود سوچیں جب نوجوان، ڈرامہ سیریل میں روزانہ رات کو کسی امام مسجد، دین دار باشرع ہیرو کو عشق کی لت میں مبتلا دیکھے گا تو اس کے دل و دماغ میں یہ بات پختہ ہو جائے گی کہ یہ بھی ہماری ہی طرح ہیں، لہٰذا ان کی کسی بات

Marfat.com

پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ عشق میں سب کچھ جائز ہے۔

بچوں کے لیے کارٹون، ہمیشہ سے دلچسپی کا باعث رہے ہیں۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ بچے اوسطاً 4 گھنٹے ٹی وی، انٹرنیٹ اور خصوصاً کارٹون دیکھتے ہیں۔ بالعموم بچے 6 ماہ کی عمر سے ٹی وی پر کارٹون دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ 2 سال کی عمر تک وہ ان کارٹون فلموں کے باقاعدہ اور شوقین ناظرین بن جاتے ہیں۔ نرسری کلاس سے گریجویشن تک تقریباً 18 ہزار گھنٹے ٹی وی دیکھ چکے ہوتے ہیں۔

بچے ان کارٹونوں سے بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ بہت کم اچھی باتیں اور بے شمار بے ہودہ چیزیں موجودہ دور میں بننے والے کارٹون بچوں کے لیے صرف Entertainment کا ذریعہ نہیں رہے۔ بچوں کے اخلاق و کردار اور ان کی سوچ کو ان کارٹون فلموں کے ذریعے منظم انداز میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔

یہ بات حقیقت ہے کہ 7 سال کی عمر تک بچوں کے ذہن میں پہنچنے والی ہر چیز کا اثر اس کی ساری زندگی رہتا ہے۔ بچوں کے کارٹون میں ''Subliminal Message'' کا استعمال اب عام بات ہے۔ ''Subliminal Message'' آواز، تصاویر یا الفاظ میں چھپے ہوئے وہ پیغامات ہیں جنہیں ایک عام دیکھنے یا سننے والا بعض اوقات محسوس بھی نہیں کر سکتا، لیکن یہ انسانی دماغ میں جا کر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس فرد کی سوچ یا عمل کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ اس ٹیکنالوجی کا استعمال تقریباً ''Walt Disney'' کی تقریباً تمام کارٹون فلموں میں ہو رہا ہے۔

پاکستان میں 14 سال کی عمر تک کے بچوں میں لڑکوں کی تعداد 3 کروڑ 39 لاکھ 41 ہزار 828 ہے جبکہ لڑکیوں کی 32 کروڑ 13 ہزار 1 ہے جو کہ کل آبادی کا 34 لاکھ 70 ہزار 10 بنتا ہے۔ گیلپ سروے کے مطابق پاکستان میں 30 فیصد بچے باقاعدگی سے ٹی وی

Marfat.com

دیکھتے ہیں اور 30 فیصد کبھی کبھار۔ نئی نسل خصوصاً مسلمان بچوں کے لیے اچھے اور معیاری کارٹون وقت کی ضرورت ہیں جو Entertainment کے ساتھ ساتھ ان کی اچھی تربیت کرسکیں۔

یہ باتیں ایک وڈیو سے لی گئی ہیں جو زین اور عدنان نے ترتیب دی ہے۔ اگر کوئی دیکھنا چاہے تو اس video کو دیکھا جاسکتا ہے۔ ''Effeci of cartoons on children'' کے نام سے youtube پر مل جائے گی۔ اس میں ان ساتھیوں نے بڑے واضح طور پر دکھایا ہے کہ ''فری میسن'' اور ''نیوکون'' جیسی دجالی تنظیمیں کیسے ذہن سازی کررہی ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ والدین اور اہلِ علم اس کے اوپر توجہ دیں کہ تفریح کے اس مروج طریقے کو کس طرح جائز انداز میں پیش کیا جائے۔ حدود کا تعین کیا جائے اور دائرہ کے اندر رہتے ہوئے کچھ مثبت قدم اُٹھائے جائیں۔ پھر اہلِ علم کا جو فیصلہ ہو کہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے؟ اس کی تگ و دو ہم سب کو مل کر کرنا ہوگی۔ ورنہ ہماری نئی نسل کے بگڑ جانے اور ذہنی طور پر مفلوج ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے۔

فیشن کے نام پر ہونے والے فحش شو اور بے ہودہ پروگرام بھی نئی نسل کی تباہی و بربادی میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ موسم بہار کی آمد کے ساتھ ہی ملک بھر کے تمام بڑے شہروں میں ''لون'' کو متعارف کروانے کے لیے ''فیشن شو'' منعقد ہونے لگتے ہیں۔ فائیو اسٹار ہوٹلوں میں اسٹیج کی کیٹ واک کرتی نیم برہنہ لڑکیاں اور ان پر فحش جملے کستے برگر فیملی سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کو میڈیا پر دکھایا جاتا ہے۔

الیکٹرونک سے پرنٹ میڈیا تک اور جگمگ جگمگ کرتے نیون سائن بورڈ سے دکانوں پر سجے ''شوپیس'' تک پر ''لان'' کے اشتہا انگیز اشتہارات دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے شاید اس

خاندانی نظام ایسے بچائیں

Marfat.com

وقت ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ لون پہنچ جائے۔ کراچی کے مشہور ہوٹل میں فیشن شو ہوا۔ اس میں 35 کے قریب فیشن ڈیزائنر کمپنیوں اور اداروں نے حصہ لیا۔ تین دن تک میڈیا پر اس کی نیم برہنہ جھلکیاں دکھائی جاتی رہیں۔ کیٹ واک کرنے والی عورتوں نے شرم وحیا کی تمام حدود وقیود پامال کر ڈالیں۔ اس کے خلاف کہیں سے کوئی آواز نہیں اُٹھی۔

ایک سروے کے مطابق پاکستان میں 30 ارب روپے تشہیر پر خرچ کیے جاتے ہیں اور تشہیر میں عورت اور نیم برہنگی کے ساتھ ساتھ ذومعنی جملے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ پاکستان کی آبادی 19 کروڑ کے قریب ہے۔ ان میں سے چند لاکھ لوگ بھی ایسے نہیں ہوں گے جو اس بے ہودگی، فحش گوئی، گالم گلوچ، عامیانہ فقرے بازی، ناچ گانے، بے حیائی اور شرم وحیا سے عاری باتوں، ڈراموں، فلموں، شو اور پروگراموں کو پسند کرتے ہوں۔

کچھ عرصہ قبل ایک روزنامے میں ایک سروے شائع ہوا۔ اس میں بتایا گیا تھا 85 فیصد لوگ گھروں میں اپنی فیملی، اہل وعیال اور بچوں کے ساتھ پروگرامات دیکھتے ہیں۔ ان پروگراموں، شوز اور ڈراموں کو دیکھنا بند کر دیا ہے، جن میں بے ہودگی، فحاشی وعریانی، شرم وحیا سے عاری باتیں اور مناظر ہوتے ہیں۔ گزشتہ دنوں لاہور میں ''کامسیٹ انسٹی ٹیوٹ'' نے ایک سروے کروایا۔ اس کے نتائج کا خلاصہ یہ تھا کہ 72 فیصد افراد فحاشی وعریانی، بے ہودگی و بے حیائی پر مبنی اشتہارات، پروگراموں، ڈراموں اور شوز کو قبول نہیں کرتے۔ انہیں برا اور معاشرے کے لیے زہر قاتل سمجھتے ہیں۔

ہمارے کرنے کا کام یہ ہے ہم اپنے گھروں میں اپنی بہن، بھائی، بیٹے اور بیٹی کی تمام حرکات وسکنات پر کڑی نظر رکھیں۔ بے جا اور بے تحاشا موبائل استعمال کرنے پر پابندی لگادیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے: «أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» یعنی ''تم میں سے ہر ایک اپنے ماتحت کا نگران ہے، اس کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔''

Marfat.com

یقیناً اولاد بگڑتی ہے تو والدین سے اس کی اولاد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ہمارے معاشرے میں عجیب چلن ہو چکا ہے آج کل والدین اپنی اولاد خصوصاً کالج اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والی بیٹی اور بیٹے سے پوچھتے تک نہیں کہ یہ قیمتی موبائل، لیپ ٹاپ کہاں سے حاصل کیا؟ ان کی بیٹی رات گئے تک کس سے باتیں کرتی رہتی ہے؟ ان کا بیٹا اچانک کیوں خاموش خاموش رہنے لگا ہے؟ ان کے چال ڈھال میں کیوں تبدیلی آرہی ہے؟ ہر وقت میسج پر میسج کیوں آجا رہے ہیں؟ ہم اپنی نظروں کے سامنے یہ سب کچھ ہوتا دیکھتے ہیں اور مجرمانہ خاموشی اختیار کیے رکھتے ہیں۔

◆ ◆ ◆

آج کے اس نفس پرستی اور مادّہ پرستی کے دور میں جہاں ہر طرف بُرائیاں ہی بُرائیاں جنم لے رہی ہیں۔ وہاں میں والدین یا سرپرست حضرات کی توجہ کچھ معاشرتی و اخلاقی بُرائیوں کی طرف موڑنا چاہتا ہوں۔ اگر یہ لوگ تھوڑی سی ہمت سے کام لیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹتی ہوئی سنتیں پھر سے زندہ ہو سکتی ہیں اور معاشرے کا نقشہ بدل سکتا ہے۔ آج کل جتنی بھی موبائل کمپنیاں پاکستان میں کام کر رہی ہیں، اُن کی زیادہ تر آمدنی محبت کا پرچار کرنے والے لڑکے اور لڑکیوں کی باتیں کرنے سے ہوتی ہے۔

آپ سروے کر کے دیکھ لیں۔ وطنِ عزیز میں ہر اسکول، کالج، یونیورسٹی یا کسی ادارے میں کام کرنے والے شخص کے پاس موبائل ضرور نظر آئے گا۔ کچھ لوگوں نے تو اسے ضرورت کے تحت رکھا ہوا ہے، لیکن زیادہ تر لوگوں نے اسے صرف تفریح کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ ہر اسکول، کالج یا یونیورسٹی کے طالب علم کا تقریباً 90 فیصد جیب خرچ سیل فون پر بات کرنے یا ایس ایم ایس کرنے میں خرچ ہوتا ہے۔

یہ صرف پیسے کا ہی ضیاع نہیں، بلکہ قیمتی وقت کا بھی ضیاع ہے۔ تمام سیکولر کمپنیاں انہی کے سہارے چل رہی ہیں۔ اگر آج یہ لڑکے لڑکیاں بات کرنا چھوڑ دیں تو میں یقین کے

Marfat.com

ساتھ کہہ سکتا ہوں سب کمپنیوں کا بزنس ٹھپ ہو جائے گا۔ کچھ تو بوریا بستر اُٹھا کر بھاگ جائیں گی اور جو رہیں گی اُن کے ہاتھ بھی سر پر ہوں گے۔

جو بھی کمپنی آتی ہے سب سے پہلے وہ ایسے دلکش پیکیجز نکالتی ہے، جن کا کام کرنے والے شخص یا بزنس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ سب پیکیج صرف اور صرف بے حیائی کے فروغ کے لیے نکالے جاتے ہیں۔ ہماری نوجوان نسل روزانہ کا بہت سا وقت اور پیسہ صرف ایک دوسرے سے بات کرنے میں صرف کرتی ہے۔ چلو مان لیتے ہیں کہ پیسہ تو ہاتھ کی میل ہے، بندہ اگر محنت کرے تو حاصل کرسکتا ہے، لیکن اس قیمتی وقت کا کیا ہوگا جس کا نعم البدل ہی کوئی نہیں۔ اس سوچ کا کیا ہوگا جو ان کچے ذہنوں میں پروان چڑھ رہی ہے۔ مغرب ہمارے ساتھ بہت بھیانک کھیل کھیل رہا ہے۔ کاش! کوئی تو سمجھے۔

چند سال قبل اسی موضوع پر برادرم عبد الرحمان مدنی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

''ہمارے بچے ہماری پونجی اور ہمارا خزانہ ہیں۔ یہ ہماری متاعِ عزیز اور زندگی کا کل سرمایہ ہیں۔ انہی کے لیے ہم اپنی زندگیاں تج دیتے ہیں اور انہی کے لیے ہم اپنا آرام اور اپنی راحت قربان کر دیتے ہیں۔

انہی کی خاطر ہم زمانے بھر سے لڑ کر اور شیر کے منہ میں ہاتھ ڈال کر نانِ جویں کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ ہماری مکمل ذمہ داری ہیں۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے سے تعلیم و تربیت تک یہ ہماری کفالت و ذمہ داری میں ہیں اور ہم والدین ہیں، ماں باپ ہیں، یہ ہماری اولاد اور ہمارے جگر کے ٹکڑے ہیں۔ تو ان جگر کے ٹکڑوں پر ذرا نظر رکھیے۔

اس ذمہ داری کو نبھانے کا ایک آسان ترین اور اہم ترین اور ضروری و نازک ذریعہ ہیں ان کے موبائل فونز۔ موبائل فون انہیں سامنے بٹھا کر چیک کریں اور ہفتے میں ایک مرتبہ ضرور چیک کریں۔ کوئی دن اور وقت مقرر نہ ہو۔ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھانا کھاتے یا باتیں کرتے ہوئے اچانک ان سے ان کا موبائل مانگ لیے۔ پھر داخل ہوتے چلے جایئے خاص

Marfat.com

طور پر گیلری دیکھئے، تصاویر دیکھیے، ویڈیوز دیکھیے، مسیجز دیکھیے۔ یہ ضروری نہیں آپ میسجز پڑھیں، لیکن دیکھیے ضرور۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کے موبائل میں میسجز کی اکثریت کسی ایک ہی نمبر سے آنے والے میسجز کی ہے، وہ میسجز کیا ہیں؟ لطیفے؟ اقوالِ زریں؟ خبریں یا ذاتی میسجز، جو بھی ہیں دیکھیے۔ ہر ایک کے بارے میں پوچھیے، یہ کہاں کا دوست اور کہاں کی سہیلی ہے؟ لڑکیوں اور بچیوں کے موبائل ان کی مائیں چیک کریں۔ اگر خدانخواستہ کوئی بات خطرناک ہو جو کہ آج کل عین ممکن ہے تو خواتین اپنے شوہروں سے اسے ڈسکس کریں، چھپائیں نہیں، پردہ مت ڈالیں، ابھی سے اس کا حل ڈھونڈ لیا جائے تو بہتر ہے۔

ٹیلی فونک دوستیاں اور چھپا کر کیے جانے والے نکاح اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ ان کے اعداد وشمار یہاں لکھ دیے جائیں تو کوئی یقین نہیں کرے گا۔ مبالغہ آمیزی اور رائی کو پہاڑ بنانے کا الزام جھٹ سے دھر دیا جائے گا۔ بچے موبائل پر کتنا وقت صرف کرتے ہیں، اس پر نظر رکھیے، بچیاں رات کو تنہائی میں ہرگز ہرگز انٹرنیٹ استعمال نہ کریں۔ قطعاً اور ہرگز اس کی اجازت مت دیجیے۔ 20 سال سے کم عمر بچوں کو تنہائی میں اسکائپ استعمال کرنے کی اجازت مت دیجیے۔

بچیاں معصوم اور بھولی ہوتی ہیں اور انہیں بہکانے والوں کی تربیت فلمیں، ڈرامے، ناول اور ڈائجسٹ کے علاوہ اسکول و کالجز اور محلے کے اوباش بھرپور طریقے سے کر رہے ہیں۔ پیار اور محبت کے نام پر ہوس کے پجاری شیطنت کی دیوی پر معصوم بچیوں کی آئے روز بلی چڑھا رہے ہیں۔ یہ روزانہ کے واقعات، یہ اخبارات میں چھپنے والے قصے اور TV رپورٹس، علماء و مفتیان اور نکاح خواں حضرات تک آنے والے مسائل کسی اور کے نہیں ہمارے ہی بچوں کے ہیں۔

ہم ان واقعات پر پریشان بھی ہیں اور ان کی کثرت سے واقف بھی اور پوری قوم کے

Marfat.com

لیے رنجیدہ بھی، مگر ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ان عادت و اطوار کے مالک ہمارے اپنے بچے اور ہماری اپنی اولاد بھی ہوسکتی ہے۔ نہ میرے بچے اور نہ آپ کے بچے، ہر ایک یہی سوچتا ہے، نہ میرے بچے اور نہ آپ کے بچے، اور کم از کم میرے بچے تو ہرگز نہیں، تو پھر باقی سب سے بھی پوچھ لیں۔ ہر ایک گلی محلے، شہر صوبے اور ملک کی بات کرے گا، مگر ہر ایک کو یقین ہے کہ اس کی اپنی اولاد ایسی نہیں ہے تو پھر یہ سارے واقعات ہیں کن کے؟ پاکستانی تو کوئی ان میں مبتلا ہے نہیں؟

دل پر ہاتھ رکھیے اور بچوں پر کڑی اور سخت نظر رکھیے، مائیں بچیوں کی کڑی نگرانی کریں۔ یہ بھولی بھالی معصوم بچیاں بھیڑیوں اور درندوں کے درمیان زندگی گزار رہی ہیں۔ آئس کریم پارلرز، میکڈونلڈ، KFC، برگر شاپس، کولڈ ڈرنک پوائنٹس کا کبھی چکر لگائیے اسکول وکالج ٹائم میں، آپ کا دماغ بھک سے اڑ جائے گا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اس لیے اور کچھ نہ سہی کم از کم بچوں کو یہ خوف تو ہوگا ناں کہ اچانک کسی بھی وقت ہمارا موبائل چیک ہوسکتا ہے۔

کم از کم گانے، فحش ویڈیوز اور میسجز کا ریکارڈ تو ان کے فون میں آپ کے خوف کی وجہ سے نہیں رہے گا، فون کو صاف ستھرا رکھیں گے۔ گھر میں موبائل پر لاک لگانے سے غیر شادی شدہ بچوں کو سختی سے منع کردیں۔ ممکن ہے آپ کہیں کہ اس سے کیا ہوگا؟ وہ محتاط ہوجائیں گے اور ڈیٹا ڈیلیٹ کرنا شروع کردیں گے تو اچھی بات ہے، وہ ایسا کردیں، گھر میں محتاط رہیں اور موبائل میں کوئی غیر اخلاقی اور غیر شرعی چیز نہ رکھیں، یہ بھی تو فائدہ ہے ہی نا اور یہ سوچ کر کہ وہ Delete کردیں گے، ہم نے یہ تو مانا کہ کچھ نہ کچھ مسئلہ ہے اور جب مسئلہ ہے اور بے شک ہے اور اگر نہیں ہے اور اللہ کرے کہ نہ ہی ہو تو بہر صورت موبائل، لیپ ٹاپ، کمپیوٹر، ٹیبلٹ، بیگ، کاپیاں، رجسٹر چیک کرنا تو ضروری ہوا نا!

اگر مسئلہ ہے تو گھر کی حد تک ہی سہی بہتری آئے گی اور اگر کوئی مسئلہ نہیں ہے تو حرج

Marfat.com

ہی کیا ہے؟ انہیں ایک ڈر اور خوف تو رہنا ہی چاہیے نا کہ ہے کوئی پوچھنے والا اور یہ ہرگز کسی کی Privacy میں اور کی کسی ذاتیات میں دخل اندازی نہیں ہے۔ کم عمر اور کچے اذہان کے بچوں کی تربیت اور انہیں نقصان سے بچانا اور ان پر نگاہ رکھنا ماں باپ کا فرض اور والدین کی ذمہ داری ہے۔ چند منٹ لگا کر یہ ذمہ داری پوری کیجیے۔

اگر آپ کو نہیں آتا تو سیکھیے، سیکھنے کے بہانے پوری تلاشی لیجیے۔ نہیں تو انہیں ساتھ بٹھا کر انہیں کہیں کہ ان باکس کھولو، گیلری کھولو، آڈیوز اور ویڈیوز کھولو، سب چیک کیجیے، ان پر چیک رکھیے، چیک ہی دراصل بیلنس (توازن) ہے اور Check and Balance ضروری اور بہت ضروری ہے۔ 20 سال سے کم عمر بچوں کو تباہی و بربادی سے بچایئے اور اپنا فرض منصبی نبھایئے اور ان کی انفرادی زندگی پر نگاہ اور سخت نگاہ رکھیے۔ سونے کا نوالہ کھلایئے، مگر آنکھ شیر کی رکھیے ورنہ کوئی بھیڑیا کام دکھا جائے گا۔

ایک اور اہم بات یہ کہ بچیوں کو اپنی تصاویر موبائل میں ہرگز نہ رکھنے دیں۔ موبائل گم ہوسکتا ہے اور کسی کے بھی ہاتھ لگ سکتا ہے اور کسی بھی غلط آدمی کے ہتھے لگ سکتا ہے۔ اس لیے سرے سے موبائل میں گھریلو تصاویر سے منع کر دیجیے اور فیس بک کی I.D پر بھی بچیوں کو تصاویر شیئر کرنے سے روک دیں کیونکہ وہاں سے تصاویر اٹھا کر اور فیک آئی ڈیز بنا کر جو کچھ ہو رہا ہے وہ بہت خطرناک ہے۔ ملک میں سخت سے سخت تر قوانین ملک کی حفاظت کے نام پر بنائے جا رہے ہیں۔ ہر انسان کی آزادی سلب کر لی گئی ہے تو ہم اپنی اولاد کی تربیت اور انہیں تباہی و بربادی سے بچانے کے لیے سخت اصول کیوں بنا اور اپنا نہیں سکتے۔''

والدین کو دیکھنا یہ چاہیے کہ ان کے بیٹے اور بیٹیاں سیل فون کا استعمال کہاں اور کیسے کر رہے ہیں؟ آیا وہ کوئی مثبت کام کر رہے ہیں یا وقت ضائع کر رہے ہیں؟ لڑکے لڑکی کا فون استعمال کرنا صرف بات کی حد تک نہیں۔ بات ملنے ملانے تک پہنچ جاتی ہے اور پھر وہ کچھ ہوتا ہے کہ شیطان بھی شرما جائے۔ اس سے صرف دو افراد نہیں، پورا معاشرہ بگڑتا ہے۔

Marfat.com

اس میں بچوں کا قصور تو ہے ہی، لیکن والدین بھی اپنے آپ کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔ جو خرگوش کی طرح آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ میں تو شکاری سے بچ جاؤں گا، لیکن پتا اُس وقت چلتا ہے جب پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔ بدنامی کا داغ ہمیشہ کے لیے ماتھے کا نشان بن کر رہ جاتا ہے۔

علما نے لکھا ہے اگر لڑکی یا لڑکا بالغ ہوں اور سرپرست یا والدین اُن کا نکاح نہ کریں اور وہ بدکاری کر بیٹھیں تو ان کا یہ گناہ والدین کے حصے میں بھی ڈال دیا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو صرف اس وجہ سے اپنے بچوں کا نکاح نہیں کرتے کہ جہیز کہاں سے دیں؟ ولیمہ کہاں سے کریں؟

برادری کا طعنہ سننا پڑے گا یا پھر اس وجہ سے کہ یہ اپنے بیوی بچوں کا پیٹ کہاں سے پالے گا؟ حالانکہ رزق کا وعدہ تو میرے اللہ نے کر رکھا ہے، مگر افسوس! ہم اپنے خدا خود بن بیٹھے۔ ذرا سوچیے! رزق کا وعدہ کرنے والا ہے کون؟ جس نے آپ کو پیدا فرمایا، آپ کے والدین کو پیدا فرمایا، آپ کی اولاد کو پیدا فرمایا۔ پھر وہ تو 50 ہزار مخلوق کو رزق دینے والا ہے تو پھر آپ اپنے یا اپنی اولاد کے رزاق خود کیسے بن بیٹھے؟

ہمارا ایمان ہے جب کوئی بھی انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنا دانہ پانی ساتھ لے کر آتا ہے، کسی کا کچھ نہیں کھاتا۔ اپنا مقدر ہی کھاتا ہے۔ جب تک وہ اپنی قسمت میں لکھا آخری گھونٹ پانی کا نہ پی لے، تب تک اُس کی موت نہیں آ سکتی۔

پھر کیوں اے ابن آدم! اپنی اولاد کو اپنی زبان سے نہیں تو فعل سے بے راہ روی کے راستے پر چلنے کی دعوت دے رہے ہو؟ والدین کو چاہیے کہ بچوں کا نکاح جلد از جلد کر دیا کریں۔ ان کا نکاح کر کے انہیں گناہوں کی دلدل سے بچالیں۔ ورنہ وہی ہوگا جو ہو رہا ہے۔ کیونکہ جب پانی سروں سے اونچا ہو جاتا ہے۔ جب یہ دبے پاؤں فرار ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

جب کوئی آنگن کی کلی کو توڑ کر لے جاتا ہے......تو پھر روتے پیٹتے ہیں۔خون کے آنسو بہاتے اور اپنی خاموشی پر پچھتاتے ہیں۔اب پچھتائے کیا ہووت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت! نسلِ نو کو بچانے کی تدبیر کریں......جلا کر خود اپنے ہاتھوں سے پیڑ......عجب شخص ہے سایہ تلاش کرتا ہے۔

ہم جس قسم کا بیج بوتے ہیں، اس کے نتیجے میں کانٹوں بھرا درخت ہی پیدا ہوگا۔ہم جن چیزوں کو فروغ دیتے ہیں، یہ چیزیں بے حیائی والا معاشرہ پیدا کرتی ہیں۔ بداخلاقی والا معاشرہ پیدا کرتی ہیں۔ چوری چکاری والا معاشرہ پیدا کرتی ہیں۔ ڈاکہ اور رہزنی والا معاشرہ پیدا کرتی ہیں۔قتل و غارت گری والا معاشرہ پیدا کرتی ہیں اور ظلم والا معاشرہ پیدا کرتی ہیں۔اس سے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے گھروں میں سے یہ دجالی اور شیطانی آلات نکال باہر کریں یا کم از کم اپنے معصوم بچوں کی پہنچ سے دور رکھیں۔گھروں میں باقاعدگی سے تعلیم کریں۔

Marfat.com

1 / 4

بچے اور جھوٹ / بچوں کی کڑی نگرانی کریں

اگر کسی بچے میں چھوٹی عمر میں چوری اور جھوٹ کی عادت پڑ جائے تو وہ مرتے دم تک اس میں مبتلا رہتا ہے۔ میں تو چھوڑتا ہوں، مگر کمبل نہیں چھوڑتا۔ زندگی کے کسی لمحے وہ اپنی اس بُری عادت سے چھٹکارا پانے کی کوشش ضرور کرتا ہے، لیکن اس کی یہ عادت اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔

ایک شخص نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں بچپن میں پڑوس کے گھر میں لگے آم کے درخت سے دوپہر کے وقت چوری چھپے ایک ''کیری'' لے آیا۔ گھر آ کر بڑی بہن کو دی۔ اس نے چھیل کر، نمک لگا کر خود بھی کھائی اور مجھے بھی کھلائی۔

بس اس کے بعد تو میری عادت سی بن گئی۔ میں ہر روز دوپہر کو کسی نہ کسی گھر سے کچھ نہ کچھ چوری چھپے لے آیا اور ہم دونوں بہن بھائی مل کر کھاتے۔ ایک دن اماں جی نے مجھے قریبی دُکان سے سودا سلف لینے کے لیے بھیجا۔ جب دکاندار، دکان سے میرے لیے سامان جمع کر رہا تھا تو میں نے آہستہ سے سامنے رکھی ٹافیوں میں سے دو ٹافیاں اُٹھا لیں۔ دکاندار سے آنکھیں چرا کر نیفے میں ٹھونس لیں۔ گھر جا کر ایک ٹافی بڑی بہن کو دی اور دوسری خود مزے لے کر کھائی۔ اس کے بعد میں جب بھی دکان جاتا تو کوئی نہ کوئی چیز ضرور چرا کر لاتا۔

پھر رفتہ رفتہ میں نے پیسوں میں ہیر پھیر شروع کر دی۔ مجھے کوئی بھی شخص کوئی چیز لانے کے لیے بھیجتا تو میں اس میں لازمی ڈنڈی مارتا۔ چوری کی، ہیرا پھیری کی، خیانت کی،

Marfat.com

کرپشن کی، حرام خوری کی جو عادت مجھے بچپن میں پڑ گئی تھی، آج پچپن سال بعد بھی قائم ہے، حالانکہ اللہ کا دیا میرے پاس بہت کچھ ہے۔ میں خود بھی اس بُری عادت سے تنگ ہوں۔ اس سے جان اور پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں، مگر عادت کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ منہ کو لگی یہ کافر چھوٹتی ہی نہیں ہے، کیا کروں۔ میں نے بہت کوشش کی ہے۔ متعدد بار توبہ بھی کی ہے، مگر ہر دو چار دن بعد پھر توبہ ٹوٹ جاتی ہے۔

واقعتاً جھوٹ وہ بدترین جرم ہے جو آج کے بین الاقوامی قانون میں بھی جرم ہے۔ اسلام میں تو پہلے ہی سے جرم تھا۔ اگر کسی سے جرم ثابت ہو جائے، یعنی کسی کا جھوٹ بولنا تو اس کو سزا دی جاتی ہے، کیونکہ جرم کیا ہے۔ جھوٹ وہ بدترین عادت ہے کہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی بھی شریعت میں کسی بھی اُمت میں ایک لمحے کے لیے حلال نہیں ہوئی۔ ہمیشہ یہ حرام رہی اور کیسے نہ ہو کہ جھوٹ تو شیطان کی صفت ہے اور سچائی رحمٰن کی صفات میں سے ہے۔

جھوٹ ایک بدترین عادت ہے۔ اس حوالے سے بچوں کی نگرانی کرنا ضروری ہے۔ تربیت کرنے والے حضرات و خواتین خصوصاً والدین اور گھروں کے بزرگ اس پر نظر رکھیں۔ ایک دو دن کی نظر کافی نہیں، مسلسل نظر رکھنا پڑے گی۔ مسلسل نگرانی کرنی پڑتی ہے، تب جا کر اس کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ پھر دیکھیں ان شاء اللہ! ہمارے بچے اور ہمارے گھر والے سچوں کے سچے بن جائیں گے۔

عام طور پر خواتین میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ ایک معمولی سے نفع کے لیے کھلم کھلا جھوٹ بول دیتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ماں کی طرف سے بات چلے گی تو بچے میں آئے گی۔ ماں اگر اس کے اندر احتیاط کرے گی تو بچہ بھی محتاط رہے گا۔ مسلسل گرفت، مسلسل تعاقب، مسلسل نگرانی اس بُری عادت سے بچوں کو نجات دے سکتی ہے، ورنہ نجات کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔

Marfat.com

دوسری چیز چوری ہے۔ یہ بھی اسی عمر میں بچوں کے اندر پیدا ہونا شروع ہوتی ہے جس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ گھر میں اور چھوٹے بڑے بچے بھی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک گھر میں دو تین خاندان ہیں۔ اب کسی ایک بچے کے پاس کوئی اچھا سا کھلونا آ گیا تو دوسرے کا بچہ خاموشی سے اس کو چرا کر چھپا کے رکھ دے گا یا کوئی کھانے پینے کی چیز دوسرے بچے کو مل گئی، اس کو نہیں ملی تو اب یہ کوشش کرے گا کہ میں کسی طریقے سے اس کو چپکے سے اُٹھا کر کھالوں۔ تو یہ ہے چوری کی ابتدا۔

اگر اس موقع پر نگرانی نہ کی گئی اور ایسا ہی چھوڑ دیا گیا کہ چلو سب گھر کے ہی بچے ہیں، کیا ہوا؟ ایسا ہوتا ہے تو یہ چوری کی عادت اور آگے بڑھتی ہے۔ یہ دوسروں کے گھروں میں جاتے ہیں، وہاں جو چیز اچھی لگی، اس کو چپکے سے اُٹھا لائے۔

یہ سب وہ باتیں ہیں جو ہمارے معاشرے میں اور ہمارے بچوں میں پائی جاتی ہیں۔ کہیں کوئی اور چیز مل گئی وہ پسند آ گئی اور چپکے سے اُٹھا لایا اور چھپا لیا۔ گھر سے چوری کا سلسلہ چھوٹے چھوٹے کھلونے سے اور کھانے پینے کی معمولی چیزوں سے شروع ہوا اور یہاں تک پہنچ گیا۔ اس لیے نگرانی کی اَشد اور سخت ضرورت ہے۔ خدا نہ کرے اگر نگرانی نہ کی تو ان کا قدم بڑھے گا۔

جب معلوم ہو جائے کہ بچے نے یہ کام کیا ہے تو تنبیہ کی جائے۔ اگر ہلکی پھلکی مار کی ضرورت پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کیا جائے، لیکن اس میں بھی اعتدال سے کام لینا چاہیے۔ پھر اسی سے کہا جائے کہ جاؤ اور واپس کر کے آؤ۔ یہ ایک نفسیاتی بات ہے کہ وہ واپس کرنے کے لیے جانے پر کبھی راضی نہ ہوگا، مگر آپ نے اسے مجبور کرنا ہے کہ نہیں، جاؤ! ابھی واپس کر کے آؤ۔

اگر ہم خود واپس کریں گے، ہم تو اپنے بچے کے اس عیب پر پردہ ڈالنے کے لیے ان

Marfat.com

سے ہزاروں معذرت کریں گے کہ ایسا ہو گیا اور ویسا ہو گیا، وہ دھوکے میں لے گیا، غلطی میں لے گیا۔ اس سے بچے کی فطرت پر اثر نہیں پڑے گا، اس لیے لازماً اسی سے واپس کروانا چاہیے۔ جب وہ واپس کرے گا، شرمندگی اسے ہوگی اور رُک جائے گا۔ آیندہ نہیں کرے گا اور سوچے گا کہ کیسی مصیبت آگئی کہ شرمندگی اُٹھانا پڑتی ہے۔

یہ تربیت کے تفصیلی طریقے ہیں، لیکن اتنی بات ہے اگر اس وقت نگرانی نہ کی گئی تو اب اور آگے بڑھا اور اس نے اپنی ضرورت بلکہ خواہش پوری کرنے کے لیے کبھی ماں کے بٹوے میں سے کچھ نکال لیا، کبھی باپ کی جیب میں سے کچھ نکال لیا۔ یوں وہ ایک لالچی ذہنیت کا مالک بن جائے گا اور پھر یہ عادت کبھی اس سے چھوٹ کے نہ دے گی۔

اگر اس موقع پر سخت نگرانی کرلی گئی، ٹھیک ہو جائے گا ورنہ یہ آگے بڑھ کر فساد کا باعث بنے گا۔ چنانچہ پہلی چوری پر ہی اس کو تادیبی انداز میں سزا دی جائے۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بچے کو دس روپے کا نوٹ دیا کہ جاؤ آٹھ روپے کی چیز لے آؤ۔ اس نے دو روپے واپس دیے ہی نہیں اور اپنے پاس رکھ لیے تو یہ بھی چوری کی ایک قسم ہے۔ اب اس حرکت پر ماں باپ نے چھوڑ دیا کہ چھوڑو دو روپے کی ہی تو بات ہی کیا۔ اپنے بچے کے پاس ہے...... مگر یہاں دوسری چیز بھی ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں چوری کی ایک قسم اس کے اندر آگئی۔

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے۔ ایک بزرگ دنیا سے گزر گئے۔ اللہ اُن کو جنت عطا فرمائے۔ انہوں نے کسی کو بتایا کہ میرا سب سے بڑا بچہ تھا۔ میں نے اس کو 20 روپے دیے کہ بازار سے فلاں چیز لے کر آؤ۔ وہ چیز آٹھ روپے کی آئی۔ باقی روپے اس نے مجھے واپس نہ دیے۔ میں نے کچھ دیر تو انتظار کیا۔

ایک دن انتظار کیا کہ شاید واپس دے دے، لیکن نہیں دیے تو دوسرے دن میں نے اسے بلالیا کہ بھئی! فلاں چیز کتنے کی آئی ہے؟ کہا اتنے کی۔ باقی پیسے کہاں ہیں؟ اب اس

Marfat.com

کو ذرا فکر ہوئی تو فوراً کہا میری جیب میں ہیں۔ تم نے بغیر اجازت کیوں جیب میں اب تک رکھے؟ کیا یہ تمہارے لیے صحیح تھا؟ جائز تھا یا ناجائز تھا؟ نکالو! اس نے نکال کر دے دیے۔ گھنٹہ کے بعد پھر بلایا اور کہا کہ یہ لو، اب یہ پیسے تمہارے ہیں۔ تربیت یہ ہوتی ہے۔ پیسے بھی دے دیے اور نصیحت بھی کر دی۔

قدیم کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ ایک چور پکڑا گیا۔ چوری ثابت ہوگئی تو عدالت نے اس کے اوپر حد جاری کرنے، یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا کا حکم دے دیا۔ جب اس کو سزا کے لیے لے جایا گیا تو اس نے لوگوں سے چیخ کر کہا کہ میرا ہاتھ کاٹنے سے پہلے میری ماں کی زبان کاٹ لو۔ پوچھا گیا بھئی! کیا بات ہے؟

کہنے لگا: ''میں تو اپنی ماں کی وجہ سے اتنا بڑا چور بنا ہوں۔ سب سے پہلے جب میں بچہ تھا، اپنے پڑوس سے ایک انڈا چرا کر لایا تھا، لا کر میں نے وہ ماں کو دیا۔ بجائے اس کے کہ ماں مجھے نصیحت کرتی، مارتی سزا دیتی، واپس کراتی۔ اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ زبان سے کہنے لگی: واہ واہ! میرا بچہ تو اب کما کر لانے لگا ہے۔ اگر اس وقت وہ مجھے تنبیہ کر دیتی اور اپنی زبان سے خوشی کا اظہار نہ کرتی تو آج میں اتنا بڑا چور نہ بنتا، لہٰذا میرا ہاتھ کاٹنے سے پہلے اس کی زبان کاٹو۔

یہ جو ڈاکو، چور یا دیگر بیسیوں قسم کے جرائم میں ملوث لوگ ہوتے ہیں، یہ بچپن میں تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ہی تیار ہوتے ہیں۔ دنیا میں کوئی ڈاکو پیدا نہیں ہوتا، کوئی چور پیدا نہیں ہوتا، حالات اس کو ڈاکو اور چور بنا دیتے ہیں۔ گھر کی تربیت اور ماحول بنا دیتا ہے۔ اگر بچپن میں والدین اور گھروں کے بڑے اپنے ننھے منے پھولوں کی اسلامی نہج پر تربیت کریں تو پھر دیکھیے کیا کیفیت ان کی ہوتی ہے۔ ان شاء اللہ حالات یکسر تبدیل ہو جائیں گے۔ معاشرے میں امن ہو جائے گا۔

Marfat.com

اسی طرح ہمارے ایک دوست بیوروکریٹ رہے ہیں۔ دو سال پہلے وہ اپنی سروس سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ گزشتہ دنوں ملاقات ہوئی تو کہنے لگے: ''کیا بتاؤں، عمر بھر جو کچھ کیا ہے اب اس پر افسوس اور دُکھ ہوتا ہے۔'' میں نے پوچھا: ''کیا ہوا؟ کیوں اتنے مایوس نظر آتے ہیں؟'' کہنے لگے: ''زندگی بھر جھوٹ بولتا رہا ہوں۔ بلاضرورت بھی جھوٹ بولے، فراڈ کیے۔ کبھی ہم سے سچ بولا نہ گیا۔ اپنے اس کیے پر پچھتاوا ہوتا ہے۔ افسوس اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ اب اس عمر میں جو قبر کے کنارے کھڑا ہوں، اب بھی اس عادت سے جان نہیں چھوٹ رہی۔''

ایک دوست نے بتایا کہ اس نے بچپن میں دوستوں کے ساتھ مل کر کوئی غلط کام کیا۔ والد صاحب بڑے غصے والے ہوا کرتے تھے۔ بات والد صاحب تک جا پہنچی۔ والد صاحب نے بلوایا۔ پوچھنے پر میں نے مار کے ڈر سے انکار کیا۔ والد صاحب نے کہا: تم قسم اُٹھاؤ کہ تم نے ایسا نہیں کیا ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ قسم کیا ہوتی ہے۔ بہر حال! میں نے کہا کہ میں قسم اُٹھاتا ہوں کہ میں نے ایسا نہیں کیا ہے۔ اس پر والد صاحب نے چھوڑ دیا۔ کچھ نہ کہا، حالانکہ میں نے یہ غلط کام کیا تھا اور قسم اُٹھانے پر میری جان بخشی ہوگئی۔

اس کے بعد میں جب بھی کوئی غلط کام کرتا، اسے چھپانے کے لیے فوراً قسمیں اُٹھانا شروع کر دیتا کہ میں نے ایسا نہیں کیا ہے اور اکثر و بیشتر میری جان چھوٹ جاتی۔ بس پھر کیا تھا؟ جھوٹی قسمیں اُٹھانا میری عادت بن گئی۔ بیسیوں بار قرآن پاک کی بھی جھوٹی قسمیں اُٹھائی۔ اب تو بات بے بات، ضرورت بلاضرورت ہی قسمیں اُٹھاتا ہوں۔ میں خود اس عادت سے تنگ ہوں، مگر یہ عادت ہے کہ چھوٹتی ہی نہیں ہے، کیا کروں؟ کیا نہ کروں؟

جناب جاوید چوہدری صاحب مشہور صاحبِ طرز ادیب ہیں۔ گزشتہ دنوں انہوں نے اصلاحی حوالے سے کہا تھا: ''ہم میں سے اکثر لوگ محض شک کی بنیاد پر رائے بنا لیتے ہیں اور

Marfat.com

بعدازاں اس رائے پر ڈٹ جاتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی شخص پہاڑ کی دوسری طرف دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ ہمارے ملک میں 19 کروڑ لوگ ہیں۔

ان تمام لوگوں نے اپنا اپنا اسلام گھڑ رکھا ہے اور یہ نہ صرف اس اسلام کو درست سمجھتے ہیں بلکہ یہ اسے دوسروں پر نافذ کرنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ میں بھی اگر اس بھیڑ چال میں شامل ہو جاؤں تو معاشرے کی ''ہیٹ'' میں اضافہ ہو جائے گا۔ ہمیں کم از کم معاشرے میں برداشت کی روایات قائم کرنی چاہیے۔

ہمیں دوسروں کے نکتہ نظر کا احترام کرنا چاہیے۔ اگر انہیں میرے خیالات سے تکلیف ہو رہی ہے تو معافی مانگنے میں کیا حرج ہے۔'' چوہدری صاحب نے ایک نوجوان سے اپنے مکالمے کا احوال لکھا۔ کہتے ہیں: ایک دن میں نے اپنی فطرت اور بزدلی کے برعکس نوجوان سے بحث کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے اس سے پوچھا: ''تم مجھے کافر کیسے سمجھ رہے ہو؟''

نوجوان نے ایک فرقے کا نام لیا اور کہا: ''تم اس فرقے سے تعلق نہیں رکھتے؟'' میں نے جواب دیا: ''میں آج تک اس فرقے کی کسی محفل میں بیٹھا ہوں نہ آج تک ان کا کوئی لٹریچر پڑھا ہے اور نہ ہی میں نے ان کے کسی خیال کا پرچار کیا ہے۔'' اس کی آنکھوں کی لو اونچی ہو گئی۔ وہ چلّا کر بولا: ''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہارے والد اس فرقے کے عالم تھے۔ انہوں نے ان کا کورس بنایا تھا۔ یہ ان کے مدرسے کے استاذ بھی رہے اور تم ان کے انتقال کے بعد وہاں سے پنشن لے رہے ہو۔''

میں نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کی اور نوجوان سے عرض کیا: ''بیٹا! پہلی بات یہ ہے کہ میرے والد ماشاء اللہ حیات ہیں۔ دوسری بات، میرے والد صاحب اَن پڑھ ہیں۔ یہ اَن پڑھ ہو کر کسی مکتبہ فکر کے لیے کورس کیسے بنا سکتے ہیں؟ یہ کتابیں کیسے تحریر کر سکتے ہیں؟'' وہ ایک لمحے کے لیے سکتے میں آ گیا۔

اس نے دائیں بائیں دیکھا اور اونچی آواز میں ایک شخص نام لے کر بولا: ''کیا یہ

Marfat.com

تمہارے والد نہیں ہیں؟'' میں نے قہقہہ لگا کر جواب دیا: ''ہرگز ہرگز نہیں۔ میرے والد کا نام تو یہ ہے۔'' اس نے چلا کر ایک نام لیا اور پوچھا: ''کیا یہ تمہارا بھائی نہیں؟'' میں نے عرض کیا: ''بالکل نہیں۔'' اس نے ایک لمبی سانس لی اور بولا: ''اس کا مطلب ہے مجھے غلط بتایا گیا تھا۔''

میں نے ہاں میں سر ہلایا اور اس سے پوچھا: ''تمہیں یہ کس نے بتایا تھا؟'' وہ نارمل ہو رہا تھا۔ اس نے لمبے لمبے سانس لیے اور بولا: ''میرے ایک دوست نے یہی بتایا تھا۔ اس کا کہنا تھا تم اس فرقے سے تعلق رکھتے ہو۔'' میں نے اس سے کہا: ''میرے بھائی تم مجھ سے تصدیق کر لیتے۔'' اس نے اس کا بڑا دلچسپ جواب دیا۔ اس نے کہا: ''میں ان سے بات کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔'' میں نے اس سے پوچھا: ''بیٹا! آپ کرتے کیا ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''میں ایم اے کر رہا ہوں۔'' میں نے قہقہہ لگایا۔ اس کے ساتھ ہاتھ ملایا اور آگے چل پڑا۔

یہ صرف ایک نوجوان کا المیہ نہیں، ملک میں ہر دوسرا بلکہ ہر پہلا شخص اسی قسم کی ذہنی صورتِ حال کا شکار ہے۔ ہمارے ملک میں پچھلے بیس برسوں میں تین بڑی نفسیاتی تبدیلیاں آئیں۔ پہلی تبدیلی، ترقی کے بارے میں لوگوں کا رویہ بدل چکا ہے۔ آج سے بیس پچیس سال پہلے لوگ ترقی کرنے والوں کو ہیرو سمجھتے تھے۔ کوئی شخص بزنس میں کامیاب ہو جاتا تھا تو لوگ اسے سراہتے تھے۔

کوئی بورڈ میں ٹاپ کر لیتا تھا تو والدین اپنے بچوں کو اس کی مثال دیتے تھے اور کوئی کونسلر لیول سے ہوتا ہوا ضلع کونسل کا چیئرمین بن جاتا تھا تو لوگ اس کو بھی آئیڈیل سمجھتے تھے، لیکن پچھلے بیس پچیس برسوں میں اس ملک میں کامیابی گالی بن گئی ہے۔ ملک کے زیادہ تر لوگ اب کامیاب لوگوں کو بری نظر سے دیکھتے ہیں۔ ملک میں خوشحال لوگوں سے نفرت کی جاتی ہے۔ کوئی نئی گاڑی لے لے۔ کوئی فائیو اسٹار ہوٹل میں کھانا کھا رہا ہو۔ کوئی اچھے

Marfat.com

کپڑے پہن رہا ہو۔ کوئی نیا گھر بنا لے یا کوئی ملک سے باہر چلا جائے، لوگ اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔

یہ رجحان غلط ہے، لیکن میں اس میں عام لوگوں کو برا نہیں سمجھتا۔ یہ پاکستان کی مجموعی سیاسی صورتِ حال کا نتیجہ ہے۔ ہمارے ملک میں پچھلے بیس پچیس برسوں میں ہر فیلڈ میں دو نمبر لوگ اوپر آئے۔ چنانچہ ان کو دیکھ کر لوگوں نے کامیابی سے نفرت کرنا شروع کر دی، مگر اس حقیقت کے باوجود یہ رویہ غلط ہے، کیونکہ جب کسی معاشرے میں کامیابی یا ترقی گالی بن جاتی ہے تو اس معاشرے کی ''گروتھ'' رُک جاتی ہے۔

اس معاشرے کو نئے لیڈر نہیں ملتے۔ دوسری تبدیلی شک ہے۔ ہمارا پورا ملک شک کے نفسیاتی عارضے میں مبتلا ہو چکا ہے۔ ہم سب لوگ دوسروں کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں۔ شک کی اس بیماری نے ہمارے یقین، ہمارے اعتماد کے ستونوں کو کھوکھلا کر دیا ہے اور ہم اب کسی شخص اور کسی ادارے پر یقین نہیں کرتے۔

تیسری تبدیلی شدت ہے۔ ہمارے معاشرے میں شدت آچکی ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ دوسروں کی بات سننے کے روادار نہیں ہیں۔ ہم دوسروں کے ایمان اور عقیدت تک کا فیصلہ خود کر رہے ہیں۔ آپ کے ملک میں کسی کو کچھ بھی مشہور کیا جا سکتا ہے۔ کسی کو امریکی، یہودی یا بھارتی ایجنٹ قرار دے دیں۔ کسی کو راشی، بدکردار یا منافق کہہ دیں یا کسی کو کسی کے پے رول پر ڈکلیئر کر دیں۔ لوگ نہ صرف اس پر یقین کر لیں گے بلکہ اس ''اطلاع'' کو آگے پھیلانا اپنا فرض سمجھ لیں گے اور یوں وہ شخص رات تک پورے ملک میں ''مشہور'' ہو چکا ہو گا۔

یہ اطلاع جس جس شخص تک پہنچے گی، وہ اسے اپنے یقین کا حصہ بنا لے گا۔ آپ اگر اس کی تصحیح کی غلطی کر بیٹھیں گے تو وہ آپ پر حملہ کر دے گا۔ یہ رجحان کسی بھی طرح صحت مندانہ

Marfat.com

نہیں۔ انسانی تاریخ بتاتی ہے کسی قوم میں جب اس نوعیت کی شدت پیدا ہوئی تو وہاں مکالمہ رُک گیا اور جہاں مکالمہ رُکا، وہاں تخلیق کا عمل جام ہوگیا اور جہاں تخلیقی عمل جام ہوا وہاں ترقی رُک گئی۔ آخر میں وہ پورا معاشرہ انارکی یا فسادات کی نذر ہوگیا۔

آپ یقین کیجیے ہم بھی اسی عمل سے گزر رہے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ''ہیٹ'' اس قدر بڑھ چکی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص معمولی اختلاف پر دوسرے کو قتل کرنے پر تیار بیٹھا ہے۔ آپ گلی، سڑک، بازار یا کسی شاپنگ سینٹر میں کسی سے بات کرکے دیکھ لیجیے وہ شخص آپ کے گلے پڑ جائے گا۔ آپ سڑک پر کسی کی غلطی کی نشاندہی کردیجیے گا وہ آپ کا سر پھاڑنے پر آمادہ ہوجائے گا۔ یہ شدت، یہ ہیٹ اس معاشرے کا اصل المیہ ہے۔ یہ وہ چنگاری ہے جو کبھی اختلاف کی شکل میں بھڑک رہی ہے۔ کبھی بجلی اور گیس کی لوڈشیڈنگ کے ردِعمل میں سڑکوں اور گلیوں میں دکھائی دیتی ہے۔ کبھی سیاسی محاذوں کو گرمادیتی ہے۔''

ایک ایسے معاشرے میں اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ اپنے بچوں کی تربیت کی طرف توجہ دی جائے۔ انہیں اس معاشرے کا حصہ بننے سے روکا جائے اور ایک اچھے معاشرے کا شہری بنایا جائے۔ اپنے بچوں کو ان بُری عادات سے بچانے کی بھرپور کوشش کریں۔ ممکنہ حد تک نگرانی کریں۔ آداب وتہذیب، اسلامی اخلاق و عادات کا خوگر بنانے کی جدوجہد کریں...... ورنہ یہی اولاد دنیا میں وبالِ جان اور آخرت میں شرمندگی کا باعث ہوگی۔

Marfat.com

1 / 5

بچے اور لڑائی / بچوں کی نفسیات کو سمجھیں

اسی موضوع پر 2007ء میں حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب نے ایک پر مغز خطاب اور جامع بیان کیا تھا، حضرت کا یہ بیان بعدازاں کسی کتاب میں بھی شائع ہوا۔ بچوں کی تربیت کے لیے یہ بہترین اور تیر بہدف نسخے اور فارمولے ہیں۔ ان کا خلاصہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں: ''یاد رکھیں! بچے کی نفسیات کو سمجھنا بہت ضروری ہے جس سے یہ بات سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ بچوں کے لڑائی جھگڑوں کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟

سائنس کی ایک کتاب کا نام ''برتھ آرڈر'' ہے۔ اس میں ماہر نفسیات سائنس دانوں نے یہ لکھا ہے بچے گھر میں جس پوزیشن پر پیدا ہوتے ہیں، فطری طور پر ان میں کچھ عادتیں اس کے مطابق ہوتی ہیں۔ گھر کے بچے تین حصوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔

ایک ہوتا ہے سب سے بڑا بچہ۔ عام طور پر اس کی عادتوں میں آپ کو نظم وضبط زیادہ نظر آئے گا۔ اس کی طبیعت کے اندر احساسِ ذمہ داری زیادہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ بچے آمر بھی بن جاتے ہیں، لیکن عام طور پر یہ لوگ قانون کے مطابق رہنا پسند کرتے ہیں۔ فطری طور پر اللہ نے ان کی طبیعت ہی ایسے بنائی ہوتی ہے، لہٰذا جو بچہ بھی گھر میں سب سے بڑا ہوگا، آپ اس سے توقع کریں کہ یہ بچہ غیر ذمہ دار نہیں ہوسکتا، ہمیشہ ذمہ دار ہوگا، مگر ذمہ داری کے ساتھ اس کے اندر مقام حاصل کرنے کی بھی طبیعت ہوگی۔ یہ چاہے گا کہ ہر معاملے میں میری بات مانی جائے۔ میری پیروی کی جائے۔ مجھے بڑا بنا کے رکھا جائے۔ یہ چیز فطری طور پر اس بچے کے اندر ہوتی ہے۔ یہ اسے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہوتا ہے۔

Marfat.com

دوسرا ہوتا ہے درمیان والا بچہ۔ یہ بچہ جس سے کوئی بڑا ہے اور کوئی چھوٹا۔ یہ فطری طور پر جنگجو بچہ ہوتا ہے، چونکہ اس کو اپنے تحفظ کے لیے بڑے سے بھی لڑنا پڑتا ہے، چھوٹے سے بھی۔ ورنہ بڑے کو زیادہ اہمیت ملتی ہے یا چھوٹے کو مل جاتی ہے۔ درمیان والے بچے عام طور پر نظر انداز ہو جاتے ہیں، چونکہ یہ بچے نظر انداز ہوتے ہیں، اس لیے طبعاً یہ بچے فائٹر اور شریر قسم کے بچے ہوتے ہیں، مگر یہ مشکلات کو حل کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ ان کی بقا کا مسئلہ ہوتا ہے، ان کے سامنے مسئلے آتے ہیں اور یہ ان کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیتنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان میں مقابلہ کرنے کی صلاحیت دوسروں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔

تیسرا ہوتا ہے گھر کا سب سے چھوٹا بچہ۔ جس کو ''بے بی آف فیملی'' بھی کہتے ہیں۔ عام طور پر محبتیں بھی اسی کو زیادہ ملتی ہیں، توجہات بھی اسی کو زیادہ ملتی ہیں۔ یہ اپنی حرکتوں سے دوسروں کی محبتوں کو زیادہ سے زیادہ سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ کسی کے اگر پانچ بچے ہیں تو جو بڑا بچہ ہے وہ ہے ایلڈر رون۔ اس کی نفسیات کو اس طرح سے سمجھیں کہ اس کے اندر نظم و ضبط ہوگا۔ اس میں احساسِ ذمہ داری زیادہ ہوگا۔ درمیان کے جو تین بچے ہیں، یہ بچے ''مڈل بے بیز'' کہلائیں گے۔ تینوں کی نفسیات ایک ہی جیسی ہوگی۔ ان کو اپنے حق کے حصول کے لیے لڑنا پڑے گا۔ مسائل کو حل کرنا پڑے گا۔ ان کو جینے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے، اس لیے ان بچوں میں عام طور پر محنت کی حس زیادہ ہوتی ہے۔

چھوٹی بیٹی ہو یا چھوٹا بیٹا ہو، محبتیں انہیں زیادہ ملتی ہیں۔ عام طور پر ہمارے گھروں کا دستور ہے ماں باپ بھی اسی کے ساتھ رہتے ہیں، وہ پھر اپنی پوزیشن کا ہمیشہ فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ جو باتیں کہی گئیں ہر بچہ ایسا ہی ہو، لیکن جب آپ ایک ہزار بندوں کو دیکھیں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ عام طور پر بچوں کا رویہ اس کے مطابق ہوتا ہے۔ سائنس دانوں نے لاکھوں بچوں کو اس بات پر پرکھا۔ انہوں نے نفسیات کے یہ

Marfat.com

اصول نکالے ہیں۔ بچوں کی یہ تین باتیں ہمیشہ ذہن میں رکھا کریں کہ بچے کا پیدائش کا نمبر کیا ہے؟

اسی لحاظ سے ان سے کچھ باتوں کی توقع رکھنی چاہیے۔ پھر اس کے مطابق اس کو ڈیل کرنا چاہیے۔ یہ ایک جنرل بات آپ کو اس لیے کہہ دی کہ آپ کے ذہن میں رہے کہ بچوں کو ڈیل کرتے ہوئے آپ کو پتہ ہو کہ آپ کس بچے سے بات کر رہے ہیں؟ اسکے مسائل کس طرح کے ہو سکتے ہیں؟ آپ نے اس کے مسئلے کو کس طرح حل کرنا ہے؟

ایک بنیادی بات یہ ہے بچے کچے ہوتے ہیں۔ ان کے دماغ ابھی پختہ نہیں ہوتے۔ ان کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا ہے۔ چھوٹی عمر ہوتی ہے تو اپنے کچے ذہن کی وجہ سے وہ بچوں والی باتیں کرتے ہیں۔ بچے سے بچوں والی باتوں کی ہی توقع رکھنی چاہیے، لہٰذا ماؤں اور بہنوں کو چاہیے بچے سے بڑوں والی باتوں کی توقع نہ کریں۔

بچہ جب بچپن کی عمر میں ہے، ذہن کچا ہے، تجربہ نہیں ہے تو وہ بچگانہ باتیں اور حرکتیں تو کرے گا، لہٰذا توقعات کا لیول بھی اسی طرح رکھنا چاہیے۔ بچپن تو بچپن ہی ہوتا ہے۔ بڑے بڑے اولیاء کا بچپن بھی اسی طرح گزرا کہ انہوں نے بچپن میں ایسے ہی بچگانہ فطرت والے کچے کام کیے جو عام طور پر بچے کرتے ہیں۔

آپؐ کے بچپن کے واقعات مؤرخین نے بہت تھوڑے لکھے ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں آپ کی جوانی کے واقعات دیکھیں تو وہ اگر 99 فیصد ہیں تو بچپن کے واقعات ایک فیصد بھی نہیں ملتے۔ وجہ یہ تھی کہ کوئی جانتا بھی نہیں تھا کہ یہ بچہ جو آج گودوں میں پل رہا ہے، اس نے بڑے ہو کر پوری دنیا کا معلم بننا ہے اور اللہ کا محبوب ہونا ہے۔ اس لیے بچپن کے واقعات کتابوں میں اتنے زیادہ نہیں قلمبند کیے گئے۔

چند ایک واقعات ہیں جن میں سے کچھ واقعات تو آپؐ نے خود ہی بتلا دیے۔ عام طور پر بچے کی عادت ہوتی ہے اس کے جب دانت نکل رہے ہوں تو کوئی چیز بھی اس کے منہ

Marfat.com

میں ڈالو تو وہ اس کو کاٹتا ہے۔ ہر بچے کی عمر میں ایک خاص حصہ ایسا آتا ہے کہ اسے چیز کو چبانے کی عادت ہو جاتی ہے۔ آپ انگلی دیں تو انگلی کو کاٹے گا، اپنی ہتھیلی دیں تو ہتھیلی کو کاٹے گا، یہ بچے کی فطرت ہے۔

غالباً ایسی ہی عمر ہوگی جس میں انسان کے دانت نکلتے ہیں اور اس کو کاٹنے میں مزہ بھی آتا ہے۔ ایک مرتبہ آپؐ کی رضاعی بہن ''شیما'' نے آپ کو اُٹھایا اور آپ کو کندھے سے لگایا تو آپؐ نے کندھے پر دندان مبارک سے کاٹا۔ یہ اتنا زیادہ تھا کہ اس کے نشان پڑ گئے۔ اللہ کی شان دیکھیں یہ نشان ان کے رہا۔ ایک مرتبہ کسی غزوہ میں ان کے قبیلہ کے لوگوں کو گرفتار کر کے لایا گیا۔

''شیما'' اس وقت بوڑھی ہو چکی تھیں۔ وہ آپؐ کی خدمت میں آئیں۔ انہوں نے آ کر بتایا: ''میں آپ کی بہن ہوں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''میں تو اپنے باپ کا ایک ہی بیٹا ہوں۔ آپ میری بہن کیسے؟'' اس نے بتایا: ''میں حلیمہ کی بیٹی، آپ کی رضاعی بہن ہوں۔'' نشانی کے طور پر اس نے کہا: ''ایک مرتبہ میں نے آپ کو اُٹھایا ہوا تھا تو آپؐ نے مجھے کاٹا تھا اور میرے جسم پر وہ نشان آج بھی موجود ہے۔''

آپؐ نے اس نشان کو دیکھا تو آپ کو بھی یاد آ گیا کہ ہاں! بچپن میں ایسا معاملہ پیش آیا تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنی چادر بچھائی اور اپنی بہن کو اس چادر پر بٹھایا۔ دیکھیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معلم انسانیت تھے، لیکن آپؐ سے بچی بچپن میں بچگانہ فطرت کا اظہار ہو رہا ہے۔ اس لیے والدین کو چاہیے بچوں سے بچپن والی باتوں کی توقع رکھیں کہ بچپن کی عمر ہے، ذہن کچا ہے، تجربہ نہیں ہے، تو وہ اس قسم کی باتیں اور حرکتیں کرے گا، نہ کرے تو اسے بچہ کون کہے گا؟

حضرت مرزا مظہر جاناںؒ نے ایک مرتبہ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ سے فرمایا: ''غلام علی کسی بچے کو ہمارے پاس لے آنا۔'' حضرت شاہ صاحبؒ اپنے گھر گئے اور بچے کو حضرت کی

Marfat.com

خدمت میں لانے کے لیے تیار کیا۔ کافی دیر اسے سمجھاتے رہے حضرتؒ کی خدمت میں ایسے بیٹھنا اور ایسے کرنا، ایسے نہ کرنا۔" بچہ جب اچھی طرح معاملہ سمجھ گیا تو اگلے دن اسے حضرتؒ کی خدمت میں لائے۔ بچے نے سلام کیا اور باادب ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

کچھ دیر گزری تو حضرتؒ نے فرمایا: "غلام علی ہم نے تو کہا تھا کسی بچے کو ہمارے پاس لے آنا۔" حضرت شاہ صاحب نے عرض کیا: "حضرت بچے کو لے آیا ہوں۔" حضرتؒ نے فرمایا: "یہ کوئی بچہ ہے یہ تو بوڑھا معلوم ہوتا ہے۔" یعنی بچہ تو اس وقت اچھا لگتا ہے جب بچوں والی باتیں کرے، اُچھل کود کرے، آپ نے بچے کو بوڑھا بنا کر بٹھا دیا، وہ لگتا ہی نہیں کہ بچہ ہے۔

شیخ سعدیؒ اپنی بات خود بتلاتے ہیں مجھے میری والدہ نے سونے کی انگوٹھی پہنا دی۔ میں وہ انگوٹھی پہن کر باہر گلی میں نکلا تو ایک ٹھگ مل گیا۔ اس کے پاس گڑ کی ڈلی تھی، اس نے مجھے اُٹھا کر پیار کیا اور مجھے کہنے لگے: "تم اپنی انگوٹھی کو چکھو!" میں نے انگوٹھی کو زبان سے لگایا تو بے ذائقہ تھی۔ پھر اس کے بعد اس نے گڑ کی ڈلی دی کہ اس کو چکھو۔ جب میں نے گڑ کو چکھا تو بڑا مزیدار تھا۔ کہنے لگا مزیدار چیز لے لو اور بے مزہ چیز دے دو۔ کہنے لگے: "مجھے گڑ کا اتنا مزہ آیا کہ میں نے اسے انگوٹھی اُتار نے دی۔ گڑ کی ڈلی لے کر گھر واپس آ گیا۔ اب بچے تھے، کچے تھے، گڑ کی ڈلی کے بدلے سونے کی انگوٹھی دے کر آ گئے۔ اس عمر میں انسان غلطیاں بھی کرتا ہے اور سیکھتا ہے۔

ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ میلہ دیکھنے گیا۔ والد نے کہا: "بیٹا! مضبوطی سے میرا ہاتھ پکڑنا، بھیڑ زیادہ ہے، چھوڑنا نہیں۔" میں نے کہا: "بہت اچھا!" اب میں چل بھی رہا تھا۔ اِدھر اُدھر بھی دیکھ رہا تھا۔ اِدھر اُدھر کی چیزیں دیکھنے میں ایسا محو ہوا کہ ہاتھ چھوٹ گیا۔ اس کے بعد بہت دیر والد مجھے ڈھونڈتے رہے۔

میں والد صاحب کو ڈھونڈتا رہا۔ کافی دیر کے بعد اور پریشانی اُٹھانے کے بعد والد

Marfat.com

صاحب نے مجھے ڈھونڈ لیا۔ جب انہوں نے مجھے ڈھونڈا تو مجھے کہا: ''تمہیں میں نے کہا تھا کہ ہاتھ پکڑے رکھنا، تم نے کیوں چھوڑا؟ تو میں نے پھر ان کو کہا: ''میں کسی چیز کو دیکھنے میں مشغول ہو گیا، توجہ نہ رہی۔'' والد صاحب نے میرے کان کھینچے اور کان کھینچ کر کہا: ''دیکھو بچے! جس طرح تم نے اپنے بڑے کا ہاتھ مضبوطی سے نہ پکڑا تو دنیا کے میلے میں گم ہو گئے۔

اسی طرح تم بڑے ہو کر اگر اپنے بڑوں کا ہاتھ مضبوطی سے نہیں پکڑو گے تو پھر دنیا کے میلے میں گم ہو جاؤ گے۔ بچپن کی والد صاحب کی بتائی ہوئی یہ بات مجھے آج بھی یاد آتی ہے کہ واقعی جو اپنے بڑوں کا ساتھ چھوڑ بیٹھتا ہے، وہ پھر دنیا کی جھلملاہٹ کے اندر گم ہی ہو جایا کرتا ہے۔

میں چھوٹا تھا۔ اپنے والد کے ساتھ تہجد میں اُٹھ جایا کرتا تھا۔ ایک رات میں تہجد پڑھی تو گھر کے کچھ لوگ سوئے ہوئے تھے۔ میں نے ابو سے کہا: ''ابو! دیکھو یہ لوگ سوئے پڑے ہیں، اُٹھ کر تہجد نہیں پڑھتے۔'' والد صاحب نے کہا: ''بیٹا! تم اگر سوئے رہتے تو زیادہ بہتر تھا، اس لیے کہ اب جو تم نے یہ بات کی۔

یہ غیبت میں داخل ہے، ان کو سونے پر اتنا گناہ نہیں ہوگا، جتنا تمہیں غیبت کے کرنے پر گناہ ہوا۔ دیکھیے! کس طرح بچہ باتیں کر رہا ہے اور عقل مند باپ اس بچے کو ساتھ ساتھ تعلیم بھی دے رہا ہے، اس کی تربیت بھی کر رہا ہے۔ یہ تینوں واقعات شیخ سعدیؒ کے ہیں۔ یہی شیخ سعدیؒ ایک بڑے استاذ کے شاگرد بنے جن کا نام تھا ''ابن جوزیؒ'' جنہوں نے تلبیس ابلیس لکھی۔ فرماتے ہیں میں شافعی مذہب پہ تھا۔ استاذ مجھے اس کے مطابق تعلیم دے رہے تھے۔ ایک دن استاذ نے مجھے پڑھایا۔ روزے میں مسواک نہیں کرنی چاہیے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک روزے میں مسواک کا کرنا جائز ہے، مگر امام شافعیؒ اس میں بہت احتیاط برتتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نہیں! جب اللہ کو روزے دار کے منہ کی مہک ہی اچھی

Marfat.com

لگتی ہے تو مسواک کیا کرنی؟ ان کا اپنا نقطۂ نظر ہے۔ کہنے لگے میں نے جب یہ پڑھا تو میں نے گھر آ کر اپنے والد سے کہا: ''ابو! روزے میں مسواک نہیں کرنی چاہیے۔
جب میں نے یہ بتایا تو میرے والد نے کہا: بیٹے! تم روزے میں مسواک نہ کرنے کی تو اتنی احتیاط کر رہے ہو اور ابھی تھوڑی دیر پہلے جو تم نے بات کی تھی، وہ غیبت تھی اور تم نے گویا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھالیا۔ کیا روزے میں یہ گوشت کھانا تمہارے لیے جائز تھا؟ کہنے لگے: تب مجھے سمجھ میں آئی کہ واقعی روزے کی حالت میں غیبت سے بہت بچنا چاہیے۔

یہ واقعات اور مثالیں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو یہ پتا چلے کہ جو اہلِ علم ہوتے ہیں۔ وہ بھی اپنے گھر کے بچوں سے باتیں کرتے ہیں، مگر وہ بات بات پر ان کو سمجھاتے بھی رہتے ہیں۔ اسی طرح بچے پلتے رہتے ہیں اور ساتھ سنورتے بھی رہتے ہیں۔
جن والدین کو علم نہیں ہوتا، یا تو وہ غلطیوں پہ بھی درگزر کر دیں گے، پیار کر لیں گے اور یا پھر انسان کو چھوٹی چھوٹی بات پر، جائز سوال پر بھی ڈانٹ کر چپ کروالیں گی۔
یہ دونوں چیزیں غلط ہوتی ہیں۔ بچے کچے ہوتے ہیں، ایسے کام کرتے ہیں، ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ جو ناپسندیدہ ہوتی ہیں، مگر ان کو طریقے سے سمجھانا چاہیے۔ ان سے یہ توقع رکھنی چاہیے کہ یہ شرارتیں بھی کریں گے اور کچھ اور اس قسم کے کام بھی کریں گے۔
شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں: ''میری والدہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھے بڑا خوبصورت تکیہ بنا کر دیا۔ مجھے وہ تکیہ بڑا اچھا لگتا۔ میں اسے سر کے نیچے رکھنے کی بجائے سینے پر رکھ لیتا۔ ایک دن میرے والد صاحب نے تکیہ مانگا۔ میں نے پوچھا: ''کون سا تکیہ لاؤں؟ اپنے والا یا دوسرا۔'' والد صاحب نے مجھے بلایا۔ زوردار تھپڑ رسید کیا۔ فرمایا: ''تو نے کمائی کی ہے جو اپنا تکیہ کہتے ہو۔'' حضرت شیخ الحدیثؒ فرمایا

Marfat.com

کرتے تھے اس کے بعد دنیا کی کوئی چیز مجھے اچھی نہیں لگتی تھی۔

بعض اوقات جو بڑے علماء یا مشائخ کے بچے ہوتے ہیں۔ صاحبزادے ہوتے ہیں، ان میں اَنا پیدا ہوجاتی ہے، کیونکہ ان کا ہر معتقد آ کر اس سے لاڈ کرتا ہے۔ کوئی اسے اُٹھا رہا ہے، کوئی چیزیں لا کر دے رہا ہے، کوئی گھمانے پھرانے لے جارہا ہے۔ اس ناز برادری کی وجہ بچے بھی کچھ جاہ طلبی اور خودغرضی، کام چوری یا اس طرح کی چیزیں آجاتی ہیں جس سے مزاج بگڑ جاتا ہے۔

ظاہر ہے جب مزاج بگڑ جائے تو پھر بات بات پر جھگڑا ہوتا ہے۔ کبھی دوسرے بچوں کے ساتھ پھڈا کبھی اپنے بڑوں کے ساتھ ضد، لہٰذا علماء اور مقتدا حضرات کو اپنے بچوں پر اس حوالے سے خاص طور پر نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے مولانا زکریاؒ کے والد ان کو بچپن میں بعض اوقات مارتے تھے۔ فرماتے تھے یہ صاحبزادگی کا سور بڑی مشکل سے نکلتا ہے۔ ہمارے اکابر اور مشائخ یوں اپنے بچوں کو بچپن سے ہی سبق سکھایا کرتے تھے۔

بچے جو کچھ کھیلتے ہیں تو وہ بھی اپنے گھر کے ماحول کے مطابق ہی کھیلتے ہیں۔ وہ اپنے بڑوں کو جو کرتے دیکھتے ہیں، پھر وہی ان کا کھیل بن جاتا ہے، اسی لیے ہر گھر کا بچہ، اپنے گھر والوں کے ماحول اور مزاج کے مطابق ڈھلتا ہے۔ مولانا طلحہؒ ایک مرتبہ فرمانے لگے: ’’میں چھوٹا تھا۔ گلی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک بچے کو بیعت کر رہا تھا، اس لیے میں نے اپنے والد کو بیعت کرتے دیکھا تھا۔ اب میں ایک بچے کو بیعت کے کلمات پڑھا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔

اچانک ادھر سے حضرت مدنیؒ تشریف لے آئے۔ انہوں نے مجھے آ کر دیکھا تو چونکہ شفقت بہت تھی۔ شیخ الحدیثؒ کے ساتھ بہت زیادہ گہرا تعلق تھا۔ مجھے دیکھا تو کہنے لگے: ’’صاحبزادے صاحب! ہمیں بھی بیعت کرلو۔‘‘ میں نے کہا: ’’آئیں بیٹھ جائیں! مجھے کیا

Marfat.com

پتہ تھا یہ بڑے میاں کون ہیں؟'' میں نے حضرت مدنیؒ کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے اور میں نے کچھ کلمات پڑھ کر کہا: ''اچھا! میں نے آپ کو بھی بیعت کرلیا۔ دیکھو! بچہ ہے، لیکن وہ حضرت مدنیؒ کو بیعت کررہا ہے۔ بچے اسی طرح کے کام کرتے ہیں۔

مولانا آزادؒ فرماتے ہیں: ''میں چھوٹا تھا۔ گھر میں والد صاحب کا عمامہ رکھا ہوا تھا۔ میں اپنی بہنوں کو اکٹھا کرلیتا اور اپنے سر پر اپنے والد کا عمامہ رکھتا۔ بڑے شان سے اکڑ کے چلتا۔ میں بہنوں کو کہتا: ''ہٹو! راستہ دو، دہلی کے مولانا آرہے ہیں۔''

اس لیے بچپن میں میں نے سنا ہوا تھا دہلی میں کوئی بڑے مولانا رہتے ہیں۔ پھر میں اپنی بہنوں کو کہتا تم لوگ میرا استقبال کرو۔ استقبال میں تم نعرے لگاؤ۔ اب بہنیں کہتیں ہم کیوں نعرے لگائیں؟ اس لیے مولانا جو آرہے ہیں۔ وہ کہتیں نہیں! مولانا کے استقبال کے لیے تو ہزاروں لوگ ہوتے ہیں، ہم تو دو ہیں۔ وہ کہتے نہیں! تم یونہی سمجھ لو تم ہزاروں ہو، میرا استقبال کررہے ہو، لہٰذا تم نعرے لگاؤ! دیکھو! میں اپنی بہنوں کے ساتھ کس طرح اس بات پر کھیل رہا ہے۔

ان کی ایک بڑی بہن تھی۔ ایک مرتبہ اس نے بچپن میں ان کو کوئی کام کہا۔ انہوں نے نہ کیا، ضد کر گئے۔ بڑی بہن خفا ہوئی۔ اس نے اپنے والد کو کہا: ''ابو! یہ ہمارے بچے تو بالکل سڑے ہوئے انڈوں کی طرح ہیں۔ جب بہن نے کہا یہ تو سڑے ہوئے انڈوں یک طرح ہیں تو انہوں نے اسی وقت اپنے منہ سے ''چوں چوں'' کی آواز نکالنی شروع کردی۔ کہا اگر انڈے سڑے ہوئے ہوتے تو اس میں سے یہ مرغی کے بچے کیسے نکلے؟ اب چھوٹا بچہ ہے۔ وہ اپنی بہن کی بات پر کیا ردّعمل دکھا رہا ہے۔

بچے کئی مرتبہ ایسے ردّعمل ظاہر کرتے ہیں کہ بندے کو سمجھ ہی نہیں آتی مسئلہ کیا ہے؟ اس لیے کبھی وہ سہم جاتے ہیں، کبھی وہ خوف زدہ ہوجاتے ہیں، کبھی وہ ہمت گرا بیٹھتے ہیں۔ اس صورت میں بڑوں کو تھوڑی حکمت اور دانشمندی سے ان کو ڈیل کرنے کی ضرورت ہوتی

Marfat.com

ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ اپنے بارے میں بتایا کرتے تھے۔

جب میں تھوڑا سا بڑا ہوا تو میرے گھر میں قرآن شروع کرنے کی تقریب ہوئی۔ اس زمانے میں اس کو ''رسم بسم اللہ'' کہا جاتا تھا۔ یہ دو رسمیں بڑے اہتمام سے منائی جاتی تھیں: ایک ''رسم بسم اللہ'' قرآن شروع کروانے سے پہلے اور ایک ''رسم آمین۔''

جب قرآن ختم ہوا کرتا تھا۔ اس زمانے کی یہ تقریبات ہوا کرتی تھیں۔ کہنے لگے امی نے مجھے نہلایا۔ بہن نے مجھے اچھے کپڑے پہنائے۔ خوشبو لگائی۔ خوب سجا دیا گیا۔ گھر کے اندر رشتہ داروں کو بلایا گیا۔ سب نے اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ مٹھائی کا انتظام کیا ہوا ہے حتیٰ کہ ایک قاری صاحب کو بھی بلایا گیا جنہوں نے آ کر مجھے بسم اللہ پڑھانی تھی۔

اب جب سارے لوگ خوشیوں کے ساتھ اکٹھے میری طرف متوجہ ہوئے۔ گھر کی عورتیں وہ بھی پردے کے پیچھے لگ گئیں۔ خوش ہو رہی ہیں بچہ آج قرآن شروع کرے گا۔ قاری صاحب نے مجھے کہا: بچے! پڑھو! بسم اللہ۔ کہنے لگے: مجھے ایسی چپ لگ گئی کہ میں نے کچھ بھی نہ پڑھا۔ بار بار قاری صاحب کہہ رہے ہیں حتیٰ کہ مجھے والد صاحب نے کہا، دوسروں نے کہا، مگر ماحول کچھ ایسا تھا مجھے چپ ہی لگ گئی۔

میں بولنے پر آمادہ ہی نہ ہوا۔ بہت سمجھایا گیا دس پندرہ منٹ خوب منتیں کی گئیں، لیکن میں نہ بولا۔ لوگ اُٹھ گئے کہ چلو جی! اگر نہیں پڑھتے تو کوئی بات نہیں۔ عورتوں کے دلوں کے اندر بھی اُداسی آ گئی کہ بچے نے اس موقع پر نہیں پڑھا۔ والد کو غصہ آیا تو والد نے مجھے پھر ایک تھپڑ بھی لگا دیا۔

جب سب تجھے کہہ رہے ہیں کہ پڑھو! تو پڑھ کیوں نہیں رہے؟ کہنے لگے: ''میں نے تھپڑ بھی کھا لیا اور آنسو بھی بہا لیے۔ پڑھا پھر بھی نہیں۔ میرے ایک قریبی رشتے دار تھے جو بڑے ہی سمجھ دار تھے۔ انہوں نے مجھے اُٹھا لیا۔ کہا: کیوں روتے ہو؟ کوئی بات نہیں، رو نہیں۔ وہ مجھے اُٹھانے کے بعد تھوڑا اِدھر اُدھر لے گئے۔ مجھ سے باتیں کرتے رہے۔

Marfat.com

باتیں کرنے کے بعد مجھے کہنے لگے: کیا تمہارے اندر اتنی ہمت ہی نہیں کہ تم دو لفظ پڑھ دو؟ کیا تمہیں لوگ بے وقوف کہیں تو یہ تمہیں اچھا لگے گا؟ میں نے کہا: ''نہیں! میں تو بے وقوف نہیں ہوں۔'' انہوں نے کہا اگر تمہیں لوگ گندہ بچہ کہیں تو اچھا لگے گا؟ میں نے کہا: ''نہیں! میں گندہ بچہ تو نہیں ہوں۔'' انہوں نے کہا گندے بچے نہیں ہو تو پھر ان کو پڑھ کر سنا دو! کہ تم بسم اللہ پڑھنا جانتے ہو۔ کہنے لگے: جب انہوں نے مجھے اس طرح صحیح انداز میں ڈیل کیا تو میں نے اتنے زور سے بسم اللہ پڑھی کہ قاری صاحب تو کیا، گھر میں بیٹھنے والی عورتوں نے بھی بسم اللہ کی آواز سنی۔

اب دیکھیے! ہے تو بچہ، لیکن اگر اس کو تھپڑ امارا تو چپ لگی ہوئی تھی۔ پیار کے ساتھ اس کو مائل کیا تو اس نے اتنا اونچا پڑھا کہ دیوار کے پار بھی اس کی آوازیں جانے لگ گئیں۔ یہ بچے عام طور پر ایسے ہی کرتے ہیں۔ اگر آپ نے بچے کو کوئی بات کہی۔ اس نے نہ کردی۔ ماننے پہ تیار نہیں۔ غصہ مت کریں۔ آپ اس کا تھوڑا سا ماحول بدل دیں۔ بات بدل دیں۔ بات بدلنے کے تھوڑی دیر بعد آپ جب پھر وہی بات کہیں گی تو وہ فوراً کرلے گا۔ اللہ نے بچے کی میموری بہت شارٹ بنائی ہوتی ہے۔ اس شارٹ میموری کا فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

میں چھوٹا تھا۔ ایک دن امی ابو آپس میں بات کررہے تھے۔ کسی نے کہا قیامت کا دن ہوگا، بہت گرمی ہوگی اور سورج تو سوا نیزے پر ہوگا، پسینہ ہوگا اور بہت مشکل ہوگی۔ ساری باتیں سن کے میں ہنس پڑا۔ امی نے کہا: بیٹے! ہنس کیوں رہے ہو؟ میں نے کہا: ''امی! جب اتنی زیادہ گرمی ہوگی تو میں گرمی سے بچنے کے لیے کمرے میں چلا جاؤں گا۔ کہنے لگے: سارے گھر والے ہنسنے لگے۔ حشر کی گرمی کا تذکرہ اور بچے کا حال دیکھو کہ کہہ رہا ہے: امی! اس گرمی سے بچنے کے لیے اس دن کمرے میں چلا جاؤں گا۔ بچے کی اتنی ہی سوچ ہوتی ہے اور اتنا ہی اس کا معاملہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

ایک اور واقعہ سنیں۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے گھر میں ایک خادمہ کام کرتی تھی۔ اس خادمہ کا نام ''رحمتی'' تھا۔ وہ گھر کے کام سمیٹتی تھی، قریب ہی رہتی تھی۔ اس نے ایک بکری بھی پالی ہوئی تھی۔ اس بکری نے ایک بچہ دیا۔ مولانا یوسفؒ جو حضرت مولانا الیاسؒ کے صاحبزادے اور جانشین تھے۔ بچپن کی عمر میں تھے۔ وہ مولانا خلیل احمد سہارنپورؒ کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں میں جب وہاں جاتا تھا تو مجھے وہ بکری کا چھوٹا سا بچہ بہت اچھا لگتا تھا۔ میں اکثر اس بکری کے ساتھ، اس بکری کے بچے کے ساتھ کھیلتا تھا۔

ایک دفعہ لوگ آپس میں حج کی باتیں کر رہے تھے ہم نے حج پہ جانا ہے۔ میں ان کی باتیں سنتا رہا، سنتا رہا۔ خیر میں نے کہا ہاں! میں بھی حج پہ جاؤں گا۔ کسی نے پوچھ لیا کیسے حج پر جاؤ گے؟ میں نے کہا: ''رحمتی کی بکری کا جو چھوٹا بچہ ہے میں اس کی پیٹھ پہ سوار ہو کر حج کے لیے جاؤں گا۔'' اب دیکھو! چھوٹا سا بچہ بچپن کی عمر میں یہ جواب دے رہا ہے میں بکری کے بچے کی پیٹھ پر بیٹھ کر حج کروں گا۔ کہنے لگے: ''یہ بات ایسی مشہور ہوئی کہ مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپورؒ جب بھی مجھے ملتے تو بچپن میں مجھے دیکھ کر کہتے: ہاں سناؤ بچے! تم حج پہ کیسے جاؤ گے؟ میں آگے سے کہہ دیتا بکری کے بچے کی پیٹھ پہ بیٹھ کر حج کروں گا۔ حضرت مسکرایا کرتے تھے۔

یہ عمر ایسی ہی ہوتی ہے۔ انسان کی یہی چھوٹی سی دنیا ہوتی ہے۔ چھوٹے بچوں کی تمنائیں بھی چھوٹی ہوتی ہیں۔ حضرت عبدالماجد دریابادیؒ کہتے ہیں: اس بچپن کی عمر میں بس سارا دن مجھے ایک ہی فکر ہوتی تھی شام کو ایک خوانچے والا آتا تھا، وہ کبھی گنڈیریاں بیچتا تھا، کبھی سموسے بیچتا تھا۔ اس طرح کی چٹ پٹی چیزیں بیچتا تھا۔ سارا دن بس مجھے اس کی فکر ہوتی تھی کب عصر کا وقت آئے؟ وہ خوانچے والا آواز لگائے۔ میں امی سے پیسے لوں۔ اس سے جا کر چٹ پٹی چیز لا کر کھاؤں۔ گویا اس وقت بچے کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہی بنا ہوا تھا۔

Marfat.com

مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں میری پیدائش دیوبند میں ہوئی۔ والدین وہیں رہتے تھے۔ وہیں پر میرے لڑکپن کی عمر گزری۔ پڑھنے کی ابتدا بھی وہیں سے ہوئی۔ میں اپنے دوست عاقل کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ ہم آپس میں سرکنڈے کھیل رہے تھے۔ چند سرکنڈے کے چھوٹے سے ٹکڑے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ یوں رکھو! یوں پھینکو! تم جیت جاؤ گے، یہ ہار جائے گا۔ کہنے لگے: سرکنڈوں کا کھیل کھیل رہا تھا اس نے سارے ہی سرکنڈے مجھ سے جیت لیے۔ فرماتے ہیں: میں اتنا پریشان اور افسردہ ہوا کہ میرا اتنا نقصان ہوگیا۔

اب سوچو بچے کی دنیا کیا ہے؟ اگر اس سے کسی نے سرکنڈ جیت لیے۔ گویا اس پر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ سمجھتا ہے دنیا کا اتنا بڑا خزانہ اس کے ہاتھ سے کسی نے لوٹ لیا۔ بعد میں فرمایا کرتے تھے اب میں سوچتا ہوں پوری دنیا کی میرے سامنے کیا حقیقت ہے؟ مگر بچپن میں میرا کیا حال تھا سرکنڈوں کے چلے جانے پر میں اس قدر پریشان ہوگیا تھا۔ بچپن میں انسان کی ایسی ہی اُمنگیں ہوتی ہیں اور تمنائیں ہوتی ہیں۔

''اکبر الہ آبادی'' بڑے ظریف شاعر گزرے ہیں، مگر بہت تعلیم یافتہ تھے اور اپنے وقت کے جج تھے۔ جب ان کا بیٹا جوان ہوا۔ انہوں نے اس کی شادی کی۔ اب ولیمہ کی تقریب تھی، اس ولیمہ کی تقریب میں انہوں نے بڑے اچھے طبقے کے لوگوں کو بلایا ہوا تھا، امیر لوگ، پڑھے لکھے لوگ، معاشرے کے ذمہ دار لوگ، بڑے بڑے اس طرح کے جو لوگ تھے، وہ آئے ہوئے تھے۔ بیٹا بھی جوان تھا۔ اس وقت اس کی خوشی کی تقریب تھی۔ اس خوشی کی تقریب میں انہوں نے اعلان کیا کہ آج میں اپنے بیٹے کو ایک تحفہ دوں گا۔

اب انہوں نے تحفہ ایک کاغذ کے اندر لپیٹا ہوا تھا یعنی گفٹ پیک کروایا ہوا تھا۔ کہنے لگے سارا مجمع متوجہ ہوگیا۔ بیٹے کی شادی ہے، ولیمہ کی تقریب ہے، باپ اتنا معزز آدمی ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو ولیمہ کے اوپر ایک تحفہ پیش کر رہا ہے۔ لوگ سمجھتے تھے پتہ نہیں سونے کا

Marfat.com

بنا ہوگا؟ کوئی ڈائمنڈ ہوگا یا کوئی قیمتی گھڑی ہوگی، کیا چیز ہوگی؟

سب لوگوں نے دلچسپی لی۔ آخر اس گفٹ پیک کے اندر چھپا ہوا کیا ہے؟ کہنے لگے:

''جب والد صاحب نے مجھے کہا: بیٹے! اس گفٹ کو پیک کھولو! میں نے اسے کھولنا شروع کیا تو ایک تہہ تھی۔ پھر اس کے اندر دوسری تہہ، پھر اس کے اندر تیسری تہہ، اب میں کھولتا جا رہا ہوں اور لوگوں کا تجسس بڑھتا جا رہا ہے۔

خود میرا تجسس بھی بڑھ گیا کہ ابو! مجھے اس موقع پر کیا چیز دے رہے ہیں؟ کہنے لگے جب میں نے آخر میں آخری تہہ اُتاری تو اندر ایک بچوں کے کھیلنے کا چھوٹا سا کھلونا تھا۔ جب وہ کھولنا نکلا تو سارا مجمع ہنسنے لگا۔ میں تھوڑا سا شرمندہ بھی ہوا میری ولیمہ کی تقریب تھی۔ والد صاحب نے مجھے یہ کھلونا دینا تھا۔ لوگوں کے سامنے میری جگہ ہنسائی ہونی تھی۔ میں ذرا خاموش ہوگیا۔ خیر! لوگ تو ہنسے، مسکرائے، انجوائے کیا اور چلے گئے۔

چند دن کے بعد ابو سے میری بات ہو رہی تھی۔ میں نے کہا: ''ابو! آپ نے میرے ساتھ ٹھیک نہیں کیا۔ کیوں بیٹے؟ اس لیے آپ نے مجھے اتنے بڑے مجمع کے سامنے مذاق بنا دیا۔ سارے مجھ پر ہنسنے لگے، مجھے آپ نے اس تقریب کی خوشی میں یہ چھوٹا سا کھلونا دیا۔ اس وقت والد نے بات سمجھائی کہ دیکھو بیٹا! میں تمہیں ایک میسج دینا چاہتا تھا، ایک پیغام سمجھانا چاہتا تھا۔

بچپن میں ایک مرتبہ میرے پاس پیسے نہیں تھے۔ تم نے اسی کھلونے کا مجھ سے مطالبہ کیا تھا، جو میں خرید نہ سکا۔ آپ اتنا روئے، اتنا خفا ہوئے کہ ایک ہفتہ مجھ سے بولے بھی نہیں کہ مجھے کھلونا کیوں نہیں لے کر دیا؟ اس کھلونے کی آپ کو اتنی چاہت تھی اپنے والد سے ایک ہفتہ کلام تک نہ کیا۔

میں نے یہ سوچا کہ آج اس خوشی کی تقریب میں، یہ کھلونا آپ کو لے کر دوں۔ آپ کو یہ سمجھاؤں کہ دیکھو بیٹے! بچپن میں اس کھولنے کا لینا آپ کی آرزو تھی، آپ کی تمنا تھی، لیکن

Marfat.com

جب آپ جوانی میں پہنچے۔ مجمع میں لوگوں کے سامنے آپ کی تمنا کو پیش کیا۔ آپ کو خود شرمندگی ہوئی کیا کہ اس چیز کے لیے میں نے اپنے والد سے منہ موڑ لیا تھا۔

میں یہ پیغام دینا چاہتا تھا بچپن کی تمنائیں اگر بندے کے سامنے جوانی میں کھولی جائیں تو بھرے مجمع میں بندے کو شرمندگی ہوتی ہے۔ تم جوانی میں اپنی کوئی ایسی آرزو اور تمنا مت بنانا کہ کل قیامت کے مجمع میں اگر اسے کھول دیا جائے تو تمہیں وہاں جا کر شرمندگی ہو۔ دیکھیے! جو اچھے ماں باپ ہوتے ہیں، وہ بچوں کو ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہی اچھی تعلیم دیتے ہیں جو بالآخران بچوں کو اچھا انسان بنا دیتے ہیں۔

کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں جن میں شروع سے ہی احساسِ ذمہ داری ہوتا ہے۔ لڑکپن میں ہی وہ بڑے ذمہ دار بن کر رہتے ہیں۔ جیسے مفتی کفایت اللہؒ فرماتے ہیں بچپن میں میرے گھر کے حالات غریبی کے تھے، مگر میں نے کسی سے ٹوپیاں بنانا سیکھ لیا تھا۔ جیسے عورتیں قریشیے کے ساتھ بیٹھ کے مختلف چیزیں بناتی رہتی ہیں۔ کہنے لگے بس میں بھی اسی طرح بیٹھ کر وہ ٹوپیاں بناتا رہتا تھا حتیٰ کہ کئی مرتبہ استاذ کلاس میں پڑھا رہا ہوتا تھا۔

میں پیچھے بیٹھا ہوتا تھا، سبق بھی سن رہا ہوتا تھا اور ساتھ ساتھ ٹوپی بھی بنا رہا ہوتا تھا، مگر اللہ نے ذہن ایسا دیا تھا کہ ساتھ والے بچے اگر کوئی چیز نہیں سمجھ سکتے تھے تو میں ٹوپی بنانا چھوڑ کر ان کو وہ بات سنا دیتا تھا۔ وہ حیران ہوتے تھے تم ٹوپیاں بناتے ہوئے استاذ کا درس سنتے ہو اور اتنا تمہیں یاد ہوتا ہے۔ اس طرح بچا کے ٹوپیاں بناتا، ان کو بیچتا اور اس سے جو مجھے تھوڑے سے پیسے ملتے، اس سے میں اپنے مدرسے کا خرچہ چلایا کرتا تھا۔ بعض بچے ایسے بھی ہوتے ہیں بچپن میں ہی جن کو اللہ ربّ العزت احساسِ ذمہ داری دے دیتا ہے۔

مفتی شفیعؒ فرماتے ہیں: ''میں اپنی بستی سے جب دارالعلوم میں پڑھنے کے لیے آتا تو سردیوں کی راتوں میں امتحانوں کے قریب ذرا دیر تک پڑھنا ہوتا تھا، تیاری کرنی ہوتی تھی۔ جب میں واپس لوٹ کے آتا تو گھر کے سارے لوگ سوئے ہوتے تھے۔ امی اُٹھتی

Marfat.com

اور اس وقت مجھے کھانا گرم کر کے دیتی تو میں امی کی منت سماجت کرتا کہ آپ کیوں سردیوں میں اُٹھتی ہیں؟ بس آپ کھانا رکھ دیا کریں، میں خود ہی آ کے کھالیا کروں گا۔

بڑی مشکل سے امی کو میں نے منایا۔ میں جب آتا تو سالن جما ہوا ہوتا، میں اس کے اوپر سے جمی ہوئی تہہ ہٹادیا کرتا تھا اور ٹھنڈا کھانا کھا کر گزارا کر لیتا، لیکن میں اپنی تعلیم میں حرج نہیں آنے دیتا تھا۔ جن بچوں کے اندر بچپن، لڑکپن سے یوں علم کا شغف ہو، شوق ہو، طلب ہو، احساسِ ذمہ داری ہو اور وہ علم کی خاطر اس طرح اپنی ضرورتوں کو بھی قربان کریں۔ یہ وہ بچے ہوتے ہیں جو اپنی جوانی میں آسمانِ علم پر ستارے بن کر چمکا کرتے ہیں۔ پھر ایک وقت آیا، اللہ نے اس بچے کو مفتی اعظم پاکستان بنادیا۔

بچپن میں بچے کا ذہن کچا ہوتا ہے۔ ماں باپ کو یہ چاہیے وہ اس بات پر بہت زیادہ توجہ دیں کہ وہ کن کے ساتھ کھیل رہا ہے؟ اس لیے دوست سے وہ اتنا کچھ سیکھتا ہے جتنا ماں باپ سے نہیں سیکھتا۔ بچی ہے تو سہیلی سے سیکھے گی۔ بچہ ہے تو اپنے دوست سے سیکھے گا۔ اس لیے مولانا یحییٰؒ فرماتے تھے اگر بچہ بالکل کند ذہن ہو، لیکن دوست اس کا نیک ہو تو اس بچے کی کشتی کبھی نہ کبھی کنارے لگ جائے گی۔

بچہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو، اگر دوست اس کا بُرا ہو تو کبھی نہ کبھی اس کی کشتی بیچ دریا میں ڈوب جائے گی، چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ الحدیثؒ کی کتنی اچھی تربیت کی کہ ان کے بیٹے پھر اپنے وقت کے شیخ الحدیث بنے اور اللہ نے ان کو کیا قبولیتِ عامہ عطا فرمائی۔

بعض بچے بچپن میں ہی سعادت کے آثار لے کر آتے ہیں۔ مولانا قاسم نانوتویؒ کے ایک بیٹے تھے حافظ احمد، ان کی شادی ہوئی۔ ایک بچہ ہوا جو بچپن میں ہی فوت ہو گیا۔ پھر کچھ عرصہ بچے ہی نہیں ہوئے۔ اُمید ہی نہیں لگی۔ سب لوگ فکرمند تھے۔ سب چاہتے تھے خاندان قاسمی کا یہ سلسلہ چلتا رہے۔ علمی گھرانہ اور یہ علمی یادگاریں آگے بڑھتی رہیں۔ قیامت تک ان کا فیض چلے۔ سب لوگ دُعائیں کرتے تھے، کوئی اُمید ہی نہیں نظر آتی تھی۔

Marfat.com

فتح پور کے رہنے والے ایک بزرگ تھے۔ کسی نے ان کی طرف کسی جانے والے آدمی کے ہاتھ پیغام دے کر بھیجا کہ حضرت! حافظ احمد کے لیے اولاد کی دعا کریں۔ یہ گئے اور انہوں نے جا کر پیغام دیا۔ وہ بزرگ اس خاندان کی علمی وجاہت اور علمی مقام کو جانتے تھے۔ انہوں نے جب سنا تو تھوڑی دیر تو خاموش رہے۔ پھر کہنے لگے: ہاں! بچہ ہوگا، حافظ ہوگا، قاری ہوگا، حاجی ہوگا، عالم ہوگا، اپنے وقت کا مقتدا ہوگا، یہ الفاظ کہے۔ اس کے چند دن بعد ان کی اہلیہ کو اُمید ہوگئی۔ اللہ نے ان کو بیٹا دیا، جو بڑا ہو کر قاری محمد طیبؒ بنا۔

بسا اوقات ایسے بھی ہوتا ہے ماں کے پیٹ سے ہی اللہ ان کو ولایت کا نور عطا فرما دیتا ہے۔ ایسی شخصیت نے پیدا ہونا ہوتا ہے تو بچے کو بہت ساری باتیں بچپن میں پیش آتی ہیں۔ ماں باپ کو معلوم ہونا چاہیے بچے کو اس عمر میں ڈیل کیسے کرنا ہے؟ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ والدہ نے ہم دو بھائیوں کو دودھ دیا۔ میرا بڑا بھائی تھا اور میں تھا۔

میں ضد کرنے لگا پہلے میں پیئوں گا، چونکہ والدہ نے گلاس بھائی کے ہاتھ میں دیا تھا، اس لیے بھائی نے کہا نہیں پہلے میں نے ہی پینا ہے۔ اب میں جتنا رو رہا ہوں، ضد کر رہا ہوں، بھائی کہتا ہے ہرگز نہیں، میں پہلے پیئوں گا۔ جب میں زیادہ رویا، دھویا اور اودھم مچایا تو بھائی نے غصے میں آ کر اپنا بھی دودھ پیا، میرے حصے کا بھی دودھ پی لیا۔ خالی گلاس ایک طرف کو رکھ دیا اب تمہیں دودھ ملنا ہی نہیں۔

یہ واقعہ میرے ذہن پر ایسا نقش ہوا کہ اس کے بعد پوری زندگی میں نے کبھی بھی ضد نہ کی۔ یہ سوچتے ہوئے ضد کرنے سے تو انسان اپنے حصے سے بھی محروم ہو جایا کرتا ہے۔ ایک سبق سیکھا انہوں نے اس بچپن کی زندگی میں، یہ تو جنرل باتیں تھیں جو آپ کو بچوں کے بارے میں بتائیں تاکہ انڈر اسٹینڈنگ رہے کہ بچے سے ڈیل کرتے ہوئے ہمیں کیا چیز ذہن میں رکھنی چاہیے؟

Marfat.com

بچوں کے لڑائی جھگڑے میں یہ بات سمجھیں جھگڑے ہونے کے تین مراحل ہوتے ہیں۔ پہلا قدم یہ ہوتا ہے کوئی چیز بچے کو پسند نہیں آتی، وہ اسے ناپسند کرتا ہے۔ پھر دوسرا قدم ہوتا ہے کہ اس ناپسندیدہ چیز یا بات پر اس کو ناراضگی ہوجاتی ہے۔ ناراضگی کے بعد تیسرا قدم پھر لڑائی جھگڑا بنتا ہے۔ جھگڑا ایک دم نہیں ہوجاتا، بلکہ جھگڑے سے پہلے دو مراحل ہوتے ہیں۔

بچوں کے جھگڑے چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ہوتے ہیں۔ کسی نے کھلونا چھین لیا۔ آپس میں جھگڑا ہوگیا۔ آم گھر میں لگا ہوا تھا۔ درخت سے نیچے آ گرا۔ ایک نے کہا میں نے اُٹھانا ہے۔ دوسرے نے کہا میں نے، چلو اس بات پر آپس میں جھگڑا ہوگیا۔ ایک بچہ بڑا تھا ایک چھوٹا، بڑے نے چھوٹے کو منہ چڑا دیا۔ اس بات پر آپس میں جھگڑا ہوگیا۔ دو بچے آپس میں کھیل رہے تھے۔ کھیلتے ہوئے ایک جیت گیا تو ہارنے والے نے جھگڑا کردیا۔ رونا دھونا شروع کردیا تو بچے کی یہ فطرت ہوتی ہے وہ چاہتا ہے میری خواہش پوری ہو۔

اللہ نے بچے کی یہ فطرت بنائی ہوتی ہے وہ چاہتا ہے میری بات پوری ہو۔ اسی لیے تو انسان کے نفس کو بچے سے تشبیہ دیتے ہیں کہ نفس بھی یہی چاہتا ہے میری خواہش پوری ہو۔ ہر بچے کی یہ فطرت ہوتی ہے میری خواہش پوری ہو، مگر اس کے اظہار میں وہ بچہ بے تکلف ہوتا ہے۔ وہ گہرائی نہیں ہوتی کہ اندر سے اور اوپر سے اور۔ یہ کیفیت اللہ بڑوں کو دے دیتے ہیں کہ وہ اوپر سے مسکراہٹ اور اندر سے اُبال ہوتے ہیں۔ ان کے اندر یہ دورَنگی آجاتی ہے۔ اتنی گہرائی آجاتی ہے وہ دوسرے کو اپنے جذبات کا پتہ نہیں چلنے دیتے کہ اندر کیا ہے؟

بچے، بچے ہوتے ہیں، وہ اپنے جذبات کے اظہار میں بے تکلف ہوتے ہیں۔ کوئی بھی معاملہ ہو، وہ اپنی خوشی کا اظہار بھی تکلف کردیتے ہیں۔ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی بے تکلف کردیتے ہیں۔ اس کو وہ ہولڈ کر سکتے۔ پھر کئی مرتبہ ان کو زبان سے اظہار کرنے کا پورا

Marfat.com

طریقہ ہی نہیں آتا، الفاظ ہی نہیں آتے تو ان کے پاس ایک رونا دھونا ہی تو ہوتا ہے، اس لیے بچے ناپسندیدگی کا اظہار رو دھو کر کیا کرتے ہیں۔

بچے کئی مرتبہ اپنے رونے کو ٹول اور تکنیک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کئی مرتبہ جانور ہوتا ہے کہ دور سے ہی آواز نکالتا ہے کہ جیسے حملہ کر رہا ہے، مگر حملہ نہیں کرنا ہوتا۔ وہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ خبردار! ذرا دور رہو۔ کاش تو اس نے وہ دینی ہوتی ہے، مگر کاشن دینے کے لیے وہ کرتا ہے ایسے ہے جیسے حملہ کر رہا ہے، اس کو دکھاوے کا حملہ کہتے ہیں۔ بچے کئی مرتبہ اپنی ماں کو متوجہ کرنے کے لیے دکھاوے کا رونا روتے ہیں تو جو مائیں ذرا سی اوں اوں پر فوراً بھاگی آتی ہیں، پھر ان بچوں کو رونے کی عادت بھی پڑ جاتی ہے۔

بچوں کو گودوں کا بھی چسکا پڑ جاتا ہے، وہ پھر نیچے اُترنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ بچے کا رو پڑنا کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہوتی۔ کئی مرتبہ اس کے رونے کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ بچے کو سمجھانا ہوتا ہے ہر مرتبہ ہر بات پہ رو پڑنا، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔ رفتہ رفتہ بچوں کو رونے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ وہ ماؤں کے لیے مصیبت بنے رہتے ہیں، ان کو سُکھ کا سانس ہی نہیں لینے دیتے، اس لیے بچوں کے رونے پر کب صحیح ری ایکٹ کرنا ہے؟ کب اس کو نارمل لینا ہے؟ اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

سب ماؤں بہنوں کی خدمت میں گزارش ہے کھیلنے والے، چھوٹی عمر کے بچے، جب کسی بات پر رونا شروع کر دیں تو آپ فوراً طیش میں مت آ جائیں۔ فوراً لڑائی کا حصہ نہ بن جائیں۔ بچے بچے ہیں۔ ہوسکتا ہے جو چھوٹا بچہ رو رہا ہے، ممکن ہے اس رونے کی وجہ سے بہت ہی معمولی ہو۔ ہم نے دیکھا ایک بڑا بچہ ہے ایک چھوٹا۔ اب چھوٹا بڑے کو مارنا چاہتا ہے اور وہ مارنے نہیں دیتا۔ اس پر چھوٹا رونا شروع کر دیتا ہے۔ اب یہ مظلوم تھوڑا ہے جو رو رہا ہے۔ یہ اس لیے رو رہا ہے کہ یہ بڑی بہن مجھے مارنے نہیں دیتی۔ پھر کیا بچے کے رونے پر فوراً آپ غصے میں آ جائیں گی؟ نہیں! ایسی بات نہیں نہیں ہے۔

Marfat.com

عام طور پر دیکھا گیا ہے چونکہ ماں کو محبت ہوتی ہے۔ ذرا بچے کی رونے کی آواز نکلی اور ماں کے منہ سے الفاظ نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ بولنا شروع کر دیتی ہے۔ دوسرے بچوں کو گالیاں دینا، دوسرے بچوں کو کوسنا، دوسرے بچوں کو موردِ الزام ٹھہرانا شروع کر دیتی ہیں۔ یاد رکھیں! جب آپ نے چھوٹے بچے کی معمولی بات سے رونے پر بڑے کو ڈانٹنا شروع کر دیا تو بڑے بچے کے اندر آپ نے اپنی ناانصافی کا بیج بو دیا۔

اس کے دل میں ڈال دیا کہ امی ناانصاف ہے کیونکہ بچہ بغیر الزام کے کوئی ڈانٹ، بغیر غلطی کے کوئی الزام اپنے اوپر برداشت نہیں کرتا۔ جب اس کے دل میں ہوتا ہے میں نے غلطی نہیں کی تو اس کو سمجھ نہیں آتی کہ مجھے کیوں ڈانٹا جا رہا ہے؟ تو وہ ماں سے پھر نفرت کرنے لگ جاتا ہے۔ ماں کو بُرا سمجھنا شروع کر دیتا ہے؟ سوچتا ہے بس ماں تو ہمیشہ چھوٹے ہی کی طرف داری کرنی ہے۔

کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر بیٹا چھوٹا ہے تو بڑی بہنوں یک شامت آتی رہتی ہے۔ ہر بات پر بہنوں کو ڈانٹ پڑ رہی ہے۔ بھئی! بچہ ہے، اب اس بچے کی خاطر آپ دوسروں کو تو برباد نہ کریں۔ اس لیے یہ چیز ذہن میں رکھیں کہ بچے کا رونا ہمیشہ مظلومیت کا رونا نہیں ہوتا۔ کئی مرتبہ بچہ خود دوسرے بچوں کو مارتا ہے۔ ایک دفعہ مارا، دوسری دفعہ مارا، تیسری دفعہ مارا۔ جب بہن کو دو چار دفعہ اس نے مارا۔ اس نے بھی غصے میں آ کر ایک تھپڑ لگا دیا۔

جب اس نے ایک لگایا اب بچہ روتا ہوا گیا۔ اب وہ جو روتا ہوا آ رہا ہے تو یہ مار کھا کے نہیں آ رہا۔ یہ تین دفعہ مار کر آ رہا ہے۔ حضرت لقمانؑ نے فرمایا: ''اگر کوئی تمہارے پاس آئے اور وہ دکھائے کہ میرا ایک کان کسی نے کاٹ دیا ہے تو تم فیصلہ میں جلدی نہ کرنا، جب تک کہ تم دوسرے بندے سے نہ پوچھ لو، ہوسکتا ہے کہ اس نے اُس کے دونوں کان کاٹ دیے ہوں۔''

Marfat.com

اگر کوئی کہے: جی! اس نے مجھے مکا را۔ واقعی مارا بھی ہے تو فیصلہ نہ کریں۔ جب تک صحیح صورت حال معلوم نہ کرلیں۔ ہوسکتا ہے اس نے پہلے اس کے دو مکے مارے ہوں یا اور کوئی زیادتی کی ہو۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے اس میں بڑوں کی غلطی یہ ہوتی ہے کہ وہ جلد بازی کرلیتے ہیں۔ غلطیاں چھوٹوں کی ہوتی ہیں اور معمولی ہوتی ہیں، لیکن بڑوں کی جلد بازی کی وجہ سے پھر وہ ایشو بن جایا کرتی ہیں، وہ پھر بڑوں کے جھگڑے بن جایا کرتے ہیں۔

اگر کوئی دوسرا بچہ پڑوسی کے بچے کے ساتھ کھیل رہا ہے اور قصور بھی اپنے بچے کا ہے، لیکن اگر اس نے رونا شروع کردیا تو اب یہ خاتون پڑوسی کے بچے کو کوسنا شروع کردے گی۔ جب اس کی ماں یہ آواز سنے گی تو یہ آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کردیں گی۔ چھوٹوں کی بات تھی، بڑوں کے جھگڑے بن گئے اور آپس میں نفرتیں پیدا ہوگئیں۔ ایسی جلد بازی نہیں کرنی چاہیے، مگر اس میں ایک اور بھی اہم بات ہے۔ بچے اگر چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں جھگڑے پڑتے ہیں تو اللہ نے بھی ان کی میموری اتنی شارٹ رکھی ہوتی کہ چند منٹ کے بعد پھر آپس میں کھیل رہے ہوتے ہیں۔

بچے کے رونے میں اور بچے کے ہنسنے میں پانچ سیکنڈ کا فرق نہیں ہوا کرتا۔ ابھی بچے کے آنسو بہہ رہے ہیں، ابھی اس کی ماں نے اُٹھالیا، اس کے آنسو ختم، اس کا رونا ختم۔ بچے کا رونا اور بڑے کا رونا اور ہوتا ہے، اس لیے بچوں کے رونے کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ ان بچوں کے رونے پر یا جھگڑے پر ہم اس کو بڑوں کا جھگڑا نہیں بناسکتے، اس لیے کہ بچے تھوڑی دیر کے بعد اس کو بھول کر پھر ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل جائیں گے۔

بچے تھوڑی سی بات پر جھگڑ پڑے۔ ماں نے دوسرے بچے کے تھپڑ رسید کردیا۔ اس کی ماں نے بھی آ کر اس سے جھگڑا شروع کردیا۔ دونوں طرف کے خاوند آگئے حتیٰ کہ ایک دوسر کو انہوں نے زخمی کردیا۔ پولیس آ گئی۔ اتنا پڑوسیوں میں فساد پھیلا خدا کی پناہ! جب

Marfat.com

اگلے دن ماں باپ صبح اُٹھے تو کیا دیکھا کہ گلی میں دونوں بچے پھر کھیل رہے تھے۔ بچوں کی لڑائی ایسی ہی ہوتی ہے۔

بچوں کی لڑائی پر اتنا ماں باپ کا اُلجھ پڑنا کہ ایک دوسرے کو زخمی کردیں، پولیس آجائے، زندگی بھر کے لیے تعلق منقطع ہوجائے، یہ انتہائی جہالت کی بات ہوتی ہے، لہٰذا بچوں کے جھگڑے کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے۔ ہاں! جب بچہ لڑائی کرلے تو اب سمجھیں کہ بچے نے آخر جھگڑا کیوں کیا؟ پھر اس کے بعد بچے کو سمجھائیں۔

ایک کتاب میں ایک حدیث نظر سے گزری۔ آپؐ نے فرمایا: بچوں کی پانچ صفات بڑی عجیب ہوتی ہیں۔ پہلی صفت بچے رو روکر اپنی بات کو منواتے ہیں۔ واقعی یہ کتنی پیاری صفت ہے۔ اگر بڑوں کو یہ صفت مل جائے اور وہ اللہ کے در پر رو روکر اپنی بات کو منوائیں تو کتنی اعلیٰ بات ہے۔ دوسری صفت بچے مٹی سے کھیلتے ہیں، چنانچہ کسی وزیر یا امیر کا بیٹا کیوں نہ ہو، ذرا موقع ملے تو وہ زمین پر بیٹھے گا، زمین پر لیٹے گا، زمین پر بھاگے گا۔

بچہ چاہے قالینوں میں رہنے والا بچہ ہو، سونے کے پنگھوڑوں میں پلنے والا بچہ ہو۔ ذرا موقع ملے تو اس کو مزہ زمین کے ساتھ ہی آتا ہے۔ وہ زمین پر ہی بیٹھتا ہے، زمین پر ہی لیٹتا ہے۔ کیونکہ زمین کے ساتھ طبعی مناسبت، بچے کے اندر تواضع کی دلیل ہوتی ہے۔ تواضع کی وجہ سے بچہ ایسا کر رہا ہے تو یہ بھی ایک اچھی صفت ہے۔

تیسری صفت بچوں کی ایک عادت ہوتی ہے کہ انہیں جو مل جاتا ہے، وہ اسے منہ میں ڈالتے ہیں اور کھالیتے ہیں۔ واقعی ہم نے کئی گھر کے بچوں کو دیکھا کہ بچہ جب روتا ہے تو ان کو خشک روٹی کا ٹکڑا دے دیتے ہیں۔ وہ خشک روٹی کا ٹکڑا چباتے ہوئے خوش ہوجاتے ہیں۔ بچوں کو جو دے دو، سادہ کھانا دے دو، پرتکلف دے دو، بچے اسی کو کھالیتے ہیں۔ جب ان کو بھوک ہوتی ہے تو اسے پیٹ کو بھر لیتے ہیں۔

گویا کھانے پینے کے معاملے میں اللہ نے بچوں کو بے تکلف بنایا ہوتا ہے۔ چوتھی صفت

Marfat.com

عام طور پر بچوں کو دیکھا کہ جب کھیلتے ہیں تو وہ مٹی کے گھر بناتے ہیں۔ خود ہی مٹی کے گھر بناتے ہیں اور خود ہی ان گھروں کو توڑ دیتے ہیں۔ یہ صفت کتنی اچھی ہے کہ وہ بتا رہے ہوتے ہیں کہ دنیا دار الفنا ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ ہمیں اس دنیا کے کارخانے کی ہر چیز کو چھوڑ کر یہاں سے چلے جانا ہے۔

پانچویں صفت بچوں کے اندر یہ صفت بہت اچھی ہے کہ اگر بچے تھوڑی دیر کے لیے ایک دوسرے سے جھگڑا کر لیتے ہیں تو پھر صلح کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ ان کے سینے میں کینہ نہیں ہوتا۔ یہ دلوں میں نفرتیں نہیں رکھا کرتے۔ یہ صفت بچوں کے اندر بہت اچھی ہوتی ہے۔

بچوں کے اندر اتنی گہرائی نہیں ہوتی کہ پرانی باتوں کو یاد رکھ سکیں، اسی لیے جب ماں باپ آپس میں بہت لڑتے ہیں اور پھر بڑے چاہتے ہیں ہمارے بچے بھی ایک دوسرے سے نہ بولیں تو یاد رکھنا کہ بچوں کے لیے ماں باپ کی خاطر مصنوعی لڑائی لڑنا، انتہائی مشکل کام ہوتا ہے۔ بچے اپنے ماں باپ کی وجہ سے مصنوعی لڑائی لڑ سکتے، اس لیے بچوں کی فطرت کو سمجھیے۔ ان کے جھگڑوں کو اسی طرح سے ڈیل کیجیے بلکہ ان کے جھگڑوں کو تو جھگڑا کہنا ہی نہیں چاہیے۔ پسند اور ناپسند کا اظہار کہنا چاہیے۔

آپس میں ان کے جھگڑے تو معمولی باتیں ہوتی ہیں، لہٰذا چھوٹی سی باتوں پر اس کا بتنگڑ نہیں بنا لینا چاہیے۔ اس پر بڑوں کو شریک نہیں ہو جانا چاہیے۔ اگر بچے جھگڑ پڑیں تو آپ حقیقت کو معلوم کر لیں۔ جس کا قصور ہو اسی کو معذرت کرنے کے لیے کہیں۔ اس کو معافی مانگنے کے لیے کہیں۔ جس نے دل دُکھایا ہے، زیادتی کی ہے، اس کو کہیں کہ ہاتھ جوڑ کے معافی مانگے۔ اس کو سمجھائیں کہ صلح کے اندر اللہ نے خیر رکھی ہے۔ بچے کو سمجھائیں کہ جو دنیا میں دوسرے کی غلطی کو جلدی معاف کر دے گا، اللہ قیامت کے دن اس کی غلطیوں کو جلدی معاف فرما دے گا۔

Marfat.com

جب بچے کو صلح کی اچھائی بتائیں گی اور معاف کرنے کی خوبی بتائیں گی تو غلطی کرنے والا معافی بھی مانگ لے گا، جس کے ساتھ زیادتی ہوئی وہ جلدی معاف بھی کر دے گا۔ وہ بچے پھر آپس میں محبت پیار سے کھیلنے لگ جائیں گے۔'' میری ماؤں بہنو! بچوں کی نفسیات سمجھ کر اس طریقے پر اپنے پھولوں کی تربیت کریں گے تو بات بنے گی۔ معاشرے کو صالح نسل ملے گی۔

Marfat.com

بچے اور رول ماڈل / بچوں کی صحت کا خیال رکھیں

''انسان خود عظیم نہیں ہوتا، بلکہ اس کا کردار اسے عظیم بناتا ہے۔'' یہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے اقوال زرّیں میں سے ہے۔ سچ یہ ہے کہ انسان کے بننے اور بگڑنے کا وقت بچپن ہی ہوتا ہے۔ بچے ہمیشہ اپنے بڑوں سے اثر لیتے ہیں۔ جیسے گھروں کے بڑے کرتے ہیں ویسے ہی یہ بچے بھی غیر محسوس طریقے سے کرنے لگتے ہیں۔ اگر آپ اپنے گھروں میں اسلامی تہذیب وثقافت، دینی تعلیم اور ماحول کو رواج دیں گے تو یقینی طور پر اس کا اثر بچوں پر بھی پڑے گا۔ ہم نے کئی گھروں میں اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

ہمارے ایک دوست کے گھر کا ماحول مکمل مغربی طرز کا تھا۔ انہوں نے اپنے گھر سے دین اور دینی شعائر کو نکال باہر کیا تھا۔ پورے گھر میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے والا کوئی نہ تھا۔ گھر کی ظاہر اور اندرونی حالت دیکھنے سے لگتا تھا یہ کسی لادین شخص کا گھر ہے۔ ان کے بچوں اور فیملی کا طرزِ زندگی آزادانہ اور عیاشانہ تھا۔ پورے گھر میں سے کوئی بھی شخص اور فرد، عید اور جمعے کی نماز بھی نہیں پڑھتا تھا۔ کسی مذہبی آدمی کا گھر میں داخلہ بالکل ممنوع تھا۔

ایک دن ان کے خاندان کی کوئی عورت ان کے گھر آئی۔ اس نے ان کی اہلیہ سے کہا کہ ہمارے یہاں ایک دینی پروگرام ہو رہا ہے۔ اس میں شرکت کے لیے آپ کو لینے آئی ہوں۔ پہلے تو انہوں نے سختی سے منع کیا۔ ان کے اصرار پر انہوں نے آمادگی ظاہر کر دی،

Marfat.com

لیکن اس شرط پر کہ صرف دس منٹ کے لیے آؤں گی۔ وہ آئی، بیٹھی۔

اِدھر تبلیغی جماعت کے حضرت مولانا طارق جمیل کا آخرت اور موت کے موضوع پر بیان چل رہا تھا۔ ابھی پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ اس کی کیفیت بدلنا شروع ہوگئی۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنے گلے میں لٹکے دوپٹے کو سر کی جانب سرکانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں سر پر دوپٹا اوڑھ لیا اور دوزانو بیٹھ کر پوری توجہ سے بیان سننے لگی۔ جو دس منٹ کے لیے آئی تھی، وہ ایک گھنٹہ 25 منٹ بیٹھی رہی۔

جب وہ یہاں سے اُٹھی تو وہ بالکل بدل چکی تھی۔ وہ گھر آئی تو کہرام مچ گیا۔ سب اس کے مخالف ہوگئے، لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ یہ گھر کے کسی فرد کو کچھ نہ کہتی۔ بس اپنا کام کرتی۔ اس نے شام کے وقت قریب میں ایک خواتین کے مدرسے میں قرآن پاک پڑھنے کے لیے جانا شروع کر دیا۔ رات کے آخری پہر جب سب گھر والے خرمستیاں کر کے اور شراب میں دھت ہو کر سو رہے ہوتے تو یہ اُٹھتی، وضو کرتی، مصلیٰ بچھاتی اور تہجد پڑھنا شروع کر دیتی۔ پھر قرآن کھول کر تلاوت کرتی اور آخر میں ہاتھ اُٹھا اور جھولی پھیلا کر اللہ کی بارگاہ میں اپنے گھر والوں کی ہدایت کے لیے دُعائیں مانگتی۔

دن چڑھے جب گھر والے بیدار ہوتے تو ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتی۔ اس نے غیر محسوس طریقے سے رہن سہن، کھانے پکانے اور کھلانے کے انداز میں اسلامی طریقے کو رواج دینا شروع کر دیا تھا۔ بتدریج گھر میں پاکیزہ اور حلال چیزوں کی آمد زیادہ ہوگئی۔ حرام، ناجائز اور مشکوک اشیا کی آمد و رفت کم ہونے لگی۔ پھر اس نے ایک ایسا کام کیا جس کے گھر کے ماحول پر جلد اثرات پڑنا شروع ہوگئے۔

اس نے گھر میں دینی اور اسلامی کتابوں کی تعلیم شروع کر دی۔ ابتدا میں یہ خود تعلیم کرواتی اور سننے والوں میں صرف اس کا چھوٹا بیٹا، جس کی عمر بمشکل چار سال تھی۔ وہ بیٹھا بلکہ یہ اسے گود میں لے کر خود اکیلی ہی تعلیم کرتی۔ کچھ عرصے بعد اس کی ساس بھی بیٹھنے لگی۔

Marfat.com

اب تعلیم میں گویا تین افراد شامل ہونے لگے تھے۔ وہ خود، اس کا 4 سالہ بچہ اور 65 سالہ ساس۔ ایک سال میں گھر کا ماحول کافی بدل چکا تھا۔ اس کی مخالفت کافی حد تک بند ہوگئی تھی۔ جب اس کی مخالفت بند ہوگئی تو اس نے مزید اقدام کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے 5 سالہ بچے کو قرآن کا حافظ بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے بچے کو مغربی طرزِ معاشرت پر مشتمل اسکول سے اُٹھایا اور مدرسے میں داخل کروا دیا۔

اس اقدام سے گھر میں ایک مرتبہ پھر اس کے اس فیصلے کی بھرپور مخالفت ہوئی۔ پورا خاندان جمع ہوا۔ انہوں نے لعن طعن شروع کر دی کہ کیوں ہمارے خاندان کو رُسوا کرنے پر تلی ہوئی ہو؟ کسی بھی صورت یہ بچہ مدرسے نہیں جائے گا۔ وقتی طور پر اس نے اپنے خاندان کے سامنے ''ہتھیار'' ڈال دیے۔

دو دن بعد رات کو اس نے اپنے شوہر کے پاؤں پکڑ کر کہا کہ میں آپ سے ایک کام کی بھیک مانگتی ہوں۔ اس کا شوہر اتفاق سے اچھے موڈ میں تھا۔ اس نے حامی بھرلی۔ اس نے کہا کہ میں اس بچے کو حافظِ قرآن بنانا چاہتی ہوں۔ آپ منع نہ کریں۔ جب شوہر کی طرف سے اجازت مل گئی تو مسئلہ آسان ہوگیا۔ آج وہ بچہ نہ صرف حافظ بلکہ عالم اور مفتی بھی بن چکا ہے۔ اس کا شوہر، سسر، ساس، دیور، جیٹھ، یوں کہیں کہ پورا خاندان دیندار ہے۔ دین کا کوئی بھی تقاضا ہو، یہ خاندان سب سے پہلے ہوتا ہے۔

ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ اس انقلاب میں سب سے اہم کردار کس کام کا رہا؟ تو انہوں نے بتایا، گھر میں دینی تعلیم کرنے سے۔ گھر کا ماحول بدلنے کا یہ تیر بہدف نسخہ ہے۔ آج آپ اپنے گھر میں تعلیم شروع کر دیں۔ چند ہی دنوں میں اثرات ظاہر ہونے لگیں گے۔ آپ آج ہی سے اپنے گھر میں ''مولانا اشرف علی تھانویؒ'' کی کتاب ''حیاۃ المسلمین''، ''بہشتی زیور''، ''فضائلِ اعمال''، ''قصص الانبیاء''، ''حکایاتِ صحابہ''، ''تعلیم الاسلام''...... وغیرہ کی تعلیم شروع کریں۔

Marfat.com

جب آپ اپنے گھروں میں اسلامی تعلیمات، عبادات اور محافل و مجالس کا اہتمام کریں تو اس میں بچوں کی شرکت کو یقینی بنائیں تاکہ وہ بچپن ہی سے اس نور سے روشناس ہو جائیں جو ان کے مستقبل میں بہترین مشعلِ راہ ہے۔

''صحت مند جسم میں صحت مند دماغ ہوتا ہے'' اور ''تندرستی ہزار نعمت ہے'' جیسے بیسیوں محاورے ہیں جو ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ اپنی اور خاص کر بچوں کی جسمانی صحت کا خیال رکھا جائے۔ صحت اور تندرستی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز نہیں۔ اس کے بغیر دنیا کی ہر چیز بے مقصد اور ہر نعمت پھیکی ہوتی ہے۔

اگر اس دنیا کی ہر نعمت آپ کو حاصل ہو۔ بے شمار اعزازات آپ کے نام اور لاتعداد کارنامے آپ کی جھولی میں ہوں، لیکن صحت اور تندرستی نہ ہو تو یہ سب فضول اور بے کار ہیں۔ اس کا آپ کو کوئی خاص فائدہ نہیں۔

بے شمار والدین ایسے ہوتے ہیں جو اپنے ننھے منّے بچوں کی تعلیم پر تو بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں، لیکن وہ اپنے معصوم بچوں کی جسمانی اور فزیکل تربیت پر بالکل توجہ نہیں دیتے۔ آپ نے کئی بلکہ اکثر بچوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ بیمار رہتے ہیں۔ جسمانی لحاظ سے انتہائی کمزور ہوتے ہیں۔

اس کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ والدین اور بچوں کے سرپرست سارا وقت پڑھائی پر فوکس کیے رکھتے ہیں یا پھر وہ بچوں کو ایسے فضول کھیلوں اور بے ہودہ گیموں میں مشغول رکھتے ہیں کہ بچوں کی جسمانی ورزش نہیں ہو پاتی۔ دیندار گھرانوں نے تو اپنے بچوں کو ہر قسم کے کھیلوں سے کوسوں دور رکھا ہوتا ہے۔ شاید وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کھیل کود اور سیر و تفریح دین میں ممنوع ہے۔

یہ بات یاد رکھیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ دین کا کوئی مبلغ، کوئی داعی اور کوئی خادم بلاتفریق ہر تفریح، ہر دل لگی اور ہر خوش مزاجی کو ممنوع قرار نہیں دے سکتا۔ یہ علما تو اس نبی کے وارث

Marfat.com

ہیں جس کی شگفتگی اور خوش طبعی کے واقعات جماعت انبیاء میں سب سے نمایاں ہیں۔ایک طرف آپ کا قلب مبارک عرفان الٰہی میں ڈوبا رہتا تھا۔

انسانیت کا درد آپ کو بے چین رکھتا تھا۔شب کی تنہائی میں جب آپ پر گریہ طاری ہوتا تو سینے سے یوں آواز نکلتی جیسے ہنڈیا اُبل رہی ہو۔دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال سے، معصوم بچوں سے اور صحابہ کرامؓ سے ہنسی مذاق بھی فرمایا کرتے تھے۔چہرہ مبارک ہر وقت بشاش رہتا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص سے مسکراتے چہرے سے ملتے تھے۔آپ کی زندگی کے اس پہلو کے بارے میں بیسیوں واقعات ذکر کیے جاسکتے ہیں۔ہم صرف یہ نکتہ سمجھانے کی کوشش کررہے ہیں کہ اسلام تنگ دلی، مایوسی اور رہبانیت کا مذہب نہیں ہے۔اس میں انسان کے طبعی تقاضوں کی تکمیل کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

اسلام میں انسانی جذبات کے اظہار کے مواقع بھی ہیں اور خوشی کے تہوار بھی۔مزاح کی نمکینی بھی ہے اور کھیل کود، تفریح کی اجازت بھی، لیکن جو کچھ بھی ہے اس کی کچھ حدود اور اصول ہیں۔اسلام مسلمان کو بے لگام نہیں چھوڑتا کہ وہ تفریح طبع کے نام پر جس وادی میں چاہے، منہ مارے اور شہوانی پیاس بجھانے کے لیے جس چشمے سے چاہے، سیراب ہوتا رہے۔پھر یہ چیز بھی کہ اسلام کھیل کود اور مزاح وظرافت کو محض وسائل کا درجہ دیتا ہے، زندگی کا مقصد بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔

ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو جس طرح کرکے دکھایا، وہ چیز اس سے بہتر انداز میں ہو ہی نہیں سکتی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیل کے حوالے سے صحابہؓ کی جو تربیت کی، انہیں وقتاً فوقتاً جو ہدایات دیں، اسے علمائے اسلام نے محفوظ کرلیا ہے۔یہ کارآمد ذخیرہ ایسا ہے جس کی قدر ہم نہیں کررہے اور دنیا کے وہ ممالک جو سپر پاور سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے ان چیزوں کو ایسا اختیار کیا ہے کہ ان کا سکہ کھیل کے

Marfat.com

میدانوں میں بھی چلتا ہے۔

ہم مسلمان ان کھیلوں میں لگے ہوئے ہیں، جس میں وقت اور پیسے کا ضیاع زیادہ اور کوئی جسمانی و دماغی فائدہ کم ہے۔ مغربی ممالک نے ایسے کھیلوں پر توجہ دے رکھی ہے جو مدینہ کے میدانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں صحابہ کرامؓ کو کھلائے، ان کے باہمی مقابلے کروائے، حوصلہ افزائی کی اور کھیل ہی کھیل میں انہیں نگاہِ بلند اور جان پرسوز سے نواز کر میرِ کارواں بنا دیا۔

سیرتِ نبویہ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور نوجوانوں کو پانچ کھیلوں کی ترغیب بھی دی ہے اور اپنی نگرانی میں مقابلے بھی کروائے ہیں۔ خشکی میں دوڑنا اور پانی میں تیرنا دو ایسے کھیل ہیں کہ انسان کے سانس کی ورزش ہوتی اور اس کے دماغ و جسم میں توانائی کا ذخیرہ جمع ہوتا رہتا ہے۔ دوڑنے کی مختلف اقسام ہیں۔ لمبی دوڑ، چھوٹی، تیز ترین دوڑ، رکاوٹوں والی دوڑ وغیرہ۔ اسی طرح تیرنے کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ پانی کی سطح کے اوپر، زیرِ آب، سیدھی اور الٹی شامل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود دوڑتے بھی رہے اور تیراکی بھی کرتے رہے ہیں۔

دوسرا اور تیسرا کھیل نشانہ بازی اور گھڑ سواری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث شریف کے مطابق اُمت کو نصیحت کی گئی ہے کہ نشانہ بازی تمہارا آبائی کھیل ہے۔ اس ورثے کی حفاظت کرنا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''اے بنی اسمٰعیل (اے امت محمدیہ!) نشانہ لگاؤ۔ بے شک تمہارے جد امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بڑے نشانہ باز تھے۔'' امام شافعیؒ کے متعلق آتا ہے کہ زمزم پیتے وقت دعا کی تھی میرا نشانہ خطا نہ ہو۔ امام بخاریؒ جیسی علمی شخصیت کے متعلق بھی آتا ہے کہ زبردست نشانہ باز تھے۔

بچوں کے لیے پانچواں کھیل کُشتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عرب کے نامی گرامی

خاندانی نظام ایسے بچائیں

Marfat.com

پہلوان ''رکانہ'' سے کُشتی کرنا اور جیتا ہوا انعام واپس کرنا، نیز نوجوان صحابہؓ کا آپس میں مقابلہ کروانا مشہور اور زبان زد عام ہے۔ جس طرح تیر اندازی کے ضمن میں بندوق سے نشانہ بازی، توپ سے گولہ باری اور جہاز سے میزائل اندازی آجاتی ہے۔ اسی طرح کُشتی کے ضمن میں وہ تمام کھیل آسکتے ہیں جو جسمانی طاقت اور دماغی ذہانت کے امتزاج پر مشتمل ہوں، بشرطیکہ ستر کو بے ستر نہ کیا جائے۔

جوڈو کراٹے، لاٹھی گتکا، مارشل آرٹس کی دیگر اقسام۔ اولمپک کے 26 اور پیرا اولمپک کے 12 مقابلوں میں سے 23 ایسے ہیں، جن میں گیند کا استعمال نہیں ہوتا۔ بس دماغ اور جسم کی بھرپور ورزش ہوتی ہے۔ صرف سائیکل کے مقابلوں کی چار اقسام ہیں، جن میں بعض اقوام بڑی نامور ہیں۔ اس سستے اور ورزشی کھیل میں برطانیہ کے مردوں اور عورتوں نے ریکارڈ ساز کامیابی حاصل کی۔ حد یہ ہے کہ تلوار بازی کی ایک ہلکی پھلکی قسم بھی ان مقابلوں میں شامل تھی۔

ہمارا ملک اور ہمارے نوجوان سب گیند والے طویل دورانیے کے بے معنی کھیلوں میں لگے ہیں۔ عرب ممالک کو ''ریاضہ'' کے نام پر ایک ہی کھیل ملا ہے، جس میں وہ اربوں روپے کی سرمایہ کاری کر کے بھی تاحال کوئی امتیاز حاصل نہیں کر سکے، جبکہ دوسری طرف وہ قومیں جو دنیا میں سپر پاور سمجھی یا مانی جاتی ہیں، وہ انہی ''اسلامی کھیلوں'' میں سب سے آگے آگے ہیں۔ پچھلے کھیلوں میں چین نے مجموعی طور پر سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی اور امریکا سونے کے تمغے حاصل کرنے میں سب سے آگے رہا۔

دنیا میں انہی ملکوں کو سپر پاور کا زعم ہے اور اس کے پیچھے ان کے عوام کا صحت مند جسم اور توانا دماغ ہے جو ان کھیلوں کا مرہون منت ہے جو انسان کو کھیل کھیل میں رموزِ جہانبانی سکھا جاتے ہیں۔ ہمارا دل انہی غیر مفید اور ضرر رساں مشغلوں میں اٹکا ہے جس میں ہمارے کروڑ پتی نوجوان وطن کا نام داغدار کر کے بھی نہ شرماتے ہیں اور نہ انہیں ندامت

Marfat.com

ہوتی ہے۔ اب یہ والدین پر منحصر ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کن کھیلوں کی طرف راغب کرتے ہیں۔ فٹ بال، جمناسٹک، نشانہ بازی، گھڑسواری، دوڑ اور تیراکی کے علاوہ اپنے بچوں کو کراٹے بھی سکھائے جائیں۔

کراٹوں کی بیسیوں اقسام ہیں اور بچے اس میں خوشی سے شرکت بھی کرتے ہیں۔ کراٹوں میں دو فائدے ہیں: ایک یہ کہ اچھی طرح جسمانی ورزش ہو جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ بچہ اپنا دفاع بھی بھرپور طریقے سے کر سکتا ہے۔ ہم نے کئی بچوں کو دیکھا کہ وہ دوسروں سے دب دب کر رہتے ہیں۔ ان کی عمر سے چھوٹے بچے ان کو مار رہے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ جسمانی طور پر کمزور ہوتا ہے، اس نے ورزش کر کے اپنے جسم کو توانا اور مضبوط نہیں بنایا ہوتا۔ کراٹے سیکھ کر اپنے آپ کو طاقتور نہیں بنایا ہوتا، جبکہ اس سے عمر میں قدرے چھوٹے بچے نے مختلف ورزشیں اور کراٹے کر کے اپنے جسم کو مضبوط کیا ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: «اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ»، یعنی ''طاقتور مسلمان بہتر ہے کمزور آدمی سے۔'' محدثین نے اس کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس میں دونوں قسم کی طاقت مراد ہے، یعنی ایک یہ کہ جسمانی طور پر طاقتور آدمی کمزور سے بہتر ہوتا ہے۔ یعنی اگر آدمی جسمانی اور صحت کے اعتبار سے مضبوط ہو تو پھر وہ دین کے کام زیادہ اور اچھے طریقے سے کر سکتا ہے۔ دوسری مالی طاقت مراد ہے۔

مطلب یہ اگر انسان حلال طریقے سے اپنی آمدنی بڑھاتا رہے۔ محنت کرے، کاروبار کرے، مالی طاقت بھی دینی اُمور میں معاون ہوتی ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ جسمانی طور پر مضبوط اور مالی طور پر مضبوط اور مستحکم آدمی، جسمانی طور پر کمزور اور مالی اعتبار سے غریب سے کہیں زیادہ دین کی خدمت کا کام کر سکتا ہے۔ اپنی اولاد اور بچوں کو مختلف ورزشیں کروایا کریں۔ اپنے بچوں کو کراٹے سکھایا کریں۔ اس سے صحت بھی اچھی رہے گی اور سستی و کاہلی سے بھی نجات ملے گی۔

Marfat.com

ایک اہم ورزش یوگا بھی ہے۔ یوگا کے کئی ''آسن'' ایسے ہیں جن کے کرنے سے جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ تھکاوٹ، تھکن، چڑچڑاپن، سستی، درد، تناؤ...... وغیرہ دور کرنے کے لیے شاید اس سے بہتر کوئی دوسری ایکسر سائز نہ ہو۔ یوگا کرنے سے چہرہ بھی تروتازہ رہتا ہے۔ بوڑھاپا بھی قدرے دیر سے آتا ہے۔ آپ باقاعدگی سے یوگا کرنے والوں کو دیکھیں تو وہ 70 کے ہونے کے باوجود 17 کے لگتے ہیں۔ اپنے بچوں کو یوگا کی مختلف ورزشیں بھی سکھانے کی کوشش کریں۔

اس پورے کلام کا حاصل اور لبِ لباب یہ ہے کہ آپ بچوں کی تعلیم اور تربیت کے ساتھ ساتھ بچوں کو کھیل کود اور سیر و تفریح کے مواقع بھی فراہم کریں۔ یاد رکھیں! اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اس نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ انسان بہرحال انسان ہیں۔ ان کے کچھ فطری شوق، نفسیاتی خواہشات اور میلانات ہوتے ہیں۔ اس لیے اسلام نے ان پر یہ فرض نہیں کیا کہ وہ ذکر اللہ کے علاوہ کوئی بات ہی نہ کریں۔

ہر وقت غور و فکر میں مصروف ہوں اور صرف عبادت ہی کرتے رہیں، بلکہ دینِ اسلام نے فطرت انسانی کے تقاضوں، خوشی اور مسرت، کھیل کود، دل لگی و مزاح، ہر ایک کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ یہ چیزیں ان حدود کے دائرے میں ہوں جو اللہ نے مقرر کی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں کے ساتھ دل لگی اور ان کے ساتھ شفقت و نرمی کو دیکھتے ہوئے تربیتِ اسلامی کے ماہرین نے یہ تاکید کی ہے کہ بچے کو اسباق اور کام کاج سے فارغ ہونے کے بعد کھیل کود اور سیر و تفریح کی ضرورت ہوتی ہے۔

امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں لکھا ہے: ''بچے کو مدرسے سے واپس آنے کے بعد ایسے اچھے کھیل کود کی اجازت دے دینی چاہیے جس کے ذریعے پڑھائی کی تھکن اُتر جائے۔ بچے

Marfat.com

کو کھیل سے روکنا اور اس کو ہمیشہ تعلیم میں مشغول رہنے پر مجبور کرنا بچے کے دل کو مردہ، ذہانت کو متاثر اور زندگی کو بے مزہ کر دیتا ہے۔ پھر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ تعلیم سے ہی چھٹکارا پانے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔''

سرپرست کو چاہیے کہ بچوں کے کھیل میں دو اہم امور کا خیال رکھے: بچہ کھیل کود میں اتنا مشغول نہ ہو کہ چُور چُور ہو جائے، اس لیے کہ اس سے ذہن کو نقصان پہنچتا ہے اور جسم کمزور ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''نہ نقصان پہنچاؤ، نہ نقصان اُٹھاؤ۔'' یہ کھیل کود ایسے اوقات میں نہ ہوں جو پڑھائی یا ضروری کاموں کے لیے مخصوص ہوں۔ اس لیے کہ اس سے وقت ضائع ہوتا ہے اور بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَلَا تَعْجَزْ.» ''ایسے کاموں میں لگو جو تمھیں فائدہ پہنچائیں اور اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجز و بے بس نہ بنو۔'' اگر یہ کام کر لیے تو ان شاء اللہ آپ کا بچہ صحت مند جسم کے ساتھ صحت مند دماغ کا بھی مالک ہوگا۔ بچوں بلکہ اپنی صحت پر بھی کمپرومائز نہ کریں۔ ورنہ اس کا جو نقصان ہوگا اس کا آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس پر میرا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ آیئے سنیے!

''اکھڑتی سانسیں...... ڈوبتی نبضیں......'' جیسے بیسیوں محاورے تو ہم بچپن سے ہی سنتے چلے آرہے تھے، لیکن عملی تجربہ گزشتہ سالوں ہوا۔ خدا اس تجربے سے کسی کو نہ گزارے۔ رب کی پناہ اس اذیت ناک حالت اور خوفناک تکلیف سے۔ ہمیں موت وحیات کے مالک اور خالق نے بچایا، بلکہ ایک بار پھر مہلت دے دی۔ اس قصے میں بہت ساری غفلتیں اور کوتاہیاں بھی شامل ہیں اور آیندہ بچنے کی تدابیر بھی۔ پورا واقعہ کچھ یوں ہے۔

ہمیں کئی دنوں سے ہلکا ہلکا سا بخار ہو رہا تھا۔ ہم اپنی لگن میں مگن تھے۔ دماغ پر کام اور بس کام کا بھوت سوار تھا۔ صحت کی طرف ہم نے ذرا بھی توجہ نہ دی۔ جب بخار کے ساتھ

Marfat.com

جسم میں بھی درد رہنے لگا تو ایک دن دفتر آتے ہوئے قریب میں واقع ایک کلینک چلے گئے۔ وہاں پر ڈاکٹر تو نہ تھے، البتہ ایک ڈسپنسر موجود تھا۔ ہم نے اپنی مختصر سی کیفیت بتائی تو اس نے جھٹ سے کہا: ''آپ کو ٹائیفائیڈ ہوگیا ہے۔ اپنے تجربے اور ایک سو ایک فیصد یقین سے کہہ رہا ہوں۔'' ہمیں مطمئن کرنے کے لیے مزید بتایا ٹائیفائیڈ کے تین مرحلے ہوتے ہیں۔ آپ کا بخار ابھی پہلے ہی مرحلے میں ہے۔

ابتدائی تین انجکشن سے ہی کام ہوجائے گا۔ ہم نے کہا کہ اب تک زندگی میں کبھی ٹائیفائیڈ نہیں ہوا ہے اور ہمارا ہاضمہ بھی ٹھیک ہی چل رہا ہے۔ آج ہی ایک سو سے اوپر بخار ہوا ہے۔ اس نے مجھے اس طرح اپنی باتوں میں اُلجھایا کہ میں ٹائیفائیڈ کا انجکشن نہ صرف لگوانے پر راضی ہوگیا، بلکہ اسی وقت خرید کر بھی خود ہی لے آیا اور بلاتاخیر اسی وقت لگوالیا تاکہ جلد از جلد بخار سے چھٹکارا مل سکے۔

101 بخار میں ٹائیفائیڈ کے انجکشن کا لگنا تھا کہ ہماری حالت بگڑ گئی۔ ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ پورا جسم سردی سے کپکپانے لگا۔ سینہ جکڑنے لگا۔ بخار 104 سے بھی اوپر چلا گیا۔ اُلٹیاں، قے اور نہ جانے کیا کیا ہونے لگا۔ اس نے ہماری یہ حالت دیکھ کر فوراً ایک دوسرا انجکشن لگا مارا۔ شاید وہ اس انجکشن کا توڑ تھا۔

پہلا انجکشن ری ایکشن کر چکا تھا اور یہ دوسرا انجکشن اس کا تریاق تھا۔ آدھے گھنٹے کے بعد ہمیں ہوش آیا، لیکن بخار 104 سے کم نہیں ہو پا رہا تھا۔ ٹینشن بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ صدقات دینے، بکرے کی منت ماننے اور بڑی دُعاؤں کے بعد کہیں جا کر بخار ٹوٹا۔ جان بچی سو لاکھوں پائے۔

جان تو بچ گئی، لیکن کئی دُکھ لگ گئے۔ مسلسل اُلٹیاں، جسم میں سوئیاں چبھنا، لمحے بھر کو بھی نیند نہ آنا، سر چکرانا شروع ہوگیا۔ جیسے تیسے رات گزاری۔ یہ رات ہمیں ہزار راتوں کے برابر معلوم ہوئی۔ ایک ایک لمحہ گھنٹوں کے حساب سے گزر رہا تھا۔ اگلے دن ہم قریب میں

Marfat.com

واقع ایک ڈاکٹر کے پاس گئے۔ ساری صورتِ حال بتائی۔ انہوں نے خاص توجہ دیے اور ٹیسٹ کروائے بغیر ہی چند لال پیلی گولیاں اور ایک دو موٹے سے کیپسول لکھ دیے اور تیسرے دن آ کر چیک کروانے کی ہدایت کی۔ ہم وہ دوائی خرید کر مطمئن گھر آئے۔ تکلیف کی حالت میں نماز پڑھی۔

مختصر سی خوراک لے کر دوائی کھانا شروع کر دی۔ وقفے وقفے سے یکے بعد دیگرے سب کھا کر بستر پر دراز ہو گئے، لیکن نیند اور سکون تو شاید اس رات ہماری زندگی سے نکل ہی چکا تھا۔ پہلے بے چینی میں ہاتھ پاؤں مارتا رہا تھا۔ پھر بیٹھ کر کراہنے لگا۔ جب کراہتے کراہتے تھک گیا۔ دل بھر آیا تو رونے لگا۔ شاید میں اپنے آپ کو موت وحیات کی کشمکش میں سمجھ رہا تھا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ مایوسی گناہ ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے، ہاتھ پاؤں مارو۔ تعلقات اور یار دوست کس دن کام آئیں گے؟ کیا دوست واحباب صرف خوشی کے مواقع کے لیے ہوتے ہیں؟ چنانچہ اکھڑتی سانسوں کے ساتھ میں نے اپنے ایک مہربان دوست کو فون کر کے جلدی جلدی کسی اچھے ہسپتال لے جانے اور ایڈمٹ کرنے کو کہا۔ وہ معاملہ فہم تھا۔ شاید ایسی ہی کسی کیفیت اور صورتِ حال سے گزر چکا تھا۔

انہوں نے فوراً ایک بڑے اہم اور اچھے ہسپتال میں بات کی۔ پانچ منٹ بعد گاڑی میرے گیٹ پر کھڑی تھی۔ چھوٹے بھائی اور ایک دوست کے سہارے مجھے گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ سانس جو پہلے ہی کھچ کھچ کر آ رہے تھے، اب دم بھی گھٹنے لگا۔ ہسپتال پہنچنے تک نیم بے ہوش ہو چکا تھا۔ سینے میں شدید تکلیف تھی۔ سانس نہیں لیا جا رہا تھا۔ مجھے ایمرجنسی وارڈ میں ڈاکٹروں نے مصنوعی آکسیجن دیا تو سانس بحال ہونے لگا۔ ڈرپس لگنا شروع ہو گئیں۔

مختلف ٹیسٹ کیے گئے تو معلوم ہوا وائٹ سیل انتہائی حد تک گر گئے ہیں، کم ہو گئے ہیں۔ فوری طور پر وائٹ سیل کی تھیلیاں اور بوتلیں چڑھائی گئیں۔ دوست احباب، استاذوں

Marfat.com

شاگردوں، عزیز واقارب، والدین اور لاکھوں قارئین کی دُعائیں رنگ لائیں۔ دوسرے دن دوپہر تک طبیعت بحال ہوگئی۔ اس پورے قصے میں چند باتیں قابل غور اور سبق آموز ہیں جو مختصراً ذکر کرتا ہوں۔

پہلی یہ کہ اپنے بچوں کی صحت اور تندرستی پر بالکل کمپرومائز نہ کریں۔ ان کی صحت کا خود ہی مکمل خیال رکھیں۔ خوشی کے مواقع پر تو آپ کے ساتھ ہزاروں ہنسنے والے ملیں گے، لیکن بیماری اور غم کے وقت آپ کو اکثر و بیشتر تنہا ہی رونا پڑے گا۔ تم ہنسو تو ہنسے زمانہ، تم روتو روؤ اکیلے۔ صرف ماں باپ اور فیملی ساتھ دیتی ہے، بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا میں ماں کی محبت کے علاوہ ہر چیز اور ہر رشتے میں کسی نہ کسی حد تک ملاوٹ ہوتی ہے۔

زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر آپ کو یقیناً احساس ہوا ہوگا یا ہو جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیمار ہونے کی صورت میں فوراً کسی اچھے معالج کو دکھائیں۔ کبھی بھی کسی اَتائی ڈاکٹر اور حکیم کے ہتھے نہ چڑھیں۔ اسی طرح علاقے کے کسی معروف اور اچھے میڈیکل اسٹور سے دوائی خریدیں۔

آج کل شہر کے مضافات، گاؤں، دیہاتوں اور غریب آبادیوں میں قائم میڈیکل اسٹوروں پر دو نمبر، بلکہ تین نمبر تک جعلی ادویہ فروخت ہو رہی ہیں۔ انسانی زندگیوں سے کھیلنے والے یہ انسان نما درندے ہیں، جو ملک بھر میں کھلے عام ملاوٹ والی اور جعلی اشیا فروخت کر رہے ہیں۔ ''نمبر دو'' کی ٹرم ملک بھر میں اتنی عام ہو چکی ہے کہ ہر جگہ ڈنکے کی چوٹ پر بولی اور سنی جاتی ہے۔ اس ملک میں اصلی اور جعلی ادویہ کا فرق مٹ چکا ہے۔

جعلی دواؤں اور غلط انجکشن کی وجہ سے اموات ہو رہی ہیں۔ کہنے کو تو اس کے سدباب کے لیے قوانین بھی موجود ہیں۔ انتظامی مشینریاں بھی ہیں، لیکن کرپشن، بدعنوانی اور رشوت کے عام ہونے سے سب بدنام اور ناکارہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ اخبارات میں ایسے اداروں کے اشتہارات کی بھرمار ہوتی ہے جو حکومت سے منظور شدہ نہیں ہوتے۔ ہر کوئی اپنی جہنم نما

Marfat.com

تجوریاں بھرنے میں لگا ہوا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مشکل بلکہ مشکل ترین وقت اور حالات میں بھی ہمت نہ ہاریں۔ مایوس نہ ہوں، بلکہ اپنی زندگی بچانے کے لیے تمام تعلقات، وسائل اور توانائیاں جھونک دیں۔ بسا اوقات زندگی اور موت کے درمیان چند فرلانگ کا فاصلہ ہوتا ہے۔کوئی تدبیر، کوئی دوست، کوئی تعلق، کوئی انسان فرشتہ بن کر آپ کی زندگی بچانے کا سبب بن جاتا ہے۔ جب ہم موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ ہماری سانسیں ڈوب اور نبضیں اُکھڑ رہی تھیں کہ ایک مہربان دوست کے مشوروں اور دوسرے کے تعاون سے ہماری زندگی بحال ہوگئی۔ اگر تاخیر ہو جاتی یا مایوس ہو کر پڑا رہتا تو نجانے کیا ہوتا؟

زندگی بڑی خوبصورت ہے۔ اسے اچھے اور منظّم طریقے سے گزاریں۔ لطف اُٹھائیں۔ خوش رہیں اور دوسروں کو خوش رکھیں۔ اُمید بنیں اور اُمیدیں دلائیں۔ نیکیاں کریں اور نیکیاں بانٹیں۔ جئیں اور جینے دیں۔ تکلیفوں اور مصیبتوں سے بچیں اور دوسرے کو بچائیں۔ اللہ کی پناہ مانگیں بیماریوں سے، اور صحت اور تندرستی کی دُعا کریں۔ ساتھ ہی ساتھ اسباب بھی اختیار کریں۔ گلی سڑی اور باسی چیزوں سے مکمل پرہیز کریں۔ ملاوٹ شدہ اشیا اور جعلی ادویہ کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ حکمرانوں اور انتظامی مشینریوں کی توجہ مختلف طریقے سے اس اہم انسانی المیے کی طرف مبذول کروائیں۔

زندہ رہنا ہے تو بچنے اور بچانے کی خاطر اپنی تمام توانائیاں اور کوششیں بروئے کار لانی ہوں گی، ورنہ خوبصورت لبادوں اور انسانی روپوں میں وحشی اور درندے آپ کو، آپ کے بچوں کو کھانے، مارنے اور قبر تک پہنچانے کے لیے مستعد کھڑے ہیں۔ خدارا! اپنی اور اپنے معصوم بچوں کی صحت کا مکمل خیال رکھیں۔ اللہ نے انسان کو جسم بطورِ امانت دیا ہے۔ اس کا خیال نہ رکھنا یا کسی اناڑی کے سپرد کرنا اس جسم کی توہین اور اس امانت میں خیانت ہے۔ آپ اس خیانت کے مرتکب ہرگز نہ ہوں۔

Marfat.com

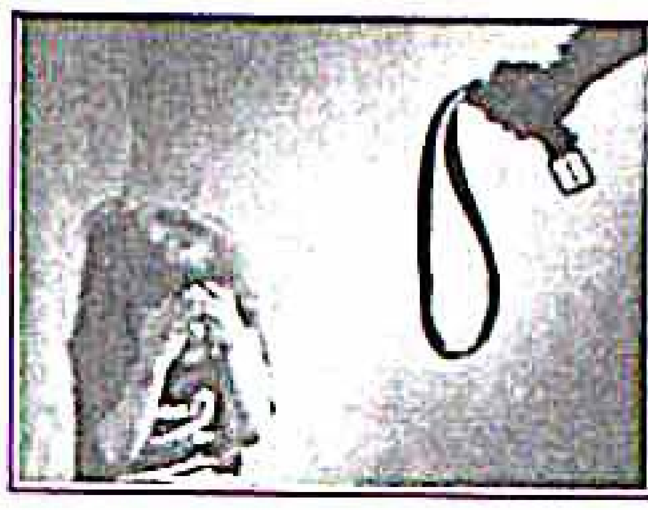

1/7

بچے اور مار پیٹ/بچوں پر تشدد نہ کریں

گھر کا تمام تر بناؤ اور بگاڑ عورتوں ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یہ صرف انہی کا کام ہے کہ وہ اس چار دیواری کو ایک پرسکون اور بارونق جگہ بنا دیں۔ وہ عورت نہایت قابل قدر اور خوش نصیب ہے جو اپنے گھر کو اس قابل بناتی ہے جس میں تمام ضروریات زندگی مہیا ہوں۔ جہاں آ کر ہر قسم کے تفکرات اور پریشانیوں سے امن مل سکے۔

عورت ہی دراصل گھر کے تمام امور اور انتظامات کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اسے خانہ داری کے امور اور معاملات میں اتنا ماہر ہونا چاہیے کہ چھوٹے سے چھوٹا کام بھی اس کے علم اور واقفیت سے باہر نہ ہو۔ وہ عورتیں جو گھریلو معاملات شوہر پر ڈال دیتی ہیں یا ملازموں کے سپرد کر دیتی ہیں ان عورتوں سے کسی خیر و برکت کی توقع رکھنا فضول ہے، کیونکہ شوہر زیادہ عرصہ تک ان کاموں کو انجام نہیں دے سکتا۔

ہوسکتا ہے کہ وہ ایک مدت اور ایک عرصہ کے لیے عورت کی ذمہ داریوں کو جوش محبت یا کسی اور سبب سے خود پورا کرتا رہے، مگر یہ بات مسلّم ہے وہ اس صورتِ حال کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔ ایک وقت آئے گا کہ وہ ان کاموں سے بھی الگ ہو جائے گا اور بیوی کی طرف سے بددلی پیدا ہونے لگے گی۔

ادھر بیوی کو سہولت، آرام اور بے فکری کی عادت بن چکی ہوگی۔ اس لیے وہ بھی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے دل چرائے گی۔ اب ظاہر ہے کہ اس کا لازمی نتیجہ باہمی اختلاف اور رنجش تو ہوگا ہی، مگر گھر کا نظم و نسق سب کا سب درہم برہم ہو جائے گا اور زندگی

Marfat.com

خوشگوار اور پرلطف ہونے کے بجائے تکلیف دہ بن جائے گی۔

ایک عورت کے لیے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ وہ امور خانہ داری اور گھر کے نظم ونسق سے بخوبی واقف ہو، کیونکہ جو عورت اصول خانہ داری سے واقفیت اور گھر چلانے کی قابلیت نہیں رکھتی، وہ قدرت کی ان بے بہا نعمتوں سے لطف اندوز نہیں ہوسکتی جو قدرت نے اس کی ذات اور اس کے گھرانے کے لیے پیدا کی ہیں اور نہ ہی وہ زندگی کا صحیح مقصد حاصل کرسکتی ہے اور نہ اسے صحیح معنوں میں سکھ اور چین حاصل ہوسکتا ہے۔

ایسی لڑکیاں جو عنقریب ازدواجی زندگی شروع کرنے والی ہیں اور جنہیں عنقریب ماں باپ کی شفقت ومحبت سے نکل کر ایک بالکل نئی دنیا میں منتقل ہونا ہے، یا وہ لڑکیاں جو اس ازدواجی زندگی میں قدم رکھ چکی ہیں ان کے لیے گھریلو معاملات اور اصول خانہ داری سے ناواقفیت ایک مصیبت بن جاتی ہے۔ نہ وہ خود ہی خوش وخرم رہ پاتی ہیں اور نہ ہی ان کے شوہر کو حقیقی مسرت نصیب ہوتی ہے۔

عورت درحقیقت گھر کی ملکہ اور مالکہ ہے۔ گھر اس کی چھوٹی سی سلطنت ہے۔ وہ اس کی حکمران ہے۔ اسے اختیار ہے چاہے اسے اپنی سوجھ بوجھ، ہوشیاری، عقل مندی، جذبہ وہمدردی کے ساتھ پررونق بنادے یا اپنی بے وقوفی، جہالت، لاپرواہی، بے حسی اور پھوہڑپنے سے اجاڑ ڈالے۔

گھر کی نگرانی اور اس کے معاملات کی نگہداشت ہر عورت کے لیے باعثِ عزت ہے، خواہ وہ امیر ہو یا غریب، عورت جس قدر ہوشیار ہوگی۔ اسی قدر اس میں گھر کے فرائض انجام دینے کی قابلیت ہوگی۔ وہ اپنی اس ہنرمندی اور صلاحیت کی بدولت ایک کامیاب اور مسرت بخش زندگی سے ہمکنار ہوسکتی ہے۔

☆

بے شک ہر بچے کا پہلا مدرسہ اور مکتب اس کی ماں اور اس کا اپنا گھر ہی ہوتا ہے۔ بچہ

Marfat.com

لاشعوری اور شعوری طور پر ابتدائی پانچ سالوں میں بہت کچھ سیکھ جاتا ہے۔ آداب، اخلاق، اطوار، کردار، اقدار...... یہ تمام چیزیں نقشِ اوّل کی طرح اس کے دل و دماغ پر ثبت ہو جاتا ہے۔ بچوں کے یہ ابتدائی سال عمارت میں خشت اوّل کی طرح ہوتے ہیں۔ بچپن کی تعلیم و تربیت ہی دراصل زندگی بھر کا اثاثہ ہوتی ہے۔ اسی حوالے سے ایک اچھی بات ایک دانشور نے کہی تھی۔ انہوں نے کہا تھا:

''اگر آپ ایک قیمتی گھر خریدنا چاہتے ہیں تو خرید سکتے ہیں۔ آپ مہنگی سے مہنگی گاڑی خرید سکتے ہیں۔ آپ اعلیٰ یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کر سکتے ہیں، مگر یاد رکھیے! آپ اعلیٰ کردار و اطوار، آداب، اخلاقیات نہیں خرید سکتے۔ مطلب تھا کہ یہ اعلیٰ خصوصیات انسان کو ورثہ میں ملتی ہیں۔ یہ خاندانی ورثہ ہوتا ہے جو انسان بچپن سے ہی گھر میں حاصل کرتا ہے۔

اسی طرح انگلستان کے ''پروفیسر پیٹر ٹامس'' نے کہا تھا تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ ابتدائی عمر کی تعلیم و تربیت آیندہ کی نشو ونما عقل و سمجھ بوجھ کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اگرچہ تعلیم کے ہر سال پر پوری توجہ دینی چاہیے، مگر بچپن کے پہلے پانچ سال پر بہت زیادہ توجہ دینا چاہیے، کیونکہ یہ بہت حساس وقت ہوتا ہے۔ ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق ابتدائی تعلیم مختلف طریقوں سے بچوں کی نشو ونما پر مثبت اثرات ڈالتی ہے۔

اس سے نہ صرف خوشحالی کی بنیاد پڑتی ہے، بلکہ آیندہ پیشہ ورانہ زندگی میں بھی بے حد مفید ثابت ہوتی ہے۔ بچپن کی بنیادی اور ابتدائی تعلیم بچوں کے مستقبل کے لیے انتہائی اہم ہے۔ نوبل انعام یافتہ ایک پروفیسر نے بچپن کی تعلیم و تربیت، کردار و اطوار، آداب اور اخلاقیات سبھی کو شامل کیا ہے۔ دنیا بھر کی تمام ہی اہم ترین شخصیات نے بچوں کی تعلیم و تربیت کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے، کیوں کہ اس سے ایک اچھی، تندرست اور خوشحال قوم کی بنیاد ڈالی جاتی ہے۔

Marfat.com

ایک زمانہ تھا جب یہ اہم ترین کام والدین اور گھر کے دیگر بزرگ حضرات یعنی دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، تایا وغیرہ ہی سرانجام دیتے تھے، لیکن اب ان بزرگوں کو گھروں میں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ حدیث پاک میں آتا ہے: «مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَھُمْ اَبْنَاءُ سَبْعَ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْا ھُمْ عَلَیْھَا وَھُمْ اَبْنَاءُ عَشَرٍ» یعنی جب بچوں کی عمر سات سال ہو جائے تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو۔ پھر جب دس سال کے ہو جائیں اور وہ نماز نہ پڑھیں تو پھر ان پر سختی کرو۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے تین سال تک انہیں زبانی کہتے رہو، پیار محبت سے سمجھاتے رہو۔ اپنے ساتھ مسجد وغیرہ لے جایا کرو، وقتاً فوقتاً ترغیب دیتے رہو۔ اگر اس سب کے باوجود بھی وہ نماز کی طرف نہ آئیں۔ ان کی طبیعت میں سرکشی ہو تو پھر دس سال کی عمر ہونے پر انہیں ہرگز نہ بخشو۔ دس سال کی عمر میں ان پر نماز وغیرہ کے معاملے میں سختی سے پیش آؤ۔ حدیث شریف میں تو ''ضرب'' کا لفظ آیا ہے، جس کے لغوی معنی مارنے کے ہیں، لیکن یہاں پر مطلب یہ نہیں ہے کہ انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیں، بلکہ محدثین نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس پر سختی کریں، ڈانٹ ڈپٹ کریں۔

مشاہدہ ہے کہ بچہ اپنے والدین اور اساتذہ کی سختی، ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ قبول کرتا ہے اور پھر اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ بچوں خصوصاً معصوم بچوں کو مارنا نہیں چاہیے۔ مار دھاڑ مسئلے کا حل نہیں ہے، بلکہ اکثر و بیشتر مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ مار کی وجہ سے بچہ بگڑ گیا، باغی اور سرکش ہو گیا۔

بچوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض بچے پیار و محبت کو سمجھتے ہیں۔ بعض بچے شوقین ہوتے ہیں۔ وہ حوصلہ افزائی، لالچ اور ترغیب کے ذریعے سمجھ جاتے ہیں۔ بعض بچے ایسے ہوتے ہیں جو جسمانی مار سے گھبراتے ہیں، چنانچہ وہ مار کے ڈر سے سمجھ جاتے ہیں۔ اب یہ والدین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے بچے کی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ایک ہی

Marfat.com

لاٹھی سے سب کو نہ ہانکیں۔

میں ذاتی طور پر ''حسن'' نامی بچے کو جانتا ہوں۔ غضب کا ذہین، انتہائی چست وچالاک، بلا کا حافظہ، خوبصورت، گول مٹول، گورا چٹا، ہنس مکھ وملنسار، ہر کام میں پہلے کرنے والا، نڈر، جری اور بہادر، سوشل اور تعلیمی اور بحسن وخوشی ادا کرنے والا......

غرض جو ایک اچھے بچے میں صفات ہونی چاہییں وہ اس میں بدرجہ اُتم موجود تھیں۔ وہ پڑھائی وغیرہ میں اچھا، بلکہ سب سے آگے جا رہا تھا۔ ایک شام اس نے کوئی شرارت کی تو والد نے پٹائی کر دی۔ اس کا منہ بن گیا۔ ہزار مرتبہ راضی کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ مانا۔ اس رات اس نے نہ کھانا کھایا اور نہ ہی ہوم ورک کیا۔ صبح بغیر ناشتے کے ہی جلدی جلدی اسکول چلا گیا۔

اسکول میں ٹیچر نے بچوں کا ہوم ورک چیک کرنا شروع کیا۔ جب ''حسن'' کی باری آئی تو حسن نے ہوم ورک نہیں کیا ہوا تھا۔ اتفاق سے اس دن ٹیچر کا بھی موڈ خراب تھا، پارہ چڑھا ہوا تھا، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، حسن کی پٹائی شروع کر دی۔ گھونسوں، مکوں اور تھپڑوں سے مارا۔ سخت سست بھی کہا، ڈانٹ ڈپٹ بھی کی۔ 24 گھنٹوں میں ''حسن'' دو مرتبہ مار کھا چکا تھا۔ گھر پر والد صاحب سے اور اسکول میں ماسٹر صاحب سے۔

اس کے بعد سے حسن بگڑ گیا۔ اب نہ والدین کی بات مانتا، نہ کوئی کام کرتا۔ بہن بھائیوں سے لڑتا جھگڑتا، شرارتوں پر شرارتیں کرتا، پڑوسیوں کے گھروں میں پتھر مارتا، ان کے بچوں کو دھکے دیتا، اپنے سے چھوٹے لڑکوں سے کھلونے وغیرہ چھین لینا، کبھی توڑ دینا۔ اسکول جاتا تو اپنے ساتھیوں کو تنگ کرتا، ان کی کتابیں اور کاپیاں چھین کر پھاڑ دیتا، ان کی جیب خرچی چرا کر کھا جاتا، ان کے بیگوں میں مینڈک وغیرہ ڈال کر تماشے کرتا۔ استاذوں سے بدتمیزی سے پیش آتا۔ سبق بالکل یاد نہ کرتا۔ اگر یاد بھی ہوتا تو بھی اپنے ٹیچروں کو جان بوجھ کر غلط جواب دیتا۔

خاندانی نظام اسے بچائیں

Marfat.com

ان تین مہینوں میں اس نے اپنے گھر والوں اور اپنے اسکول والوں کو اتنا تنگ کیا، ایسی نتھ ڈالی کہ خدا کی پناہ۔ ''حسن'' کی خطرناک شرارتوں سے سب پریشان ہو گئے۔ اس کی اصلاح اور اس کو راہِ راست پر لانے کے لیے والدین اور اسکول انتظامیہ سر جوڑ کر بیٹھ گئی، تا کہ مسئلے کی صحیح تشخیص ہو سکے، کوئی حل نکالا جا سکے۔ ''حسن'' کا سابقہ سارا ریکارڈ چیک کیا گیا۔ غور و فکر کے بعد معلوم ہوا کہ مار پٹائی نے ہی حسن کو باغی بنایا ہے۔

دیکھا آپ نے بچے کی نفسیات سے عدمِ واقفیت، عجلت اور جلدی میں کی گئی مار پٹائی نے کس طرح ''حسن'' کو بگاڑا؟ اسے باغی اور سرکش بننے پر مجبور کیا۔ لمحوں کی خطا سے سالوں کی مشقت برداشت کرنا پڑی۔

یہ بڑی ہی افسوس ناک بات ہے کہ معصوم بچوں کے ساتھ بدسلوکی صرف غیروں کی جانب سے نہیں ہوتی، بلکہ بچے سب سے زیادہ خود اپنے والدین کے ہاتھوں بدسلوکی کا نشانہ بنتے ہیں۔ اس کے بچوں پر ایسے دیرپا منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں جو ان کی شخصیت کو بری طرح توڑ پھوڑ سکتے ہیں۔

یہ بات ''پاکستان جرنل آف میڈیکل سائنسز'' میں شائع ہونے والی ایک نئی تحقیق میں بتائی گئی ہے۔ اس کے مطابق والدین کی جانب سے نفسیاتی تشدد کا شکار ہونے والے 49 فیصد بچوں میں مختلف قسم کے نفسیاتی مسائل پیدا ہونے کا امکان رہتا ہے۔

اس موضوع پر دنیا کے مختلف ممالک میں بھی تحقیقات کی گئی ہیں۔ جس میں کہا گیا ہے کہ بچوں کے ساتھ والدین کی زبانی بدسلوکی اور گالم گلوچ کے اثرات ان کی نفسیات پر ایسے ہی پڑ سکتے ہیں جیسے جنگ سے واپس آنے والے فوجیوں پر پوسٹ ٹرامیٹک اسٹریس ڈس آرڈر (PTSD) کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں والدین بچوں کو ڈانٹنا، گالم گلوچ سے ان کی تواضع کرنا، بلکہ مارنا پیٹنا تک اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اس کے جواز کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ بچوں پر اگر سختی نہ کی

Marfat.com

جائے تو وہ بگڑ سکتے ہیں۔ ''کھلاؤ سونے کا نوالہ، دیکھو شیر کی نگاہ'' سے جیسے اقوالِ زرّیں اسی نقطۂ نظر سے تشکیل دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بچوں پر والدین کا جسمانی یا نفسیاتی تشدد ان کی تربیت کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میں باہر کے کسی شخص کی مداخلت گوارا نہیں کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے تشدد کو نہ تو کہیں رپورٹ کیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کا کہیں ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔

''جرنل آف میڈیکل سائنسز'' میں شائع ہونے والی تحقیق میں کہا گیا ہے کہ بچوں پر ڈانٹ پھٹکار، گالم گلوچ، توہین اور بے رُخی جیسے برتاؤ سے شدید اثرات پڑتے ہیں، جن میں اضطراب، ڈپریشن، منشیات کی لت، جارحانہ و مجرمانہ رویہ اور قانون اور قواعد وضوابط کو خاطر میں نہ لانا وغیرہ شامل ہیں۔ اس سے بچوں کی تعلیمی کارکردگی پر بھی براہِ راست اثر پڑتا ہے۔ ان بچوں کی تعلیم اُدھوری چھوڑنے کی شرح بھی عام بچوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

ایسے بچے نہ صرف اپنے خاندان بلکہ معاشرے پر بھی بوجھ بن سکتے ہیں۔ تحقیق میں صرف ایسے بچوں کا مطالعہ کیا گیا جو اپنے والدین کے ساتھ رہتے تھے۔ صرف ماں یا صرف باپ کے ساتھ رہنے والے بچوں کی حالت اور بھی بری ہو سکتی ہے۔

یہ بات اور بھی تشویش ناک ہے کہ ہمارے ملک میں نفسیاتی امراض کے علاج کے لیے مناسب سہولیات موجود نہیں ہیں، جو خاص طور پر بچوں اور نوجوانوں کے لیے اور بھی کم ہیں۔ تحقیق کے دوران سرکاری اور نجی اسکول کے 13 سے 17 سالہ بچوں کو خصوصی فارم دیے گئے، جن میں ان سے کہا گیا تھا وہ اپنے والد اور اپنی والدہ کی جانب سے کی جانے والی پانچ اقسام کی بدسلوکیوں کی تفصیل بیان کریں۔

جوابات کے سائنسی مطالعے اور بچوں کے نفسیاتی تجزیے سے معلوم ہوا کہ باپ کا دہشت خیز رویہ اور ماں کی جانب سے بدکلامی بچوں میں سب سے زیادہ نفسیاتی مسائل کا باعث بنتے

Marfat.com

ہیں۔ تحقیق میں بچوں پر کی جانے والی شدید بدسلوکی میں ماں کا حصہ 15 فیصد اور باپ کا 17 فیصد پایا گیا۔

تحقیق میں والدین کی تعلیم کو بھی مدِنظر رکھا گیا تھا، معلوم ہوا کہ کم پڑھے لکھے اور زیادہ پڑھے لکھے دونوں اقسام کے والدین بچوں پر نفسیاتی تشدد کرتے ہیں، البتہ کم پڑھے لکھے اور کم آمدن والے والدین بچوں کو مارتے پیٹتے زیادہ ہیں۔ یاد رہے یہ تحقیق صرف شہری بچوں پر کی گئی ہے، لیکن دیہات اور دور دراز علاقوں میں اسی قسم کی تحقیق کی جائے تو شاید کہیں زیادہ منفی نتائج سامنے آئیں گے۔

ایک طرف تو معصوم بچوں کو جسمانی طور پر مارا پیٹا جا رہا ہے، جبکہ دوسری طرف بچوں کو جنسی طور پر ہراساں کیا جا رہا ہے۔ بچوں پر یہ جنسی حملے پوری دنیا میں ہو رہے ہیں۔ بچوں کے جنسی استحصال میں ملوث پادریوں کی وجہ سے ویٹی کن آج کل شدید تنقید کی زد میں ہے۔

ایک رپورٹ میں اقوامِ متحدہ کے ''حقوقِ اطفال'' کے ادارے نے ویٹی کن کی ان پالیسیوں پر کڑی تنقید کی ہے جن کی وجہ سے بچوں کا جنسی استحصال کیا ہے۔ اقوامِ متحدہ نے ویٹی کن سے مطالبہ کیا ہے بچوں کے جنسی استحصال میں ملوث پادریوں کو فوری طور پر برطرف کر دیا جائے۔

اقوام متحدہ نے ہم جنس پرستی، مانع حمل اور اسقاطِ حمل جیسے مسائل پر ویٹی کن کے نظریے پر بھی کڑی تنقید کی۔ ویٹی کن نے چرچ میں بچوں کے جنسی استحصال کو روکنے کے لیے ایک نگراں کمیشن تشکیل دے رکھا ہے۔

دسمبر 2013ء کی رپورٹ کے مطابق اقوام متحدہ نے ویٹی کن سے بچوں سے جنسی استحصال کے بارے میں معلومات طلب کی تھیں، لیکن ویٹی کن نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا

Marfat.com

تھا کسی دوسرے ملک کی طرف سے قانونی استعمال کے لیے مانگے جانے پر ہی معلومات دی جاتی ہیں۔اقوام متحدہ کی اس رپورٹ پر ابھی تک ویٹی کن نے کوئی ردّعمل نہیں دیا ہے۔

روم میں ''بی بی سی'' کے نامہ نگار ''ڈیوڈ ولی'' کا کہنا تھا کہ ویٹی کن نے پادریوں کے ہاتھوں بچوں کے جنسی استحصال کی روک تھام کے لیے نئے ضوابط بنائے ہیں۔امریکا میں استحصال کا شکار ہونے والے متاثرین کی نمائندہ تنظیم کی صدر ''باربرا بلین'' نے ''بی بی سی'' سے بات کرتے ہوئے کہا تھا اقوامِ متحدہ کی رپورٹ ان باتوں کی توثیق کرتی ہے جو ہم کہہ رہے تھے۔ان کا کہنا تھا چرچ کے حکام اس بارے میں جانتے تھے اور انہوں نے اسے روکنے سے انکار کیا۔

کچھ نہیں بدلا، پوپ فرانس اور ویٹی کن کے حکام کی جانب سے بیانات کے باوجود انہوں نے وہ اقدامات کرنے سے انکار کر دیا، جن سے ان واقعات کو روکا جا سکتا تھا۔اس سے پہلے بھی ویٹی کن نے تصدیق کی تھی کہ پوپ بنی ڈکٹ نے ایک سال میں بچوں سے جنسی استحصال کے معاملے پر قریباً 400 پادریوں کو مذہبی منصب سے الگ کیا۔حال ہی میں اقوامِ متحدہ میں پہلی بار پادریوں اور راہبوں کے ہاتھوں بچوں کے استحصال کے معاملے میں ویٹی کن کی سرِ عام مخالفت کی گئی۔

ایسا پہلی بار ہو رہا ہے کہ ویٹی کن کے سفارتی ادارے ''ہولی سی'' کو عوام کے سامنے بچوں سے جنسی زیادتیوں کے معاملے پر اپنا دفاع کرنا پڑا۔پوپ فرانس نے کہا تھا کہ جنسی استحصال کے معاملے سے نمٹنا کلیسا کی ساکھ کے لیے کلیدی ہے۔پوپ فرانس نے یہ اعلان بھی کیا تھا: ''ویٹی کن کی ایک کمیٹی بنائی جائے گی جو چرچ کے جنسی استحصال کے واقعات کی روک تھام کرے گی، اس کا شکار ہونے والوں کی مدد کرے گی۔''

بچے آخر بچے ہی ہوتے ہیں۔بچوں کو پھولوں کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔اور گلشن کے پھولوں کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔اور گلشن کے پھولوں کی حفاظت کرنا سب کی مشترکہ ذمہ

Marfat.com

داری ہوتی ہے۔ پھولوں کا استحصال کرنے والوں اور ان کو مسلنے والوں کو انتہائی بُرا اور گلشن کا دُشمن تصور کیا جاتا ہے۔

تمام بچے اور تمام بزرگوں کی دیکھ بھال کرنا، ان کا خیال رکھنا، ان کی ضروریات کو پورا کرنا بھی معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری تصور کی جاتی ہے۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج کل معصوم بچوں کا ہر سطح پر استحصال کیا جارہا ہے۔ ان پر طرح طرح کا تشدد کیا جارہا ہے۔ بچوں کے استحصال کے خاتمے اور ہر قسم کے تشدد کو ختم کرنا ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری بنتی ہے۔ ہمیں اس سے عہدہ برآ نہیں ہونا چاہیے۔

Marfat.com

1/8

بچے اور خوراک / بچوں اچھی خوراک دیں

بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرح بچوں کی خوراک کا خیال رکھنا بھی نہایت ہی ضروری ہے، کیونکہ ''ماہرینِ امراضِ اطفال'' کا کہنا ہے 20 سے 35 فیصد بچے ناقص غذا کی وجہ سے مرجاتے ہیں یا پھر مختلف مہلک امراض کا شکار ہوجاتے ہیں۔ جعلی ادویہ، ڈبوں میں پیک گندا دودھ، جراثیم والے پیمپرز جیسی بچوں کے استعمال کی بیسیوں چیزیں ہیں جو اسے دنیا میں آنکھیں کھولتے ہی ملنا شروع ہوجاتی ہیں۔

ڈبوں کے دودھ پینے سے بچوں کی صحت پر بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق ماں کا دودھ پینے والے بچے ڈبے کا دودھ پینے والے بچوں کی نسبت اسکول میں ہونے والی تمام سرگرمیوں میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ 10 سال کی عمر کے ان بچوں نے کم از کم 6 ماہ تک صرف ماں کا دودھ پیا تھا۔ تجربات کے دوران تعلیمی، جسمانی اور تخلیقی سرگرمیوں کا مرحلہ وار جائزہ لیا گیا تھا۔

تحقیقی رپورٹ کے مطابق ماں کے دودھ میں قدرتی غذا خاص طور پر ''چین فیٹی ایسڈ'' سب سے نمایاں رہا۔ ایک تحقیق کے مطابق ان بچوں کی زبان سیکھنے کی صلاحیت سب سے نمایاں تھی۔ ماہرین طب نے اس رپورٹ میں لکھا ہے پیدائش کے پہلے 6 ماہ تک بچے کو صرف اور صرف ماں کا دودھ ہی دیا جائے تو بہتر ہوگا۔

بچوں کی خوراک میں ملاوٹ کی وجہ سے ہزاروں معصوم بچے ''فوڈ پوائزننگ'' (Food Poisoning) کا شکار ہوجاتے ہیں۔ دنیا میں دوائیں ہوں یا خوراک...... یا انسانی

Marfat.com

استعمال کی دوسری بیسیوں چیزیں، ان کے کوالٹی کنٹرول کا نظام بڑا ہی سخت ہوتا ہے۔ جعلی اشیا، خوراک میں ملاوٹ اور ناقص غذا بنانے والوں کو سخت ترین سزائیں دی جاتی ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی کمپنی، ادارہ اور شخص جعل سازی کی جرأت نہیں کرتا۔

2005ء میں جب ہم عمرے کے لیے سعودی عرب گئے تو ایک رات میں ایک سعودی باشندے کا مہمان تھا۔ میزبان کسی کام کے لیے گیا ہوا تھا۔ اسے دیر ہوگئی۔ جب ہم رات گئے ہوٹل لوٹے تو میں نے ان سے کھانا طلب کیا۔ ہوٹل والوں نے جواب دیا، چونکہ اس وقت سوا ایک بجا ہے اور ہمارے ہاں ایک بجے کے بعد دن بھر کا سارا کھانا ضائع کر دیا جاتا ہے، کیونکہ ماہرین کے مطابق یہ پرانا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات زہریلا بھی، چنانچہ آپ تھوڑا سا صبر کریں، آدھے گھنٹے بعد تازہ کھانا مل جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد کھانا ٹیبل پر تھا۔

دوسری طرف ہماری حکومتِ پاکستان ہے جو نہ خوراک کی کوالٹی چیک کرتی ہے اور نہ ہی گھٹیا کاروبار چیک کرتی ہے۔ اخبارات میں ایسی دواؤں کے اشتہارات آتے ہیں جو حکومت سے منظور شدہ نہیں ہوتے، لیکن حکومت ان سے پوچھ گچھ نہیں کرتیں۔ لاقانونیت کا ایک سمندر بہہ رہا ہے۔ بے حسی اور نااہلی کا راج عروج پر ہے۔ حکمران اقتدار کے نشے اور خوشامدیوں کی خوشامد میں مست ہیں۔ حکومتی مشینری رشوت سے ناکارہ ہو چکی ہے۔

مان لیا کہ دہشت گردی پر قابو پانا حکومتوں کے بس سے باہر ہے۔ جرائم، کرپشن اور قتل و غارت کا خاتمہ حکمرانوں کے بس کا روگ نہیں۔ لوڈ شیڈنگ، غربت اور مہنگائی حکمرانوں کی بصیرت سے بڑے مسائل ہیں، لیکن یہ کیسے مان لیا جائے کہ وہ کھانے پینے اور ادویہ کی ملاوٹ کو بھی نہ روک سکیں۔ ایسا ممکن نہیں۔

حکومت اور حکمران اگر خلوص نیت سے چاہیں تو ملاوٹ ختم کر دیں۔ جعلی دوائیوں اور شراب کی بھٹیوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکیں۔ جعلی کھاد کی فیکٹریاں بند کر دیں۔ کھلے عام گھٹیا

Marfat.com

کھانا بنانے والوں پر قابو پالیں۔ یہ ایک اجتماعی اور انسانی زندگی کا مسئلہ ہے۔
انسانی جانوں سے کھیلنے کو کسی بھی صورت معاف نہیں کرنا چاہیے۔ ان کو سرعام پھندوں پر لٹکانا چاہیے۔ جب تک حکومت ایسا نہیں کرتی، تب تک ہم اپنے بچوں کو زہر آلود خوراک سے ازخود بچائیں۔ سرپرست اور والدین ازخود اپنے بچوں کو ایسی خوراکیں دیں جو کہ ملاوٹ سے پاک ہوں۔

والدین جب اپنی اولاد اور بچوں کے لیے اپنی خوشیاں تک قربان کر دیتے ہیں تو پھر اچھی خوراک اپنے بچوں کو کیوں نہ دیں؟ گزشتہ دنوں اسی حوالے سے پاکستان میں ایک سروے کروایا گیا۔ کتنے فیصد لوگ ایسے ہیں جو اپنے بچوں کے لیے اپنی خوشیاں، نیند اور وقت ہر چیز قربان کر رہے ہیں۔
سروے رپورٹ کے مطابق 65 فیصد پاکستانی سمجھتے ہیں والدین اپنے بچوں کو بہتر سہولتوں کی فراہمی کے سلسلے میں بعض اوقات اپنی خوشیوں کو بھی قربان کر دیتے ہیں۔ سروے میں ملک بھر سے مختلف شعبۂ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے مردوں وخواتین سے سوال پوچھا گیا تھا کہ کیا والدین اپنے بچوں کے لیے ہر ممکن سہولت کی فراہمی کے لیے اپنی خوشیوں کو قربان کر دیتے ہیں؟ سروے میں والدین کے حوالے سے دوسرا سوال جو لوگوں سے پوچھا گیا وہ یہ تھا کہ کیا والدین کو اپنی زندگی بہتر طریقے سے گزارنے کا پورا حق ہے؟
اپنے بچوں کے لیے انہیں اپنی خواہشات قربان نہیں کرنی چاہییں؟ سروے رپورٹ کے نتائج کے مطابق 65 فیصد لوگوں نے پہلے سوال کے حق میں اپنی رائے دی، جبکہ صرف 31 فیصد لوگ دوسرے سوال کے حق میں رائے دیتے نظر آئے۔ سروے کے دوران یہ بات سامنے آئی 70 فیصد خواتین اولاد کے لیے اپنی خواہشات کی قربانی کے حق میں تھیں، جبکہ 61 فیصد مرد اس حق میں ہیں۔ اپنی اولاد اور معصوم بچوں کے لیے قربانی دینا اور اپنی خوشیاں ختم کر دینا فطرت

Marfat.com

میں بھی داخل ہے۔

یہ بات درست ہے کہ آج کے دور میں اپنی اور اپنے معصوم بچوں کی غذا اور خوراک ایک گھمبیر مسئلہ بن چکی ہے۔ ''ہمیں کیا کھانا چاہیے؟'' اس کا حل ازخود نکالیں اور ماہرینِ غذائیات کے مشوروں پر انحصار کریں؟ اس کے علاوہ صحت بخش غذا کے بارے میں معاونت حاصل کرنے کے لیے ڈاکٹروں، غذا سے متعلق کتب، مختلف فوڈ پیکیجز سے متعلق صحت کے دعوؤں کا سہارا لیں؟ غذا اور غذائیت سے متعلق کی جانے والی متعدد تحقیقات کے بعد ایسا ٹائم ٹیبل اور خوراک تجویز کی جائے جو ہر اعتبار سے مفید ہو۔ ایسا کھانا کھایا جائے جو صحت کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔

عالمی سطح پر مشہور و معروف مقولہ ہے: ''روزانہ ایک سیب کھانے سے آپ کو ڈاکٹر کی ضرورت نہیں رہتی۔'' حال ہی میں چائنیز یونیورسٹی آف ہانگ کانگ (Chinese unieversity of Hong kong) کی ایک تحقیق میں سو فیصد درست ثابت ہو گیا ہے۔ ماہرینِ طب کے مطابق سیب میں خون سے زہریلے مادّہ صاف کرنے کی بھرپور صلاحیت پائی جاتی ہے، جس سے طبی زندگی کے عرصہ کو 10 فیصد تک بڑھایا جا سکتا ہے۔ اس تحقیق کے نتائج کے مطابق سیب میں پائے جانے والے اینٹی اوکسی ڈینٹس مادّوں کو فروٹ پر بھنبھنانے والی مکھی اور دیگر جانوروں کے خون کے ذریعے چیک کیا گیا۔

ماہرینِ طب جسم میں ضائع ہو جانے والے متعدد مادّوں کے زہریلے اثرات کی وجہ سے خون میں بہت سی غیر طبی تبدیلیاں آنے لگتی ہیں، جس سے بیماریوں کے ساتھ ساتھ عمر بڑھنے کی رفتار بھی بڑھ جاتی ہے...... مگر سیب میں پائے جانے والے مخصوص مادّے ان زہریلے اثرات کو ختم کر دیتے ہیں۔ ماہرین طب نے رنگ دار فروٹ اور سبزیوں کو اس ضمن میں مجرب قرار دیتے ہوئے ان میں ٹماٹر، گوبھی، بلیو بیری، سیب اور آم کو شامل کیا ہے۔

Marfat.com

سیب میں یہ مادّہ نسبتاً زیادہ پایا جاتا ہے۔ ماہرین کے مطابق زہریلے ماڈوں کو ختم کرنے والے اثرات کو ''پولی فینول'' کہا جاتا ہے جو پھلوں پر بیٹھنے والی مکھی کے جسم میں بہت نمایاں ہوتا ہے۔ وہ بہت سخت جان ثابت ہوتی ہے۔ ماہرین نے یہ بھی کہا ہے سیب کا رَس چوسنے والی فروٹ فلائی نامی یہ مکھی اپنی طبعی عمر سے زیادہ زندگی گزارتی ہے۔ اس عنصر کی وجہ سے اس کے چلنے، اُڑنے اور دیگر صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

''فیثا غورث'' اپنے وقت کا جتنا بڑا سائنس دان تھا، اس سے کہیں بڑا ریاضی دان بھی تھا۔ اس نے جیومیٹری کے قائمۃ الزاویہ سے متعلق جو نظریات پیش کیے، انہیں بعد میں کوئی ریاضی دان چیلنج نہ کرسکا۔ ''فیثا غورث'' نے اپنی کامیابی اور علمیت کا راز تین باتوں میں بتایا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ پینے کے لیے کھلے منہ کا برتن ہونا چاہیے۔ آج ہم صبح سے شام تک کولا پیتے ہیں، وہ بھی پائپ بوتل میں ڈال کر پیتے ہیں۔ بوتل کا منہ ویسے ہی چھوٹا ہوتا ہے۔

دوسری بات ''فیثا غورث'' نے یہ بتائی کہ کھانے کے لیے موٹا آٹا ہونا چاہیے...... بند، ڈبل روٹی، کیک، بسکٹ، باقر خانی، کلچہ کے شیدائی اپنا انجام سوچیں۔

تیسری بات یہ بتائی کہ جوتا چمڑے کا ہونا چاہیے۔ بظاہر یہ بڑے سادہ، لیکن حقیقت میں بہت انمول اصول ہیں۔ نت نئے پکوانوں کے فیشن نے ہمارے گردوں اور جگر کا ستیاناس کردیا ہے۔ پیزا اور سموسے جس دسترخوان پر دیکھے گئے، انہیں صبح شام کسی نہ کسی کلنک پر حاضری دیتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے۔

ہیپاٹائٹس اور جسمانی دردیں تو آج ہماری پہچان بن گئی ہیں۔ اس کے ساتھ فارمی مرغی کے بے تحاشا استعمال نے لوگوں کو خونی امراض میں مبتلا کردیا ہے، اس لیے ہر چھوٹا بڑا خونی یا بادی بواسیر کی شکایت کررہا ہے۔

''فیثا غورث'' نے کبھی میدہ یا باریک آٹے کے متعلق سوچا بھی نہ ہوگا۔ اس غذا کا پہلا

Marfat.com

حملہ معدہ پر ہوتا ہے۔ یہیں سے معدہ بگڑتا ہے اور انسانی جسم میں شوگر کے مرض کی ابتدا ہوتی ہے۔

غذا اور غذائیت کی جنگ میں شامل تمام ماہرین اس بات پر متفق ہیں، نام نہاد مغربی کھانوں، پروسیسڈ فوڈ (Processed foods) اور گوشت میں چکنائی اور شوگر شامل کی جاتی ہے۔ صاف کیا ہوا اناج اور اس قسم کے دوسرے کھانے ماسوائے سبزیوں، پھلوں اور سالم اناج کے ہماری صحت کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

اس لیے دیکھنے میں آیا ہے جو لوگ فاسٹ فوڈز اور بازار کے روایتی کھانوں کو اپنی غذا میں شامل کرنے سے اجتناب کرتے ہیں، ان کی صحت دوسرے افراد کی نسبت بہت بہتر ہوتی ہے۔ یہاں کھانے سے متعلق چند آسان اصول بتائے جا رہے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر آپ اور آپ کے بچے ایک صحت مند زندگی گزار سکتے ہیں۔

آپ ہمیشہ صحت مند اور غذائیت سے بھرپور غذا کھائیں، کم کھائیں، لیکن اچھا کھائیں۔ بازاری اور بند ڈبوں والی خوراک ہرگز استعمال نہ کریں۔ اسی طرح گھروں میں تیار کیا ہوا اور پکایا ہوا کھانا بھی گلنے سڑنے اور خراب ہونے سے پہلے ہی استعمال کرلیا جائے۔ جب سے یہ فریج اور فریزر آئے ہیں تب سے بیماریاں بھی عام ہوگئی ہیں۔

50 سال پہلے جب فریج کا رواج نہیں تھا تو بیماریاں بھی عام نہ تھیں، کیونکہ جو کھانا صبح پکتا تھا، وہ اسی وقت ختم کر دیا جاتا تھا۔ شام کا کھانا اتنا ہی بنایا اور پکایا جاتا جو اس وقت ختم ہو جائے جبکہ آج یہ ہو رہا ہے کہ ایک وقت کھانا بناتے ہیں اور فریج میں اسٹور کر کے ایک ہفتے تک تھوڑا تھوڑا نکال کر ''اوون'' میں ہیٹ کے ذریعے گرم کر کے کھاتے رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ پیٹ، جگر اور دل کی مختلف بیماریوں کی صورت میں نکلتا ہے۔

ماہرین غذائیت نے لکھا ہے: ''کھانا اگر زیادہ دیر تک رکھا رہے تو اس میں پھپھوندی، بیکٹیریا اور دوسرے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں جو غذا میں موجود غذائیت اور کیلوریز کو ختم کر

Marfat.com

جاتے ہیں، اس لیے پھل اور سبزیاں اگر زیادہ دیر تک رکھی جائیں تو وہ خالص نہیں رہتیں، بلکہ ان میں جراثیم اپنا کام دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ غذا کو ان جراثیموں سے محفوظ کرنے کے لیے اسے مختلف کیمیائی مراحل سے گزارا جاتا ہے تاکہ اسے دیرپا بنایا جاسکے۔

عموماً غذا میں ایسے اجزا ختم کر دیے جاتے ہیں جو ان جراثیموں کے پسندیدہ ہوتے ہیں یا پھر اس میں سے ایسے اجزا کو تلف کر دیا جاتا ہے جو زیادہ دیر پڑے رہنے کے باعث خوراک میں بدبو کا باعث بنتے ہیں، اس لیے ایسے تمام کھانے جو مختلف مراحل سے گزارنے کے بعد محفوظ کیے جاتے ہیں، ان میں سے غذائیت ختم ہوتی ہے۔ اصل غذا وہی ہوتی ہے جسے تازہ اور جتنی جلدی ممکن ہو سکے استعمال کر لیا جائے۔ دوسری صورت میں اس کی افادیت ختم ہو جاتی ہے، بلکہ بعض اوقات صحت کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک اصول یہ بھی ہے کہ کھانا بھوک رکھ کر کھانا چاہیے۔ جب آپ کا پیٹ 80 فیصد بھر جائے اور اس میں 20 فیصد گنجائش باقی ہو تو اس وقت کھانا چھوڑ دیں۔ دینِ اسلام میں بھی بھوک رکھ کر کھانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مدینہ میں حکیم آیا۔ وہ کافی دن تک رہا، لیکن کوئی صحابی اپنے پیٹ کے مرض کی شکایت لے کر اس کے پاس نہ آیا۔ اس کی تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ جب کھاتے ہیں تو بھوک رکھ کر کھاتے ہیں۔ ابھی بھوک باقی ہوتی ہے کہ ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔

بھارت میں روایتی طریقۂ علاج میں یہ تناسب 75 فیصد مقرر کیا گیا ہے۔ چین کے لوگوں نے شکم سیری کی حد 70 فیصد مخصوص کی ہے۔ فرانس میں اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ جب بھوک محسوس ہو تو آپ کو یہ کہنا چاہیے کہ ''مجھے بھوک ہے۔'' جب آپ کھانا کھا چکیں تو آپ کو یہ نہ کہنا پڑے ''آپ شکم سیر ہو چکے ہیں'' بلکہ معدے میں اتنی گنجائش ضرور رکھیں کہ آپ کہہ سکیں ''اب مجھے مزید بھوک نہیں ہے۔''

اسی طرح کھانے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اَلم غلم اور مختلف اشیا ملا کر نہ کھائیں۔ حکماء

Marfat.com

اور ماہرین غذائیات کا کہنا ہے وقفے وقفے سے کھائیں۔ تھوڑا تھوڑا کھائیں۔ اس سے معدے پر بوجھ نہیں پڑتا۔ جب معدے پر بوجھ نہیں پڑے گا تو پھر صحت اچھی رہے گی۔

آج کل کے بچے از خود اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتے ہیں اور پانی کو جو زندگی کا ''آبِ حیات'' ہے، بہت ہی کم پیتے ہیں حالانکہ ہمارے جسم کا دو تہائی حصہ پانی پر مشتمل ہے۔ جسم میں پانی کی کمی خطرناک ہوتی ہے۔ یہ طویل عرصہ برقرار رہے تو انسان کو قبر میں دھکیل دیتی ہے۔

نیورو سرجنز کا کہنا ہے صرف دماغ میں 80 فیصد پانی ہوتا ہے۔ جسم میں پانی مختلف عناصر مثلاً ہارمونز، اعصابی، پیغامات اور غذائیت کو اعضائے رئیسہ تک پہنچاتا ہے اور فاسد مادّوں کو جسم سے خارج کرتا ہے، لیکن جسم کا پانی ہمہ وقت کم ہوتا رہتا ہے۔ سانس لینے، پسینہ چھوٹنے اور بخارات کی صورت میں پانی کی مقدار میں جسم میں گھٹتی رہتی ہے۔

آٹھ دس گلاس پانی یکدم نہیں پینا چاہیے۔ کوئی انسان یا حیوان یکدم بہت سارا پانی پی لے تو بعض اوقات موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ 2 فروری 2005ء کو کیلیفورنیا اسٹیٹ یونیورسٹی میں ایک طالب علم ''میتھو کیرنگٹن'' کو بطورِ سزا آٹھ دس گلاس پانی پلایا گیا۔ جلد ہی وہ بے ہوش ہوا اور پھر چل بسا، لٰہذا وقفے وقفے سے پانی پینے کی عادت ڈالیں۔ ماہرین نے لکھا ہے: ''اس کی وجہ سے جسم میں موجود ''ٹاکسن'' (Toxins) کو ختم کرنے میں مدد ملتی ہے اور یہ عمل آپ کی جسم میں وزن کی کمی کے عمل کو تیز اور خون کی گردش کو معتدل رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

دن میں کم از کم 8 گلاس پانی کا استعمال جلد سے جھریوں کو ختم کرنے اور نئی جھریوں کو بننے سے روک دیتا ہے۔ ماہرین کے مطابق پانی صحت کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور لاکھوں روپے مالیت کی ادویات پانی کے ایک گلاس کے سامنے بے معنی ہو جاتی ہیں۔

Marfat.com

''یونیورسٹی آف کیلیفورنیا برکلے'' کی اس تحقیق کے مطابق انسانی جسم پر موجود جلد کا اوپر والا حصہ اپنے خلیوں کی وجہ سے پرانا ہو جاتا ہے اور اس سے جھریاں پڑنے لگتی ہیں۔ اس حصے میں جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی جس سے جھریوں کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔ جلد کو نمی دینے کا عمل ہمیشہ ماحولیاتی فیکٹر کے زمرے میں آتا ہے۔ مثلاً: نہاتے وقت آپ کا صابن بھی آپ کی جلد خشک کر سکتا ہے۔ سورج جلد کے مسام بند کر سکتا ہے۔ کمرے میں زیادہ درجۂ حرارت بھی نمی کو کم کر کے جھریوں کے عمل کو روک دیتا ہے۔

جب تک زیادہ سے زیادہ پانی پیا نہیں جاتا، یہ جھریاں جان نہیں چھوڑیں گی۔ یہی وجہ ہے ماہرین دن بھر میں 8 سے 10 گلاس پانی پینے کی تاکید کرتے ہیں تاکہ یہ کمی پوری ہو سکے۔ گرم موسم یا سخت ورزش کی صورت میں زیادہ پانی پینے کی ضرورت ہو سکتی ہے، لہٰذا آپ اپنے بچوں کو ترغیب دیں کہ وہ روزانہ زیادہ سے زیادہ صاف شفاف سافٹ ڈرنک پیا کریں۔

ایک میڈیکل رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ہر سال 2 لاکھ 50 ہزار بچے پانی سے لگنے والی بیماریوں کی وجہ سے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ ہسپتالوں میں آنے والے مریضوں کی بڑی تعداد کو ہیضے، یرقان، ٹائیفائیڈ، گردے، پھیپھڑوں اور پیٹ کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔ جس کی سب سے بڑی وجہ مضرِ صحت اور آلودہ پانی ہے۔ اکثر شہروں کا پانی آلودہ اور مضرِ صحت ہے۔

''پاکستان ریسرچ کونسل برائے آبی وسائل'' کی تازہ ترین رپورٹ کے مطابق پنجاب کے 17 اضلاع اور 48 تحصیلوں کا زیرِ زمین پانی زہریلا ہے جو انسانوں اور فصلوں کے لیے تباہ کن ہے۔ اسی لیے پانی کی بیماریاں زیادہ تیزی سے پھیل رہی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق سیکڑوں فلٹر پلانٹ ناکارہ ہونے کی وجہ سے اربوں روپے ڈوبنے کا خدشہ ہے۔

''کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ'' کی ایک رپورٹ میں تو یہ بھی انکشاف کیا گیا ہے کہ لاہور شہر کا

Marfat.com

50 فیصد پانی آلودہ ہو چکا ہے۔ اس میں سنکھیا کی زیادتی کی وجہ سے ہیضے، اسکن الرجی، دمہ جیسی درجنوں بیماریاں ہو رہی ہیں۔ عالمی تنظیم برائے صحت کے مطابق سنکھیا کی پانی میں قابل قبول مقدار 10 حصے فی کروڑ ہے جبکہ لاہور کے پانی میں 50 سے زائد حصے شامل ہیں۔ محکمہ واسا کے تقریباً 4 سو ٹیوب ویلوں میں سے پونے 3 سو ٹیوب ویلوں کا پانی آزمائش کے دوران آلودہ پایا گیا ہے۔

ایک تو زیر زمین پانی زہریلا اور مضر صحت ہے۔ دوسرا اس زہریلے پانی کو ''منرل واٹر''، ''ڈرنکنگ'' اور ''پیور واٹر'' کے نام پر بوتلوں میں بھر بھر کے مہنگے داموں فروخت کیا جا رہا ہے۔ اسپتالوں، اسٹیشنوں، تفریحی مقامات، پارکوں، لاری اڈوں، شادی ہالوں، سینما ہالوں، ہوائی اڈوں اور عوامی مقامات پر کھلے عام مختلف برانڈ کے پانی فروخت ہو رہے ہیں۔ وہ پانی جو زندگی کی علامت ہے، اسے موت کی علامت بنا دیا گیا ہے۔ آپ کوشش کریں کہ خود اور اپنے بچوں کو صاف ستھرا اور صاف شفاف پانی دیں۔

ایک اور دُکھ کی بات یہ ہے کہ اب بچے بھی مختلف نشوں کے عادی ہونے لگے ہیں۔ پان، بیڑی، حقہ، تمباکو، چائے، کافی، میٹھا اور دیگر پکی عادتیں ہیں۔ بچوں سے مراد 14 یا 15 سال کے لڑکے نہیں، بلکہ 4 سال سے 10 سال کی عمر تک کے بچے ہیں، یعنی اتنی چھوٹی اور کچی عمروں کے بچے بھی اب نشہ کرنے لگے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ نشہ انہیں والدین خود لے کر اور لا کر دیتے ہیں۔ بچوں کو یہ بُری لت خود والدین نے ہی لگائی ہے۔ والدین جو اولاد کے سب سے زیادہ خیر خواہ ہوتے ہیں، یہ جرم لاشعوری طور پر خود انہی سے سرزد ہو رہا ہے۔

بڑے اگر پان، گٹکا، سگریٹ، حقہ، تمباکو اور چائے کا نشہ کرتے ہیں تو بچوں کا نشہ بھی اس سے کچھ ملتا جلتا ہی ہے۔ بچے جن کی جسمانی ساخت نازک و کمزور ہوتی ہے، یہ ان

Marfat.com

کے بڑھنے کے دن ہوتے ہیں۔ نشوونما کے ان اہم اور نازک سالوں میں ہم انہیں خود یہ زہر لا کر دیتے ہیں جوان کے جسمانی اعضا اور نشوونما کا بیڑہ غرق کر دیتا ہے۔

کولڈ ڈرنکس، کالی، پیلی، ہری، نیلی کولڈ ڈرنکس۔ رنگے برنگے کیمیکل سے لبریز جوسز، چاکلیٹ، آئس کریم، کھٹی میٹھی ٹافیاں، چورن، املی، کٹارے، ٹاٹری، پاپڑ چپس، برگر، کیچپ، چٹنیاں، فنگر چپس بازاری پکوڑے اور سموسے۔ بچوں کو ایک مرتبہ بازار کی اشیاء کا ذائقہ لگ جائے تو وہ گھر کی بنی ہوئی چیزوں کو خاطر میں بھی نہیں لاتے۔

انہیں ہر وقت بازار کی اشیاء ہی چاہیے ہوتی ہیں۔ کولڈ ڈرنکس اور بازاری جوسز ہڈیوں کی بیماری پیدا کرتے ہیں اور بچوں کی نشوونما رُک جاتی ہے۔ دیگر بازاری اشیاء دانتوں اور مسوڑھوں کا بیڑہ غرق کرتی ہیں۔ بچوں کی مدافعتی قوت کمزور ہو جاتی ہے جو کہ پہلے ہی خاصی کم ہوتی ہے۔

رپورٹ کے مطابق اکثر بچے نزلہ، زکام، کھانسی کے مریض بن جاتے ہیں۔ بچوں کی ناک اور رال بہنے لگتی ہے۔ بچے ضدی ہو جاتے ہیں، ضد کر کے پیسے لیتے ہیں اور خود دکانوں پر جا کر گندی اور مضر صحت اشیاء خرید لاتے ہیں۔ چاکلیٹ اور آئس کریم کی عادت تو بڑوں سے نہیں چھوٹتی، بچے بھلا اس سے کیسے جان چھڑا سکتے ہیں؟

بچوں کو یہ ساری چیزیں نشے کی طرح لگ جاتی ہیں۔ انہیں یہ دیتے رہیے وہ کئی کئی دن کچھ بھی کھائے بغیر صرف انہی کے سہارے رہ لیں گے۔ اگر پیسے نہ ملیں تو بچے جو کہ ناسمجھ ہوتے ہیں وہ بغیر اجازت پیسے اٹھانے لگتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور بُری لت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پیسے نہ ملنے پر رونا دھونا، زمین پر لڑھکنیاں مارنا، بدتمیزی کرنا، اونچی آواز سے بولنا، ترکی بہ ترکی جواب دینا بچوں کی عادت اور فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ ہم بچوں کو یہ عادت شوق شوق میں جذبۂ پدری سے مجبور ہو کر ڈال تو دیتے ہیں، لیکن پھر پچھتاتے ہیں۔

Marfat.com

بچوں کو بازاری بسکٹوں، ٹافیوں اور مضر صحت اشیاء سے بچا کر اگر تازہ پھل اور تازہ جوس پینے کی عادت ڈال دی جائے تو زیادہ مناسب، ہر لحاظ سے فائدہ مند اور صحت بخش ہے۔ بچوں کو ڈبے کے دودھ سے فیڈر اور چوسنی سے پیمپرز اور ڈائپرز سے جس قدر جلد نجات دلا دی جائے بچوں کے لیے اور ہمارے لیے اور پوری قوم کے لیے اتنا ہی بہتر ہے۔

یہ زہریلی چیزیں لا کر، بچوں کو کھلا کر، ان کی لت لگا کر ہم نے ان چیزوں کو بچوں کی کمزوری اور بچوں کو گویا ان کا نشئی بنا دیا ہے۔ اب یہ نشیلے بچے منہ کو آنے لگے ہیں تو ہم پریشان ہو گئے ہیں۔ کولڈ ڈرنکس کے نشئی، چپس کے عادی بسکٹ کے عاشق، ٹافیوں کے دلدادہ، چاکلیٹ کے شوقین، آئس کریم کے دیوانے، کھٹی میٹھی چیزوں کے منتظر، مضر صحت آئل میں تلے پاپڑوں کے لیے بے قرار یہ بچے تو ناسمجھ ہیں، لیکن ہم تو سمجھ دار ہیں۔

اسی طرح زیادہ چینی اور مصنوعی شکر سے بھرپور مشروبات سے بھی اپنے معصوم بچوں کو بچائیں اور خود بھی بچیں۔ ہمیں یاد ہے کہ ہمارے بچپن میں کہیں کہیں اور وہ بھی کسی بوڑھے کو دل کی کوئی بیماری یا شوگر ہوتی تھی۔ آج حالت یہ ہے کہ ہر دوسرے شخص کو دل کی مختلف بیماریاں اور ہائی شوگر ہے۔ اس کا اصل سبب چینی، سکرین اور دو نمبر گھی کا استعمال ہے۔

یہ بات تحقیق میں سامنے آئی ہے کہ وہ لوگ جو اپنے روزانہ کے حرارے چینی سے حاصل کرتے ہیں، ان کے دل کی بیماریوں سے ہلاک ہونے کا خطرہ ان لوگوں کی نسبت زیادہ ہے جو کم چینی کھاتے ہیں۔ امریکا میں بڑے پیمانے پر کی جانے والی ایک تحقیق کے بعد یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ میٹھے مشروبات اور مٹھائیاں زیادہ کھانے سے دل کے دورے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

معروف جریدے ''جیما انٹرنل میڈیسن'' (Jeema Internal Medicine) کی تحقیق کے مطابق روزانہ میٹھے سوڈے والے مشروب کا ایک کین پینے سے دل کی بیماریوں

Marfat.com

سے مرنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مٹھائی کھانے سے بھی وزن بڑھ جاتا ہے جو دل کے لیے نقصان دہ ہے۔ ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے ان خطرات سے لوگوں کو آگاہ ہونا چاہیے۔

اسی طرح عالمی صحت کی تنظیم کی تجویز ہے کہ چینی ایک فرد کے لیے روزانہ کی خوراک میں موجود کل حراروں کا دس فیصد ہونا چاہیے جو مردوں کے لیے 170 گرام اور خواتین کے لیے 50 گرام ہے۔ امریکا اور برطانیہ میں اکثر جوان اور بچے بہت زیادہ چینی کھاتے ہیں اور چینی کو بہت سارے کھانوں میں استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ ٹافیاں بسکٹ، کیک، چاکلیٹ، جوس اور سوڈے والے مشروبات۔ اکثر اشیا پر چینی کی مقدار لکھی ہوتی ہے، مگر یہ بھی دیکھنا چاہیے ان میں نشاستہ کتنا ہے؟

''برٹش ہارٹ فاؤنڈیشن'' (British Hart Foundation) کے ڈاکٹر کا کہنا ہے اس بات کی کئی وجوہات ہیں کہ لوگ اتنی بڑی مقدار میں چینی کھانے کے نتیجے میں کیوں غیر صحتمند ہو جاتے ہیں؟ چینی بذاتِ خود نقصان دہ نہیں ہوتی، کیونکہ اسے جسم کی توانائی کی ضروریات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، مگر اس کی زیادتی وزن میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ اس کے نتیجے میں دل کی بیماریاں بڑھتی ہیں جبکہ تازہ پھل اور سبزیاں نہ صرف صحت مند رکھتی ہیں، بلکہ خوبصورتی میں بھی اضافہ کرتی ہیں۔

یہ خبر تو سب نے پڑھ ہی لی ہوگی کہ امریکی ریاست فلوریڈا کی ''اینیٹ لارکنز'' نامی خاتون 27 سال سے کچی سبزیاں، پھل اور بیج کھاتی آئی ہیں۔ کوئی بھی پکائی ہوئی اور مصنوعی چیز نہیں کھاتیں۔ جب بارش ہوتی ہے تو وہ اپنے باغیچے کو دینے کے لیے ہی نہیں، بلکہ پینے کے لیے بھی بارش کا پانی جمع کرتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے بارش کے پانی میں تازگی اور بے پناہ طاقت ہوتی ہے۔

70 سالہ مسز لارکنز صرف 40 سال کی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ جب اپنے 54 سالہ شوہر

Marfat.com

کے ساتھ کہیں جاتی ہیں تو اجنبی لوگ انہیں باپ بیٹی سمجھ لیتے ہیں۔''اینیٹ لارکنز'' 1960ء کے عشرے میں روزانہ گوشت کھایا کرتی تھیں، مگر جب وزن زیادہ اور جسم بے ہنگم ہوگیا اور صحت انتہائی خراب ہونے لگی تو انہوں نے لائف اسٹائل تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ تب سے اب تک وہ کھانے پینے کے معاملے میں طے شدہ اصولوں پر سختی سے عمل کرتی آئی ہیں۔ اسمارٹ اور خوبصورت رہنے کے لیے مسز لارکنز کوئی دوا کھاتی ہیں نہ ورزش کرتی ہیں، بلکہ تازہ پھل، سبزیوں اور صاف شفاف پانی کے ذریعے صحت اور خوبصورتی حاصل کرتی ہیں۔

اسی طرح خالص شہد اور دودھ کا استعمال ہے۔ کہا جاتا ہے جو بچے، مرد اور خواتین دودھ زیادہ استعمال کرتی ہیں ان کی ہڈیاں بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ 12 سال کی تحقیق کے بعد یہ پتہ چلا ہے جو خواتین ہفتے میں 3 گلاس دودھ پیتی تھیں ان کی ہڈیاں جلد ٹوٹ گئیں بانسبت ان خواتین کے جو ہفتے میں 7 گلاس دودھ پیتی تھیں۔

دودھ سے ہڈیاں بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ اسی طرح کیلشیم D، ہرے پتوں والی سبزیاں اور سورج کی سنکائی یعنی سن باتھ یا وزن اٹھانے سے بھی ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے روزانہ ایک ملٹی وٹامن کی گولی کھانے والے افراد لمبی عمر پاتے ہیں۔

قدرتی طور پر حاصل کی جانے والی طاقت پھل، سبزیاں، اناج اور کیلشیم کی افادیت مسلّم ہے۔ اس کی وجہ ان پھلوں، سبزیوں، اناج اور کیلشیم میں تمام منرل وٹامن اور کیلشیم موجود ہونا ہے۔ باقاعدگی سے دودھ پینے والے لوگ موٹاپے کی بیماری سے بڑی حد تک محفوظ رہتے ہیں۔ ٹھوس غذا انسان کو موٹا بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس تحقیقی رپورٹ کو ''امریکن جرنل آف کلینکل نیوٹریشن'' نے شائع کیا ہے۔

بن گورین یونیورسٹی آف دی نجیوی اسرائیل کے پروفیسر ڈینائیٹ شاھر نے اپنی اس تحقیق

Marfat.com

میں کہا ہے دن میں 2 گلاس دودھ پینے والے بالغ افراد کے جسم میں صرف 6 ماہ کے اندر وٹامن ڈی کی مقدار اچھی خاصی ہوجاتی ہے جس سے موٹاپے کا عمل سست پڑ جاتا ہے۔ اس تحقیق میں 45 سے 65 کے 300 موٹے افراد پر تجربات مکمل کیے گئے تھے۔

دودھ کی طرح شہد کا استعمال بھی بہت ہی مفید ہے۔ قرآن میں بھی اس کے بے شمار فوائد اور خواص بتائے گئے بلکہ شہد، اس کی مکھی اور شہد کس طرح بنتا ہے؟ پورا پروسیجر اور طریقہ بھی تفصیل سے بتایا گیا ہے۔ قرآن کی پوری سورت کا نام بھی شہد کے نام پر رکھا گیا ہے اور وہ ہے ''سورۃ النحل۔'' خیر یہ تو قدیم اور پرانی بات ہے، اب تو جدید ترین تحقیقات نے بھی ثابت کیا ہے کہ اس کے بے شمار فوائد اور خواص ہیں۔

آسٹریلیا میں ہونے والی ایک طبی تحقیق کے مطابق قدرتی طریقے سے بننے والا شہد دنیا کی سب سے بہترین اینٹی بیکٹیریا دوا ہے۔ اس کے نہ تو مضر اثرات ہیں اور نہ ہی اس کی افادیت پر شک کیا جاسکتا ہے۔ تحقیق کے مطابق گھنے درخت جن کے پتے زمین تک پھیلے ہوں، بہت زیادہ ہرے بھرے ہوں۔ ان پر چمک موجود ہو اور ان درختوں پر نیلے رنگ کے پھول بھی کھلتے ہوں، ان درختوں پر موجود شہد کے چھتوں سے حاصل ہونے والا شہد دنیا بھر میں تسلیم کیا گیا ہے۔

تحقیق کرنے والی ٹیم نے دعویٰ کیا ہے اس شہد کو بطور دوا ہسپتالوں اور نرسنگ ہومز میں استعمال کیا جارہا ہے، کیونکہ اس قدرتی شہد میں ''میتھل گلیکوسل'' نامی ایک جزو پایا جاتا ہے جو بیکٹیریا کے خلاف سب سے مؤثر جزو تسلیم کیا جاچکا ہے، اس لیے ایسے شہد کو ''میڈیکلنیکل ہنی'' کا نام دیا گیا ہے۔ پروفیسر سلطانہ باوا نے اپنی اس تحقیق میں کہا ہے اس شہد کی ہلکی خوراک بھی بیکٹیریا کے خلاف مؤثر دیکھی گئی ہے۔ اسی طرح طبی ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے سردیوں میں شہد کھائیں اور تازہ دم و توانا نظر آئیں۔

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے قدیم یونانی کھلاڑی اپنی توانائی بحال رکھنے

Marfat.com

کے لیے شہد کا استعمال کرتے تھے کیونکہ ان کا ماننا تھا کہ شہد میں موجود کیلوریز (calories) کی مقدار اور فرکٹوس جگر میں موجود گلی کو جن کے لیے بہترین ہے اور اس سے دماغی صلاحیتوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ پنسلوانیا کے سائنسدانوں کے مطابق شہد ٹھنڈ میں قدرتی اینٹی وائرل کا کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے استعمال سے ننھے بچوں کو نمونیا سے بچایا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں دودھ میں ڈال کر روزانہ ناشتے میں پینے سے صحت مند بھی رہا جاسکتا ہے۔

ایک حالیہ تحقیق کے مطابق روزانہ رات کو سونے سے پہلے ایک چمچہ شہد کھانے سے دماغ کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ تحقیق کے مطابق شہد میں موجود چینی رات بھر خون میں شامل ہوکر دماغ کے لیے ایک فیول کا کام سرانجام دیتی ہے۔ صبح بیدار ہونے کے بعد دماغ زیادہ تر وتازہ ہوتا ہے۔ ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے شہد ایک بہترین جراثیم کش دوا بھی ہے۔ اسے باقاعدگی سے استعمال کرنے سے وائرس اور بیکٹیریا کے خلاف جسم کا مدافعتی نظام زیادہ مضبوط ہوجاتا ہے۔

اس طرح بیسیوں فوائد ہیں۔ آپ خود بھی استعمال کریں اور اپنے معصوم بچوں کو بھی صبح شام کھلائیں۔ اسے ان کی صحت بھی اچھی رہے گی۔ دماغ اور ذہن پر بھی مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔

بہت سارے حضرات وخواتین عموماً اور بچے خصوصاً ناشتہ نہیں کرتے۔ یا پھر ناشتے میں ایسی چیزیں استعمال کرتے ہیں جن کی غذائیت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے، حالانکہ ناشتہ صحت کے لیے انتہائی ناگزیر ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ناشتہ کیا کریں؟ ایک تحقیق کے مطابق دودھ ملا دلیہ دنیا بھر میں بہترین ناشتہ قرار دیا گیا ہے۔ صحت کے لحاظ سے یہ ناشتہ پورے دن کی غذائی ضروریات کو بھرپور طریقے سے پورا کرتا ہے۔

Marfat.com

موجودہ دور میں عالمی سطح پر لوگوں کا جو طرزِ زندگی بنتا جا رہا ہے۔ اس کے لحاظ سے دودھ ملا دلیہ ہی اس کے لیے عمدہ اور صحت مند ثابت ہوسکتا ہے۔ ماہرین نے کہا ہے یہ سب سے آسان نسخہ ہے آپ دن کا آغاز دودھ ملے دلیے کے ایک پیالے سے کریں۔ یہ ناشتہ جسم کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ نہ تو آپ کے جسم پر چربی بڑھنے دے گا اور نہ دن بھر کام کے لیے ضروری حراروں میں کمی آنے دے گا۔

ماہرین صحت نے چند ایسے طریقے اپنانے کا مشورہ دیا ہے جو اس تھکن سے نجات دلا سکتے ہیں۔ صبح ناشتہ پیٹ بھر کر کرنا چاہیے۔ طبی ماہرین بھی اتفاق کرتے ہیں صبح کے ناشتے سے ملنے والی توانائی دن بھر تھکن کا احساس نہیں ہونے دیتی تاہم ناشتے میں میٹھی اشیا سے پرہیز لازمی ہے۔ کیفین کا استعمال بھی تھکان کا سبب بنتا ہے۔ توانائی حاصل کرنے اور نیند بھگانے کے لیے پیا جانے والا کافی کا ایک کپ نیند کا معمول خراب کر دیتا ہے۔

مصنوعی شکر یا میٹھی اشیا کا استعمال خون میں شکر کی سطح بلند کر دیتا ہے جو جسم میں نیند کا احساس جگانے والے ہارمونز بیدار کر دیتی ہے، اس لیے اس سے پرہیز لازمی ہے۔ ایک بار کھانا کھانے کے بجائے دن بھر کچی سبزیوں، پھل یا پھلیاں کھاتے رہنا زیادہ توانائی فراہم کرتا ہے۔ دوپہر میں تھوڑی سی ورزش، جاگنگ اور یوگا بھی چستی پیدا کرتی ہے۔ دن میں کچھ دیر سونا بھی جسم کو توانائی کا احساس بخشتا ہے۔

گویا ناشتہ انتہائی ضروری ہے، کیونکہ رات کو کھانے کے بعد تقریباً آٹھ دس گھنٹوں تک معدہ اور پیٹ بالکل خالی رہتا ہے۔ اگر صبح ناشتہ بھی نہ کریں تو پھر یقیناً کمزوری واقع ہوگی۔ اس لیے اپنے بچوں کو لازمی طور پر اچھا، بھرپور ناشتہ کروانے کی عادت ڈالیں، ورنہ صحت اور دماغ دونوں کے متاثر ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

Marfat.com

1 / 9

بچے اور ڈپریشن/ بچوں پر بے جا پابندیاں نہ لگائیں

بہت سارے بچے چڑ چڑے پن، غصے اور ڈپریشن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بات بات پر چیختے، چلاتے اور شور مچاتے ہیں، حالانکہ زیادہ غصہ کرنے سے دل کی کئی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ امریکی ماہرینِ صحت نے کہا ہے غصہ دل کی کئی بیماریوں کا سبب بن سکتا ہے جبکہ غصہ سے انسانی چہرے کے خدوخال بھی بگڑ جاتے ہیں۔

غصہ انسان میں سنگین اور پیچیدہ نوعیت کی بیماریوں کو جنم دیتا ہے۔ امریکا کی ''یونیورسٹی آف پٹس برگ'' میں تحقیق کے دوران درمیانی عمر کے صحت مند لوگوں سے کیمرے اور ججوں کے سامنے بحث مباحثہ کرایا گیا۔ بعد میں ان کا چیک اَپ کرنے پر پتا چلا ان کے دل کی دھڑکن اور خون کا بہاؤ متاثر ہوا تھا۔

سائنسدانوں کے مطابق بہت زیادہ غصہ کرنے یا ذہن پر دباؤ سے دل کا مریض بننے کے امکانات کئی گنا بڑھ جاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ بھی بتایا جاتا ہے جب بچے کو شدید بھوک لگی ہوئی ہوتی ہے تو پھر اس کا اظہار وہ مختلف ذریعوں سے کرتا ہے۔ دیکھا گیا ہے ایسا کرنے والے بچوں کے لیے جب کھانے پینے اور خوراک کا صحیح اور درست بندوبست کیا گیا تو وہ نارمل ہو گئے۔

ڈپریشن مرض نہیں ہے، یہ دماغی عارضہ ہے جس میں مریض کو اپنی دماغ حالت درست

Marfat.com

محسوس ہوتی ہے، مگر گرد و پیش کے افراد سے بتاتے ہیں کہ وہ نارمل نہیں ہے۔ دماغی امراض کے لیے روایتی طریقۂ علاج کے علاوہ متبادل علاج سے بھی اس کے ماہر کی نگرانی میں مدد لی جاسکتی ہے۔

یہ طریقۂ علاج بہت سی بیماریوں کے سدّ باب کے لیے استعمال کیے جارہے ہیں جو کسی بھی طرح روایتی علاج سے کم نتائج نہیں دیتے۔ کچھ امراض کے لیے تو اب انہی سے راہنمائی حاصل کی جارہی ہے۔ متبادل علاج میں ایسے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جو دماغ کو پُرسکون کر کے اسے شفاء کے حصول کے لیے تیار کرتے ہیں۔

ڈپریشن کے خاتمے کے لیے دماغ کے برتاؤ کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ یہ پتا چلایا جاتا ہے کہ دماغ کس مشکل کا شکار ہے؟ اور کیا چاہتا ہے؟''Cognitive Behavioural Therapy'' اس طریقے میں دماغ میں آنے والے منفی خیالات اور سوچوں کو ڈھونڈا جاتا ہے۔ یعنی ان کا منبع دریافت کیا جاتا ہے تاکہ ان کے خاتمے کے ذریعے ڈپریشن کو دور کیا جاسکے۔

جب تک دماغ میں آنے والے منفی خیالات کا سرا نہیں پکڑا جاتا ڈپریشن کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ منفی رویہ اور سوچ دماغ کو پُرسکون نہیں رہنے دیتے۔ CBT کا ماہر آپ کو جاننے میں مدد دیتا ہے کہ منفی سوچ کیوں ذہن کو جکڑے رکھتی ہے؟

اگلی بار جب مریض ڈپریشن کا شکار ہونے لگتا ہے تو اس کی وجہ کا سراغ لگانے کا قابل ہوتا ہے۔ مریض کے برتاؤ اور رویے میں اس کے خیالات کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ یہ تھراپی اسی نقطۂ نظر کے تحت علاج کرتی ہے۔''Counselling of Psychotherapy'' مریض کو کاؤنسلنگ یعنی بات چیت کے عمل سے اس کی بیماری کی نوعیت اور اسباب سمجھنے میں مدد دی جاتی ہے۔

اس طریقے میں ماہر نفسیات اپنی مہارت سے مرض کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ مختلف

Marfat.com

طریقوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر معالج مریض سے اس کی پچھلی زندگی کے بارے میں بات کرتا ہے۔ حال اور مستقبل کے فارمولوں کے ساتھ ڈپریشن کنٹرول کرنے کے طریقے بتاتا ہے۔ دماغی مسائل کا شکار افراد اس لیے ان امراض کا شکار بنتے ہیں کہ ان میں اپنی ذہنی حالت کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیت کم ہوتی ہے۔ وہ کسی بھی قسم کی صورتحال کو ہینڈل نہیں کر پاتے اور اُلجھتے جاتے ہیں۔

زندگی کی پریشانیاں اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ یہ ذہنی اُلجھن بن جاتی ہیں۔ متاثرہ شخص دماغی مریض بھی جاتا ہے۔ کاؤنسلنگ متبادل طریقۂ علاج ہے جو مریض کو ذہن کی جانچ پڑتال میں مدد فراہم کر کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ ''Aromatherapy'' اعصاب کو پُرسکون رکھ کر بھی ڈپریشن کو علاج کیا جاتا ہے۔ ''اروما تھراپی'' میں پودوں اور پھولوں کے ایسنسز سے حاصل کیا گیا تیل استعمال کیا جاتا ہے۔ تقریباً 400 سے زائد Essensial Oils اروما تھراپی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

اروما تھراپی کرانے سے پہلے ماہر کو اپنی طبی ہسٹری بتائی جاتی ہے تاکہ وہ اسی مناسبت سے ایسے آئل منتخب کرے۔ مختلف ایزنشل آئل سے کیے جانے والے مساج کا طریقۂ کار بھی مختلف ہوتا ہے۔ پودوں اور پھولوں کی مہک اعصاب کو سکون پہنچاتی ہے۔ یہ تھراپی مخصوص وقفوں سے کی جاتی ہے۔ ڈپریشن دور کرنے کے لیے یہ فائدہ مند تصور کی جاتی ہے۔

◆◆◆

ڈپریشن اور ذہنی تناؤ کو ختم کرنے کے لیے اکثر لوگ خود اور اپنے بچوں کو ڈاکٹروں اور حکیموں کے پاس لے جاتے ہیں۔ طبی ماہرین کے مطابق ڈپریشن کے علاج کے لیے دواؤں کا استعمال لازمی نہیں ہے۔ ان کے مطابق دہی، مچھلی، چاکلیٹ اور بادام کا استعمال ڈپریشن کے لیے مریضوں کو انتہائی مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ ان غذاؤں میں ایسے اجزا پائے جاتے ہیں جو ذہن کو پُرسکون کرتے ہیں، ذہنی تناؤ کی سطح کو کم کرنے میں

Marfat.com

معاون ثابت ہوتے ہیں۔

ماہرین نے رَس بھرے پھلوں، لہسن اور پھول گوبھی کو بھی ڈپریشن کم کرنے کے لیے فائدہ مند قرار دیا ہے۔ اسی طرح بیشتر ماہرین اور ڈاکٹرز ڈپریشن میں مبتلا افراد کو ورزش کے بجائے ادویات تجویز کرتے ہیں حالانکہ مریضوں کو جتنا فائدہ ورزشوں سے ہوتا ہے، اتنا ادویات سے نہیں پہنچتا۔

طبی ماہرین کی تحقیق سے معلوم ہوا ہے ذہنی امراض کے بیشتر ڈاکٹرز ڈپریشن کے مریضوں کو ادویات تجویز کرتے ہیں۔ حالیہ اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ ایک دہائی میں ڈپریشن سے بچاؤ کی ادویات تجویز کرنے کی تعداد دوگنا ہوگئی ہے۔ تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کم ڈپریشن کے مریضوں کو ورزشوں سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے، جس کا کوئی سائیڈ افیکٹس بھی نہیں ہوتا۔ ماہرین کا کہنا ہے عام طور پر ڈپریشن کے مریض دماغ سے خاص کیمیکل کے اخراج کے بعد زیادہ چڑچڑے اور سست ہوجاتے ہیں۔ آپ پوری کوشش کریں کہ آپ خود اور آپ کے معصوم بچے ڈپریشن اور ذہنی تناؤ کا شکار ہرگز نہ ہوں۔

ڈپریشن کئی بیماریوں کو جنم دینے کے علاوہ بڑھاپے، چہرے کی جھریوں اور بدصورتی کا بھی سبب بنتا ہے۔ ڈپریشن دور کرنے کا ایک ذریعہ یادِ الٰہی اور مراقبہ بھی ہے۔ ایسے مراقبے کے 5 مراحل ہیں۔

1 فرش پر رکھی ہوئی کرسی پر سیدھا ہوکر بیٹھ جائیں۔ اپنی پشت کو سیدھا رکھیں اور اپنے کندھوں کو ڈھیلا چھوڑ دیں۔ اس کے بعد گہرا سانس لیں۔ اگر دل چاہے تو اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

2 اپنے سانس کا جائزہ لیتے رہیں۔ اپنے سانس لینے کی رفتار کو تبدیل نہ کریں۔ اس کے علاوہ آپ اپنے پھیپھڑوں میں داخل ہونے والی اور باہر نکلنے والی ہوا کی طرف توجہ مرکوز رکھیں۔

Marfat.com

3 اگر سانس لیتے وقت مختلف خیالات آپ کے ذہن میں آتے رہیں تو آپ فوری طور پر ان خیالات کو قبول کر لیں۔ پھر دوبارہ سانس لینے پر توجہ مرکوز کر دیں۔

4 اپنے آپ کا اندازہ مت کریں اور نہ ہی وہ چیزیں جو آپ کی توجہ ہٹا رہی ہیں، ان سے گریز کریں۔ آپ نے صرف اس بات کو نوٹ کرنا ہے کہ آپ کا ذہن بڑی آزادی سے کام کر رہا ہے۔ اس کے بعد اپنی توجہ دوبارہ سانس لینے پر مرکوز کر دیں۔

5 یہ عمل آپ ہفتے میں روزانہ دس منٹ تک کریں۔ آپ جتنا مراقبے میں جائیں گے، اتنا ہی آپ کے لیے آسان ہوگا کہ آپ اپنی توجہ اس طرف مرکوز رکھیں گے، جدھر آپ چاہتے ہیں۔ ماہرین نفسیات نے لکھا ہے یوگا کی کوئی تکنیک اپنانے، عبادت کرنے اور سیر و تفریح کرنے سے ڈپریشن ختم نہیں تو کم ضرور کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح ایک بڑھتی ہوئی بیماری موٹاپا ہے۔ بڑوں سے بچوں تک سب موٹاپے کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ موٹاپے کا مرض پوری دنیا میں پھیل رہا ہے۔ چینی اخبار ''انفارمیشن ٹائمز'' کے مطابق اگلے چند برسوں میں چین کے 200 ملین لوگوں کا وزن خطرناک حد تک بڑھ جائے گا۔ آمدنی میں اضافے اور آلو کھانے کے مغربی انداز نے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کی کمر پر چربی کی موٹی تہیں چڑھا دی ہیں۔

اس وقت 90 ملین سے زیادہ چینی لوگ خطرناک موٹاپے کا شکار ہیں۔ اس شرح میں 8 فیصد سالانہ اضافہ ہو رہا ہے۔ ''گارجین نیوز سروس'' کے مطابق اخلاقی بگاڑ کا عالم یہ ہے موٹاپے میں مبتلا لوگ اپنی امارت پر فخر کرتے ہیں۔ امارت کا اظہار اپنے موٹے جسموں کی سرعام نمائش سے کرتے ہیں۔

سعودی عرب سمیت دیگر عرب ممالک میں بھی موٹاپے کا مرض خواتین اور بچوں میں تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ موٹاپا اور کولیسٹرول کا بڑھنا کئی مہلک اور خطرناک بیماریوں کو جنم دیتا ہے۔

Marfat.com

ماہرین کا کہنا ہے موٹاپا نہ صرف صحت کے لیے مضر ہے بلکہ جیب پر بھی بھاری اَثر پڑتا ہے۔

ایک تحقیق میں اس حوالے سے اعدادوشمار دیے گئے ہیں۔ موٹاپے کی وجہ سے اکثر لوگ اپنی طبعی عمر پوری کرنے سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ موٹاپے کے باعث انہیں ان کی طبعی عمر کے باقی برسوں میں خواتین میں 8 ہزار 365 اور مردوں میں 6 ہزار 518 ڈالر سالانہ کا نقصان ہوتا ہے۔

امریکا میں دو تہائی افراد یا تو موٹے ہیں یا زائد الوزن ہیں۔ گزشتہ تین عشروں کے دوران امریکی بچوں میں موٹاپے کا تناسب تین گنا بڑھ چکا ہے۔ 18 فیصد سے زیادہ بالغ افراد موٹے ہیں۔ یوں مستقبل میں ذیابیطس، امراضِ قلب اور دیگر بیماریاں ان کی منتظر ہیں۔ ڈاکٹر شلمین کہتے ہیں موٹاپے کے باعث ہونے والے اس قدر بڑے مالی نقصان کے بعد پالیسی سازوں کو دیکھنا چاہیے کہ اس مسئلے پر قابو پانے کے مالی فوائد کس قدر بڑے ہیں؟

ہمیں دیکھنا چاہیے گزشتہ 30 سے 50 سال کے دوران ہمارے معاشرے کی خوراک میں کس قسم کی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ وہ کون سا ماحول پیدا ہوا جس کے نتیجے میں جسمانی سرگرمیوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے؟ وہ مزید کہتے ہیں ہم معاشرے میں موٹاپے کی بھاری قیمت ادا کررہے ہیں۔ ہم کیوں نہیں سوچتے کہ یہ ہماری معیشت کے لیے ایک بہت بڑے پیمانے کی مشکل ہے۔ ان کا کہنا ہے:

''ہم خود ہی اپنے معاشرے میں موٹاپا پیدا کررہے ہیں۔ اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے ہمیں اتنی ہی کوشش کرنے کی ضرورت ہے جتنی کہ انسان کو چاند پر پہنچانے کے لیے کی گئی، بصورت دیگر موٹاپے میں مبتلا امریکی بچے درمیانی عمر میں پہنچ کر ذیابیطس اور نجانے کن کن مہلک اور خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہوں گے؟''

آپ کو چاہیے آپ خود اور آپ کے بچے...... جو مستقبل کے معمار ہیں...... کی صحت پر بھرپور توجہ دیں۔ موٹاپے اور کولیسٹرول پر کنٹرول رکھیں۔ گھر کا ماحول اچھا رکھیں، کیونکہ

Marfat.com

گھر کا ماحول بچوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ خود بھی باقاعدگی سے ورزش کریں اور اپنے بچوں کو بھی کروائیں۔

مصنوعی اشیاء سے خود بھی دور رہیں اور اپنے بچوں کو بھی دور رکھیں۔ غموں اور پریشانیوں سے دور رہیں۔ ماہرینِ نفسیات کہتے ہیں جب سکون، اطمینان اور راحت ملتی ہے تو جہاں صحت پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں وہیں پر کام میں دلچسپی بھی بڑھ جاتی ہے۔ غم و پریشانی عضلات پر دباؤ ڈالتی ہے اور جسم کی ساری توانائی ضائع کر دیتی ہے۔

سب سے بڑی دولت اطمینانِ قلب سے مالا مال ہونا ہے۔ یہ ایک ایسی بیش بہا نعمت ہے جس سے ہمارے معاشرے کے اکثر لوگ محروم ہیں، چنانچہ آپ کوشش کریں کہ فکر و غم سے دور رہیں۔ اگر کوئی پریشانی اور مصیبت آتی ہے تو تقدیر کا لکھا سمجھ کر صبر کریں۔

اگر کوئی نعمت ملتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ صبر اور شکر یہ دو ایسی چیزیں ہیں جو انسان کی زندگی کو آسان بنا دیتی ہیں۔ اسی طرح اپنے خیالات پر کنٹرول رکھیں۔ کسی بھی ناخوشگوار صورتِ حال میں بے قابو نہ ہوں۔ اعتدال کی راہ اختیار کریں۔ کوشش کریں کہ ہمیشہ مسکراتے اور خوشیاں بانٹتے رہیں۔ اسی میں لمبی عمر اور صحت و طاقت کا راز مضمر ہے۔

والدین اور سرپرستوں کو بچوں کی فطری صلاحیتوں کا بھی بھرپور خیال رکھنا چاہیے۔ ہم سمجھتے ہیں والدین کو جن اہم امور کا خوب خیال رکھنا چاہیے اور ان پر پوری توجہ دینی چاہیے ان میں یہ بھی ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ بچے کا طبعی رجحان کس شعبے کی طرف ہے؟ کس چیز میں اس کا ذہن زیادہ چلتا ہے؟ وہ زندگی کی کن آرزوؤں اور تمناؤں کو پورا کرنا چاہتا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ بچے مزاج، ذہانت، طاقت اور رکھ رکھاؤ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ سمجھدار والدین وہ ہیں جو بچے کے لیے وہ شعبہ چنیں جو اس کے مزاج کے موافق ہو اور جو کام اور ماحول اس کی طبیعت کے مناسب ہو اس کو وہی

Marfat.com

فراہم کریں۔ بچہ اگر ذہین قسم کا ہو اور اسے پڑھائی جاری رکھنے اور تعلیم مکمل کرنے کا شوق ہو تو والدین کو چاہیے اس کے لیے ایسے اسباب مہیا کر دیں جن سے وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکے۔

اگر بچہ ذہانت و سمجھداری کے اعتبار سے درمیانی قسم کا ہو۔ اس کی طبیعت کسی قسم کے ہنر، کام یا کاروبار وغیرہ سیکھنے کی طرف مائل ہو تو والدین کو چاہیے کہ اس کے لیے ایسی سہولتیں مہیا کر دیں جن کے ذریعہ وہ اپنی تمنا پوری کر سکے۔ اگر بچہ کمزور ذہن والا اور ناسمجھ ہو تو والدین کو چاہیے کہ اسے کسی ایسے کام میں لگا دیں جو اس کی سمجھ، اہلیت اور مزاج کے مطابق ہو۔

حضرت علیؓ آپؐ سے روایت کرتے ہیں: «اِعْمَلُوْا! فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ.» ''کوشش کرتے رہو، اس لیے کہ ہر شخص کو اس چیز کی توفیق ملتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔'' والدین کو چاہیے کہ بچے کی نفسیات پہچانیں۔ اس کی ذہنی صلاحیت کا اندازہ کرنے اور جس علم و ہنر میں اس کا دل لگتا اور ذہن چلتا ہو اس کے پہچاننے میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔

اسی طرح والدین کو چاہیے کہ وہ بچے اور اس کی ان خواہشات کے درمیان رکاوٹ نہ بنیں جو وہ دنیا کی زندگی میں حاصل کرنا چاہتا ہے، بشرطیکہ وہ خواہشات ایسی ہوں جن میں بچے کا فائدہ ہو اور وہ ان کو حاصل کر کے اُمت کا کارآمد فرد بن سکتا ہو۔ اگر والدین بچے اور اس کی جائز آرزوؤں کے درمیان رکاوٹ بن جائیں گے تو بچہ ذہنی اور نفسیاتی طور پر متاثر ہوگا بلکہ ایسے رویے سے تو بسا اوقات باپ اور بیٹے میں ٹکراؤ اور جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے۔ انجام یہ ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں، نافرمانی اور بغاوت شروع ہو جاتی ہے۔ اس کا سبب وہ باپ اور سرپرست ہوتا ہے جو موقع محل کو نہیں سمجھتا اور نتائج پر نظر نہیں رکھتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «رَحِمَ اللّٰهُ وَالِدًا أَعَانَ وَلَدَهٗ عَلٰی بِرِّهٖ.» ''اللہ

Marfat.com

ایسے والد پر اپنی رحمت نازل کرے جو نیک کام میں اپنے بیٹے کی مدد کرے۔'' تو میرے بھائیو! بہنو! اپنی اولاد خصوصی طور پر معصوم بچوں کی تربیت میں ان کی نفسیات اور فطری صلاحیتوں کو ضرور مدنظر رکھ کر فیصلہ کریں۔

''مار نہیں پیار'' کا رویہ اپنائیں۔ ڈھیل بھی نہ دیں، لیکن بے جا سختی بھی نہ کریں۔ اعتدال اور میانہ روی کا راستہ منتخب کریں۔ اللہ نہ کرے اگر کوئی بچہ بگڑنے لگے تو اولیاء اللہ، بزرگانِ دین، ماہرینِ نفسیات اور بچوں کے استاذوں سے ضرور مشورہ کریں۔ اسی میں سب کی بھلائی اور خیر ہوگی۔

ایک اور بات بھی یاد رکھیں ۔ یہ بڑی اہم اور قابلِ توجہ ہے۔ بچہ جس خاندان میں پیدا ہوتا ہے وہاں کم از کم دو یا زیادہ افراد ہوتے ہیں۔ ان کے ایک دوسرے کے ساتھ رشتے ناتے ہوتے ہیں۔ ان کے مخصوص اخلاق ہوتے ہیں۔

زندگی بسر کرنے کے کچھ اصول بھی ہوتے ہیں۔ خاندان میں نومولود کو کتنا ہی خوش آمدید کیوں نہ کہا گیا ہو، گھر کے نظم وضبط کو قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ولادت کے بعد معاشرتی، جذباتی اور اقتصادی مسائل بھی پیش آجاتے ہیں۔ کبھی یہ ایک ایک کر کے سامنے آتے ہیں، کبھی سب بیک وقت ہی آجاتے ہیں۔

اگر والدین موقع کی نزاکت اور واقعے کی اصلی نوعیت کو ذہن میں رکھیں اور بچے کی پیدائش کو علیحدہ رکھ کر سوچیں، تو ان سے نمٹنا آسان ہوجائے گا۔ بچے کی ولادت پر والدین عموماً یہ خیال کرتے ہیں کہ ابھی تو یہ بالکل ننھا سا ہے۔ اس کی ضرورتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کی آمد گھر کے کسی انتظام میں تبدیلی کا باعث نہیں ہوسکتی۔ ابتدائی چند مہینوں بلکہ سالوں تک بس یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ بچہ صاف ستھرا رہے اور مقررہ وقت پر اُسے خوراک ملتی رہے۔

Marfat.com

عموماً دیکھا گیا ہے کہ بعض خاندانوں میں بچے کو غیر معمولی اہمیت دے دی جاتی ہے۔ وہ سب کی توجہ کا مرکز اور گھر کا تارا بن جاتا ہے۔ ہر شخص اُسے خوش و خرم رکھنے اور اپنے خیال کے مطابق آرام پہنچانے میں لگا رہتا ہے۔

باہر کی تفریح اور گھر کے سارے کام دھندے بچے کے آرام و آسائش کے ماتحت ہو جاتے ہیں۔ ماں باپ، بھائی بہن یا گھر کا کوئی فرد اگر اپنی کسی بات کو بچے پر مقدم رکھے تو اسے خود غرض کہا جاتا ہے، لیکن یہ حد سے بڑھی ہوئی اہمیت اور بے کار کے چونچلے نہ بچے کے لیے مفید ہو سکتے ہیں نہ گھر والوں کے لیے۔

یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ بھی دوسروں کی طرح گھر کا ایک فرد ہے۔ ہر ایک کی علیحدہ خواہشیں، ضرورتیں اور دلچسپیاں ہیں۔ اگر ان باتوں کا لحاظ رکھا جائے تو بچہ اپنا مقام سمجھ لے گا اور اس کے بگڑنے کا کوئی اندیشہ نہ رہے گا۔ بچے کی آسائش اور صحت کے لیے گھر میں جن تبدیلیوں کی ضرورت ہوتی ہے انہیں اس طرح عمل میں لایا جائے کہ کسی دوسرے کے سکون و راحت میں کوئی خلل نہ آنے پائے۔ اس گتھی کو سلجھانے کے لیے یہ درج ذیل امور مدِ نظر رکھنے چاہیے۔

گھر میں کتنے آدمی اور کتنے کمرے ہیں؟ ہر ایک کو اس کے ذوق کے مطابق کس سکون و آرام کی ضرورت ہے؟ گھر کی آمدنی کیا ہے؟ گھر کی صفائی، کھانے پینے اور دوسری ضروریات کے لیے اخراجات کی حد کیا ہے؟ اس کے بعد مکان کی گنجائش، کمروں کی تعداد اور اخراجات کو اس طور پر تقسیم کیا جائے کہ بچے کی تمام ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں اور دوسرے چھوٹے بڑے ہر ایک کو امکان بھر اس کا حق بھی پہنچ جائے۔

غیر ضروری ایثار و قربانی نہ ہی بچے کی مستقل راحت کا سبب بن سکتی ہے نہ ہی خاندان کے دوسرے افراد کو آرام پہنچا سکتی ہے۔ گھر کا انتظام اس طرح رکھا جائے کہ ہر ایک کو دوسرے کے معاملے میں دخل دیے بغیر آرام ملتا رہے اور ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ اگر

Marfat.com

باپ 6 بجے کھانا کھانے کا عادی ہے تو بچے کی خوراک کا وقت 4 بجے رکھا جائے۔ اگر کسی وجہ سے باپ کا وقت بدل جاتا ہے تو بچے کے وقت بھی تبدیلی کر دینی چاہیے، لیکن یہ خیال ضرور ہے کہ بچے کے لیے جو وقت مقرر ہوا ہے، اس میں فرق نہ آنے پائے۔

وقت کی اس تبدیلی سے بچہ سمجھ لے گا کہ گھر کی دنیا کا مرکز ایک میری ذات ہی نہیں ہے، دوسرے لوگ بھی ہیں جن کی خاطر نظام خانہ داری میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ بچہ اپنے گردوپیش کے لوگوں سے محبت اور معاشرت کی تعلیم حاصل کرتا ہے۔ یہ تعلیم اس قسم کی نہ ہو جس سے وہ خاندان میں اپنا کوئی ایسا مقام سمجھنے لگے جو حقیقی نہ ہو اور آیندہ برقرار نہ رکھ سکتا ہو۔

جن ماں باپ کے ہاں بڑے ارمانوں کے بعد اولاد ہوتی ہے، وہ اکثر و بیشتر حد سے زیادہ لاڈ پیار کر کے اسے خراب کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ طریقۂ تربیت سے واقف نہیں بلکہ غلبۂ محبت انہیں اجازت نہیں دیتا کہ بچے کو کسی بات سے روک سکیں۔ بچے کے بگڑ جانے پر وہ ماہرینِ نفسیات سے رجوع کرتے ہیں، کتابوں کی ورق گردانی اور دوستوں سے مشورے کرتے ہیں۔

کبھی متضاد مشوروں سے پریشان ہو کر وہ کسی ایک پر کاربند ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتے اور کبھی اس بات کو نظر انداز کر کے کہ ہمارے خانگی حالات کہاں تک اجازت دیتے ہیں اور کیا بچے پر اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ وہ کسی ایک مشورے پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔

ان سب کا نتیجہ سوائے کوفت اور مشکل کے کچھ نہیں نکلتا۔ اگر وہ بچے کا ذہن سمجھنے کی کوشش کرتے اور اس کے ساتھ اپنے اور دوسرے افرادِ خانہ کے تعلق کا صحیح جائزہ لے لیتے، تو انہیں یہ زحمت کبھی نہ برداشت کرنا پڑتی۔ نتیجہ سب کے آرام و نفع کی صورت میں برآمد ہوتا۔ یاد رکھیں! کوئی بھی بچہ ہو بہو ماں باپ کے مقرر کیے ہوئے اصول اور معیار کے مطابق آگے نہیں بڑھتا، اس لیے ان کے لیے ضروری ہے بچے کے حالات میں بتدیلیوں کا

Marfat.com

بغور جائزہ لیتے رہیں۔

یہ بات کہ ان کے کسی دوست نے اپنی اولاد کی تربیت کا کوئی پروگرام بنایا ہے یا کوئی خاص طریقۂ تربیت کہیں کارآمد ثابت ہو چکا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ اسے اپنے بچے پر بھی آزمائیں اور خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد ہو۔ انہیں اپنے بچے کو ایک علیحدہ شخصیت قرار دے کر اس کے رہنے سہنے، کھانے پینے، تعلیم اور تفریح کا ایسا پروگرام مرتب کرنا چاہیے جو اس کے خصوصی حالات اور خانگی امور سے مطابقت رکھتا ہو۔ ہر بچے کی فطرت، عادت مختلف ہوتی ہے۔

زندگی ایک متحرک شے ہے۔ اس میں برابر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اولاد کا تعلق بھی والدین کے ساتھ ایک نوعیت کا نہیں رہ سکتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ایسے مواقع پر کسی کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یہ تبدیلی کوئی بڑی اہم قسم کی ہے۔ زندگی اور نشوونما کی ہر منزل اپنے مخصوص شوق، رجحانات اور مشاغل رکھتی ہے۔ بعض والدین خیال کرتے ہیں ان کا بچہ اسی وقت تک بھلا تھا جب وہ چھوٹا سا تھا اور بعض اولاد کی جوانی تک اسے ناسمجھ بچہ ہی سمجھتے رہتے ہیں۔

ایسی مائیں بھی دیکھی گئی ہیں جو اپنے 15 سالہ لڑکے سے ایسا برتاؤ کرتی تھیں، جیسے کہ وہ ابھی 3 برس کا ہو۔ ایسی اولاد ایک خاص حد کے اندر محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ بچہ ایک بڑھنے والی چیز ہے۔ وہ شیر خوارگی، لڑکپن، عنفوانِ شباب اور شباب کی منزلوں سے گزرے گا۔ والدین کو ہر ہر منزل کے سفر میں موقع کی مناسبت اور حالات کے مطابق اس کی راہنمائی کرنی چاہیے۔

ایک کے بعد دوسرے آنے والے مقام کی کیفیات سے بھی ہمہ وقت باخبر رہنا چاہیے۔ ورنہ بچے کے بگڑنے کا اندیشہ رہے گا۔ وہ کسی بھی وقت پٹڑی سے اُتر سکتا ہے۔ اس کی پوری زندگی ٹریک سے اُتر سکتی ہے۔ والدین اپنے بچے کی تعلیم و تربیت میں اعتدال سے کام لیں۔ تمام مراحل بحسن وخوبی طے ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

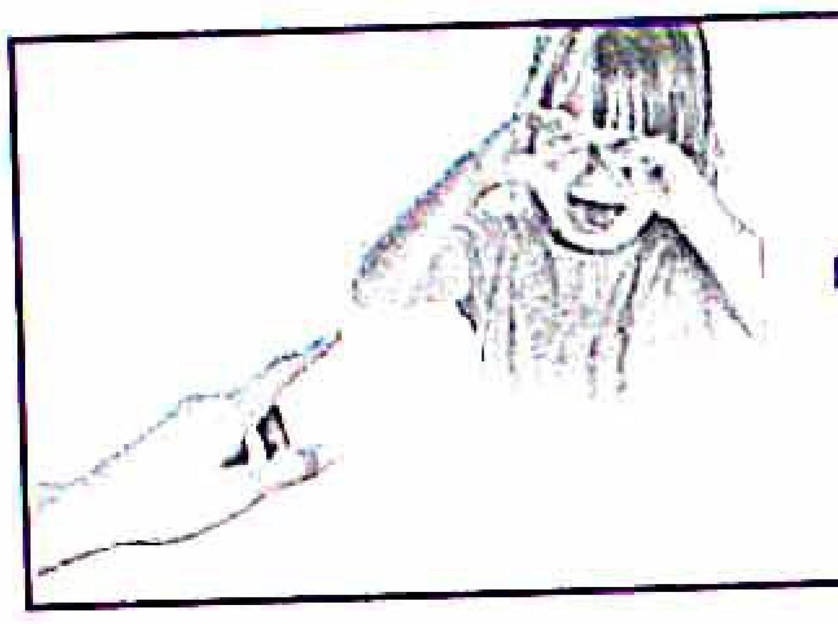

1 / 10

بچے اور استحصال / بچوں کا استحصال کیوں؟

بچوں کو پھول سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اور ان کا پوری دنیا میں سب سے زیادہ استحصال کیا جارہا ہے۔ آیئے اس پر تفصیل سے بات کرتے ہیں۔ ''واک فری فاؤنڈیشن'' آسٹریلیا کا ایک ادارہ ہے۔ یہ ادارہ دنیا میں انسانی حقوق سے متعلق کام کرتا ہے۔ اس ادارے کے بانی و سربراہ انڑریو فوریسٹ ہیں۔

یہ اس فاؤنڈیشن کے چیئرمین بھی ہیں جبکہ اس ادارے کی چیف ایگزیکٹو نیکولا فوریسٹ ہیں۔ یہ انڈریو فوریسٹ کی بیوی ہیں۔ اس فاؤنڈیشن کے آسٹریلیا میں 25 بڑے ممبران ہیں جبکہ لوئر سٹاف کا ڈیٹا موجود نہیں۔ اس فاؤنڈیشن نے گزشتہ سال 2012ء میں 162 مما لک کا سروے کیا۔ ان کے سروے کا ایجنڈا انسانی غلامی تھی۔ جب یہ سروے مکمل ہو کر 17 اکتوبر 2013ء کو منظر عام پر آیا تو حیران کن اعداد و شمار سامنے آئے۔

سروے کے مطابق دنیا کی سب سے زیادہ غلاموں کی موجودگی بھارت میں ہے۔ بھارت کی ایک ارب 20 کروڑ آبادی میں سے ایک کروڑ 40 لاکھ افراد کو غلامی جیسے حالات کا سامنا ہے۔ ان سے جبراً مشقت لی جاتی ہے۔ ان کی جبراً شادی کر دی جاتی ہے۔ قرضداروں کے بچوں کو جبری مشقت پر مجبور کیا جاتا ہے۔ چھوٹے طبقے پر جاگیردار اور وڈیروں کا راج ہے۔ اس سروے کے مطابق چین دوسرے نمبر پر ہے۔ چین کی کل آبادی ایک ارب 35 کروڑ 6 لاکھ 95 ہزار میں سے 29 لاکھ 49 ہزار 243 افراد غلاموں کی زندگی گزار رہے ہیں جبکہ اس فہرست میں پاکستان تیسرے نمبر پر ہے۔

Marfat.com

پاکستان کی کل آبادی 17 کروڑ 91 لاکھ 60 ہزار 111 نفوس پر مشتمل ہے۔اس میں سے 21 لاکھ 27 ہزار 132 شہری غلامی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ واک فری فاؤنڈیشن نے ان ممالک کو دو درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ایک درجے میں اس نے یہ ثابت کیا ہے دنیا کے ملک میں سب سے زیادہ غلام ہیں اور ان میں بھارت پہلے، چین دوسرے اور پاکستان تیسرے نمبر پر ہے۔ ظاہر ہے بھارت اور چین دنیا میں آبادی کے لحاظ سے بڑے ملک ہیں، لہٰذا ان میں غلاموں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ فاؤنڈیشن نے آبادی کے تناسب سے بھی 162 ممالک میں غلاموں کی تفصیلات شائع کی ہیں۔

آبادی کے تناسب کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس فہرست میں موریطانیہ پہلے نمبر پر آتا ہے۔موریطانیہ کی آبادی صرف 38 لاکھ ہے، مگر اس میں غلاموں کی تعداد 16 لاکھ کے لگ بھگ ہے یعنی آبادی کا چار فیصد حصہ طرز غلامی کا شکار ہے۔افریقہ کے جنوبی حصے میں واقع اس ملک میں نسلی بنیاد پر موروثی غلامی کی طویل تاریخ موجود ہے۔موریطانیہ کی حکومت غلامی کے اس مسئلہ کو ختم کرنے کی متعدد بار کوشش کر چکی، لیکن اسے کامیابی نہیں ملی۔ دوسرے نمبر پر ہیٹی ہے۔ ہیٹی کی کل آبادی ایک کروڑ ایک لاکھ 73 ہزار 775 ہے۔اس میں غلاموں کی تعداد دو لاکھ 9 ہزار 165 ہے جبکہ اس فہرست میں بھی پاکستان کا نمبر تیسرا ہے۔

تنظیم کے مطابق دنیا بھر میں کروڑوں افراد غلامی جیسے حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان میں سے اکثریت ایشیا میں ہے۔ دنیا میں غلاموں کی مجموعی تعداد کا لگ بھگ 72 فیصد حصہ ایشیا میں موجود ہے۔فہرست میں بہترین کارکردگی دکھانے والے ممالک بھی اس مسئلے سے مکمل طور پر محفوظ نہیں۔

سروے کے مطابق اچھی کارکردگی میں آئس لینڈ، آئرلینڈ اور برطانیہ شامل ہیں، لیکن حیران کن بات یہ ہے برطانیہ میں بھی 4,600 افراد جدید غلامی سے جڑے ہیں اور حالات کی چکی میں پس رہے ہیں۔اس سروے کو ترتیب دینے کے لیے جدید قسم کی غلامی کی جو

Marfat.com

تشریح استعمال کی گئی ہے۔ اس کے تحت قرض کے عوض غلامی، جبری شادی اور انسانی سمگلنگ کو بھی غلامی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حیران کن انکشاف یہ بھی ہے جدید غلامی میں رہنے والے کل افراد کی تعداد کا تین چوتھائی حصہ صرف دس ممالک میں آباد ہے۔

ان میں انڈیا میں تقریباً ایک کروڑ 40 لاکھ۔ چین میں قریبا 30 لاکھ۔ پاکستان میں قریبا 21 لاکھ 27 ہزار۔ نائیجریا میں قریباً 7 لاکھ۔ ایتھوپیا میں قریباً ساڑھے 6 لاکھ۔ روس میں 5 لاکھ 16 ہزار۔ تھائی لینڈ میں 4 لاکھ 72 ہزار۔ کانگو میں 4 لاکھ 62 ہزار۔ برما میں 3 لاکھ 84 ہزار اور بنگلہ دیش میں 3 لاکھ 43 ہزار شہری غلام ہیں۔ یعنی غلاموں کا تین چوتھائی حصہ صرف ان دس ممالک میں ہے جبکہ پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور چین کو اگر ساتھ ملا لیا جائے تو 66 فیصد غلام صرف ان چار ممالک میں آباد ہیں۔ یہ سروے ایسے نہیں کر لیا گیا بلکہ 162 ممالک کا مکمل سروے کرنے کے بعد یہ اعداد و شمار جاری کیے گئے۔ آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ اس سروے کو عالمی شخصیات نے بھی سراہا۔ سابق امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن اور سابق برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے بھی اس سروے کی حمایت کی ہے۔

''واک فری فاؤنڈیشن'' کے اس سروے کے اعداد و شمار کو سامنے رکھا جائے تو تنظیم نے مغربی ممالک میں غلاموں کا تناسب کم بتایا ہے، لیکن اگر تحقیق کے دائرے وسیع کیے جائیں اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا جائے تو مغربی ممالک میں بھی غلاموں کی تعداد بے تحاشا ہے۔ آپ اس سے اندازہ لگالیں۔ امریکا اور یورپی ممالک میں غیر قانونی تارکین وطن کی تعداد لاکھوں میں ہے اور ان میں لاکھوں ایسے ہیں، جنہیں باہر سے اسمگل کیا جاتا تھا۔ اسمگلنگ کا یہ کھیل بہت منافع بخش ہے۔

یہ لوگ غریب ممالک سے اسمگل ہوتے ہیں۔ مغربی ممالک کی چکاچوند میں لائے جاتے ہیں۔ ان کے پاس قانونی دستاویزات نہیں ہوتیں لہٰذا یہ لوگ چوری چھپے کام کرتے ہیں۔ اس غیر قانونی کام کے لیے یہ حق کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتے۔ یہ اپنے حقوق کے لیے

Marfat.com

آواز بھی نہیں اٹھا سکتے۔ یہ آدھی اُجرت پر کام کرتے ہیں اور صبح سے رات گئے تک محنت مزدوری کرتے ہیں۔

ان سے ایسے ایسے کام لیے جاتے ہیں جو کسی بھی طور انسانی تذلیل سے کم نہیں ہوتے۔ یہ سنگین مسئلہ ہے اور اس کو حکومتوں کی آشیر باد بھی حاصل ہے۔ مغربی معاشرے میں یہ کام حکومتی نمائندوں کی ناک کے نیچے ہوتا ہے۔ انسانی اسمگلنگ اور جبری مشقت باقاعدہ ایک انڈسٹری کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے سرکردہ اس سے سالانہ اربوں ڈالر کماتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک کھیل مشرق وسطیٰ کی خواتین کے ساتھ بھی کھیلا جاتا ہے۔ شام کی نوجوان خواتین کے نین نقش تیکھے ہیں۔ دنیا میں شامی خواتین کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے شام ایک اسلامی ملک ہے، مگر خانہ جنگی کے باعث وہاں کے حالات اتنے اچھے نہیں ہیں۔

وہاں کا ''مافیا'' ان شامی خواتین کو ورغلاتا ہے۔ انہیں سبز باغ دکھاتا ہے۔ پڑھی لکھی خواتین کے گرد حصار باندھتا ہے۔ انہیں یورپی ممالک اور دبئ جیسے ماڈرن ملک میں شاہانہ نوکری کی آفر کرتا ہے۔ یہ خواتین ان کے داؤ میں آجاتی ہیں۔ یہ مافیا انہیں شام سے اٹھاتا ہے اور یورپی ممالک یا پھر دبئ وغیرہ لے آتا ہے۔ دیارِ غیر میں پہنچتے ہی یہ اس مافیا کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ اب یہ مافیا ان سے من مرضی کے کام کرواتا ہے۔ نوکری یا ملازمت کا جھانسہ جسم فروشی اور عصمت فروشی کی صورت نکلتا ہے۔

یہ خواتین اس مافیا کے چنگل میں پھنس کر رہ جاتی ہیں۔ اسی طرح کا کھیل ازبکستان اور قزاقستان کی خواتین کے ساتھ بھی کھیلا جاتا ہے، لیکن حیران کن امر یہ ہے یہ حقائق کھلنے کے باوجود دنیا کی کسی انسانی حقوق کی تنظیم نے آواز بلند کی اور نہ ہی کسی ادارے نے۔

آپ کے علم میں ہوگا افریقی ممالک میں غربت کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔

اسی طرح ایشیا کے پسماندہ ممالک بنگلہ دیش، پاکستان، سری لنکا، نیپال، مالدیپ وغیرہ

Marfat.com

کے شہریوں کے ساتھ بھی دنیا بھر میں امتیازانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ ان ممالک کے شہری زندگی کی بہتری کے لیے امیر ممالک کا رخ کرتے ہیں۔ یہ کم اجرت پر سولہ سے اٹھارہ گھنٹے کام کرتے ہیں، لیکن ان کے حقوق کے لیے لڑنے والا کوئی نہیں۔ دنیا کی طرح غلامی کا یہ تصور پاکستان میں بھی رائج ہے۔ یہاں جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے غلامی صدیوں پرانا قصہ ہے۔ اس کی جڑیں دیرینہ ہیں اور یہ اس قدر پھل پھول چکی ہیں کہ یہ سلسلہ نسل در نسل چل رہا ہے۔

مثال کے طور پر کسی چودھری صاحب کا نائی مرتا ہے تو اس کا بیٹا یہ ذمہ داری سنبھال لیتا ہے۔ مزاری صاحب کا خانسامہ بستر مرگ پر پڑ جاتا ہے تو اس کا بیٹا یا بھتیجا مزاری صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ ہزاروں کے مربے پر کام کرنے والے مزدور نسلوں سے زمینداروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ معمولی معمولی اجرت پر ان سے سارا سارا دن کھیتوں میں کام کروایا جاتا ہے یہی نہیں بلکہ ان کی خواتین بھی ان کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔

پنجاب میں اس کلچر کی چھاپ بہت زیادہ ہے۔ چودھری صاحب حویلی میں بیٹھ کر سگار پھونکتے رہتے ہیں اور غریب غربا چلچلاتی دھوپ میں فصل کاشت کر رہے ہوتے ہیں۔ اس کے عوض انہیں صرف روٹی اور پیاز دے کر گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ آپ پاکستان کے کسی بھی شہر کی کسی بھی ورکشاپ، کارخانے، مل اور فیکٹری میں چلے جائیں۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی۔ 90 فیصد کارخانوں اور ورکشاپس پر دس سے پندرہ سال کے بچے کام کر رہے ہیں۔ انہیں روزانہ بیس، تیس روپے دیہاڑی ملتی ہے۔ ان سے جبری مشقت کروائی جاتی ہے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے ایسے ایسے تاجر اور مالک دیکھے ہیں جو ان بچوں سے سارا سارا دن چائے، پانی، کھانا منگواتے اور جوتے پالش کرواتے رہتے ہیں۔ بیچارہ غریب یہ

Marfat.com

جان کر اپنے بچے کو کام پر بھیجتا ہے کہ یہ چند برسوں میں کام سیکھ جائے گا اور اس کا سہارا بنے گا، مگر یہ لوگ انہیں ہنر مند بنانے کے بجائے سارا دن اپنے ذاتی کاموں میں اُلجھائے رکھتے ہیں۔ یہ ایک خوفناک اور سنگین جرم ہے۔

جبری مشقت اور انسانی حقوق کے حوالے سے باقاعدہ یہاں قوانین موجود ہیں، لیکن حیرت اس بات کی ہے کہ یہ سلسلہ تواتر کے ساتھ جاری ہے اور کوئی اس پر ہاتھ ڈالنے کو تیار نہیں۔ ایک اسلامی ملک میں انسانیت کے ساتھ یہ سلوک یقیناً ظلم سے کم نہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے ''واک فری فاؤنڈیشن'' کے یہ اعداد و شمار خوفناک ہیں۔

اگر ہم نے اس طرف توجہ نہ دی۔ اگر ہم لوگوں نے ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک نہ کیا تو کل بروزِ محشر اس کا کیا جواب دیں گے؟ حیرت اس بات کی ہے کہ ہم کہنے میں تو مسلمان ہیں، لیکن آپ اندازہ لگائیں ہمارے یہاں ایک سابق وفاقی وزیر کے گھر سے زنجیروں میں جکڑی خاتون برآمد ہو جاتی ہے اور اسٹیٹ کچھ نہیں کر سکتی۔

یہ وہ لوگ ہیں جو عوام کے نمائندے ہیں، لیکن ان کے جبر سے عوام کانپ رہی ہے۔ غلامی کا یہ طرز یقیناً دنیا میں جرائم کی کوکھ ہے۔ استحصال کے شکار یہ لوگ، پسماندہ ترین یہ افراد جب خوشحال لوگوں کو دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں بھی پرسکون اور مطمئن زندگی کی تمنا انگڑائی لیتی ہے اور پھر اس تگ و دو میں یہ ایسے ایسے کام کرتے ہیں جس سے معاشرے میں برائی پھیل رہی ہے۔ یہ ڈاکے، یہ چوری چکاری، بدعنوانی اور لوٹ مار کے واقعات انسانی استحصال کی ہی بنیادی وجہ ہے۔

دنیا میں آج بھی لگ بھگ تین کروڑ مرد، عورتیں اور بچے غلام ہیں۔ اس غلامی میں جبری مشقت، جبری شادی، جبری عصمت فروشی، جبری گھریلو چاکری، جبری گداگری اور قرض کے عوض مشقت سمیت سب طرح کی غلامی شامل ہے۔ آپ گھر سے باہر نکلیے۔ آپ

Marfat.com

کو چھوٹے بچے جگہ جگہ اپنی عمر سے بڑے بڑے کام کرتے مل جائیں گے۔

مصروف ناکوں پر جبری بھکاریوں کی فوج دکھائی دے گی۔ اینٹوں کے بھٹوں اور کھیتوں میں بال بال قرض میں جکڑے مزدور جھکے نظر آئیں گے۔ ہر وہ گھرانہ جو گھریلو ملازم رکھنے کی سکت رکھتا ہے۔ نوعمر بچوں اور بچیوں سے سولہ سولہ گھنٹے کام لینے اور تین وقت کا بچا ہوا کھانا اور تنخواہ کے نام پر ایک قلیل رقم منہ پر مارنے اور بہانے بہانے سے تنخواہ کاٹنے کو بالکل جائز سمجھتا ہے اور ذرا سی چوں چرا پر گالیوں اور تشدد پر اتر آتا ہے۔

اس کام میں وہ طبقات آگے آگے ہیں جنہیں بالادست کلاس کہا جاتا ہے۔ اب سے بیس پچیس برس پہلے اچانک پاکستان میں جبری مشقت اور جبری کھیت مزدوروں کی آزادی کا غلغلہ بلند ہوا اور ہر طرف ایک ڈیبیٹ شروع ہوگئی۔ کارخانوں اور کھیتوں پر چھاپے پڑنے لگے۔ غلامی کے خلاف سخت قانون سازی کے مطالبے ہونے لگے۔

زرعی غلاموں کو بالخصوص سندھ میں آزاد کرانے کا جہاد بھی شروع ہوگیا۔ لیکن رفتہ رفتہ سب کچھ سوڈے کے جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔ کسی غلامی شکن مجاہد کو کسی ترقی یافتہ ملک کی شہریت مل گئی۔ کچھ این جی اوز نے فنڈز کھا کے ڈکار لیے اور پھر وہ ہوا میں تحلیل ہوگئیں۔ کچھ بے لوث کارکن ابتدائی جوش و خروش دکھانے کے بعد تھک ہار کے بیٹھ گئے اور کچھ نے یہ مشن بھی اللہ کے سپرد کرکے اپنی راہ لی۔

پاکستان میں جبری مشقت کو قابلِ تعزیر جرم قرار دینے کا قانون کئی سالوں سے نافذ ہے۔ صوبائی سطح پر محض پنجاب کی حد تک قانون سازی کی گئی ہے۔ نتیجہ کیا نکلا؟ یہی نہ کہ پاکستان آج 2013ء میں بھی غلام رکھنے کی عالمی رینکنگ میں ٹاپ تھری ہے۔

آج بھی شاید کوئی دن ایسا جاتا ہو جب یہ خبر نہ آتی ہو کہ فلاں ملک کی سرحد یا فلاں سمندر پار کرتے ہوئے اتنے پاکستانی سرحدی محافظوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اتنوں کو فلاں ملک نے ڈی پورٹ کردیا۔ اتنے فلاں ایرپورٹ سے جعلی سفری دستاویزات کے ساتھ

Marfat.com

بیرونِ ملک جاتے ہوئے دھر لیے گئے۔ اتنوں کو دو نمبر ڈاکومینٹس پر پسنجر لاونج پار کرا دیا گیا۔ اتنی لڑکیاں فلاں گھر سے جسم فروشی کے شبہے میں گرفتار، دلال فرار، پولیس مصروفِ تفتیش۔

جنوبی پنجاب کے اتنے بچوں کو متحدہ عرب امارات سے واپس لایا گیا جہاں انھیں والدین سے خرید کے اونٹ دوڑ میں جھونکنے لے جایا گیا تھا۔ فلاں عورت کو شادی کا جھانسہ دے کر بیچ دیا گیا اور جس نے خریدا اس نے آگے بیچ دیا اور پھر اس نے اسے کسی بائی جی کو فروخت کر دیا اور پھر اس نے۔ شکر ہے ذہنی غلامی کے سروے کا اب تک کسی تنظیم کو خیال نہیں آیا ورنہ پوری پوری جماعتیں، نظریے، اقوام اور ممالک غلام نکلیں۔

اس بارے میں معروف جرنلسٹ وسعت اللہ خان اپنے سفرنامے میں کہتے ہیں: ''یہ بات ہے فروری دو ہزار تین کی ہے۔ میں پرانے استنبول میں گھومتے گھومتے نیلی مسجد کے سائے میں ایک چھوٹے سے باغ کی بنچ پر تھک ہار کے بیٹھ گیا۔ میرے برابر میں ایک ترک بزرگ بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد انھوں نے رسمی مسکراہٹ کے ساتھ مجھ پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا کہ کیسے ہو؟ میں نے کہا تھک گیا ہوں، مگر مزہ آ رہا ہے۔ پھر گفتگو شروع ہوگئی۔ کسی مقامی کالج میں تاریخ پڑھاتے پڑھاتے حال ہی میں ریٹائر ہوئے تھے۔ پوچھنے لگے ہمارا شہر کیسا لگا؟ میں نے کہا پچھلے تین روز سے گھوم رہا ہوں، لیکن اب تک سڑک پر کوئی ایسا راہگیر نہیں دیکھا جس کا منہ لٹکا ہوا ہو۔ یا کوئی کسی سے دست و گریباں ہوگیا ہو یا کم از کم گالم گلوچ پر ہی اتر آیا ہو۔

کیا آپ کے ہاں لوگوں کو غصہ نہیں آتا حالانکہ اس شہر میں لاکھوں لوگ رہتے ہیں۔ بڑے میاں نے عینک کے پیچھے سے مجھے بغور دیکھا اور پھر مسکرا دیئے۔ کہنے لگے تم کہاں کے ہو؟ میں نے کہا پاکستان سے۔ پھر پوچھا پاکستان میں پیدا ہوئے یا انڈیا میں؟ میں نے کہا والدین انڈیا میں پیدا ہوئے اور میں پاکستان میں۔ بڑے میاں نے کہا کہ تمہارا سوال بہت مزے کا ہے کہ ترکوں کو بات بے بات غصہ کیوں نہیں آتا؟ ایسا نہیں کہ ہمیں غصہ نہیں

Marfat.com

آتا، لیکن ہر وقت نہیں آتا۔

اس کی ایک وجہ شاید یہ ہو کہ ہم کبھی من حیث القوم غلام نہیں رہے۔ غلاموں کو بات بات پر غصہ آتا ہے کیونکہ غصہ ہی ان کی واحد ملکیت ہے اور اس غصے کا ہدف بھی وہ خود ہی ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں میں اپنی بات کہہ پایا یا نہیں۔ بڑے میاں کی بات سن کے مجھے سکون سا آ گیا اور یوں لگا جیسے کوئی برسوں کی پھانس دل سے نکل گئی، لیکن ان کے جاتے ہی مجھے یہ سوچ کے غصہ آ گیا کہ یہ ترک آخر اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں۔ اگر ہمارے حکمرانوں نے اس طرف توجہ نہ دی۔ انہوں نے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ان لوگوں کو حقوق نہ دیئے تو وہ دن زیادہ دور نہیں جب یہ معاشرے جرائم کی آماجگاہ بن جائے گا۔

تاریخ میں فرعون کے دور سے بچوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا آغاز ملتا ہے۔ اس سے پہلے تاریخ اس حوالے سے خاموش ہے۔ ماضی میں اقتدار کو طول دینے اور حکومتیں برقرار رکھنے کے لیے بچوں کا قتل عام کیا گیا، لیکن آج یہ انداز بدل گیا ہے۔ ظالم بھی وہی ہیں اور مظلوم بھی۔ بس نام بدل گئے ہیں۔ آج کے سرمایہ دارانہ نظام اپنے اندر بہت سے مظالم پالے ہوئے ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ استحصال بچوں کا سرمایہ دار طبقہ کر رہا ہے اور کچھ جنسی آوارگی کا شوق پورا کرنے والے، کچھ جنونی ایسے بھی ہوتے ہیں جو محض اپنے پرتشدد ذہن کی تسکین کے لیے بچوں کو قتل کرتے ہیں۔

لاہور کے جنونی جاوید اقبال کی بدترین مثال ہمارے سامنے ہے۔ اس نے سن 2001ء میں سو سے زائد معصوم بچوں کو جنسی ہوس کا نشانہ بنا کر تیزاب کے ڈرم میں ڈال دیا تھا۔ اس کے اسباب کچھ بھی ہوں، لیکن یہ بات طے ہے کہ بچوں کا قتل اور ان کے ساتھ زیادتی کا سلسلہ صدیوں پرانا ہے اور شاید آئندہ بھی ختم نہ ہو سکے۔

یہ سب کچھ مجھے اس لیے یاد آ رہا ہے کہ ہر سال 12 جون کو دنیا بھر میں بچوں کا عالمی

Marfat.com

دن منایا جاتا ہے۔ اس دن دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ نے اپنی اپنی بساط کے مطابق رپورٹیں اور فیچرز شائع کرتے ہیں۔ اسی طرح نشریاتی اداروں نے ڈرامے، شو اور دستاویزی فلمیں نشر کرتے ہیں۔ مختلف این جی اوز اور تنظیموں نے بچوں کے حق میں مظاہرے کرتے ہیں۔ یوں یہ دن بھی ہر سال کی طرح ان کے آنسو پونچھے بغیر ہی گزر جاتا ہے۔

اس وقت دنیا بھر میں خصوصاً بوسنیا، کوسوو، فلسطین، لبنان، عراق، افغانستان اور دیگر ممالک میں پھول جیسے معصوم بچے شدید ظلم وزیادتی، اسمگلنگ اور خرید وفروخت کا شکار ہیں جیسا کہ بچوں کے حوالے سے انسانی حقوق کے بین الاقوامی ادارے ہیومن رائٹس واچ نے رپورٹ جاری کی ہے جس کے مطابق جمہوریہ کانگو کی فوج میں 13 سال کے معصوم بچوں کو بطور سپاہی فوج میں بھرتی کیا گیا ہے۔

یہ مسئلہ کانگو تک محدود نہیں، اقوام متحدہ نے ایسے تین لاکھ بچوں کا تذکرہ کیا ہے جو فوج، باغیوں یا مسلح گروہوں کے پاس بطور سپاہی کام کر رہے ہیں۔ ہیومن رائٹس کے مطابق ان بچوں کی اوسط عمر 13 سے 17 سال ہے تاہم 8 سال کے بچوں کو بھی جنگوں میں جھونک دیا جاتا ہے۔ ان معصوم بچوں کو ان کے گاؤں سے اغوا کر کے پچاس سے زائد ان ملکوں میں بطور مسلح چھاپہ مار کے استعمال کیا جاتا ہے جہاں مسلح تصادم جاری ہے۔ یہ بچے جنگ میں اسلحہ اٹھانے، بارودی سرنگوں کا سراغ لگانے، خودکش حملوں میں حصہ لینے، جاسوسی اور پیغام رسانی جیسے کام کرتے ہیں۔ ان بچوں پر ہولناک تشدد بھی کیا جاتا ہے۔

کچھ عرصہ قبل بوسنیا اور کوسوو میں ایک ایسی اجتماعی قبر دریافت کی گئی جس میں 600 سے زائد افراد دفن تھے۔ رپورٹ کے مطابق ''کالی چوٹی'' نامی اس علاقے میں سروے سے معلوم ہوا کہ دو کلومیٹر کے اندر اندر 16 اجتماعی قبریں موجود ہیں۔ انہیں قبروں میں ایسے ڈھانچے ملے ہیں جن کے بارے میں بتایا گیا کہ ان کی عمریں 2 سے 12 سال تک تھی اور ساتھ ہی خواتین کے ڈھانچے بھی ملے جن کے بارے میں یقین ہے کہ یہ ان بچوں کی وہ

Marfat.com

بدنصیب مائیں ہوں گی جنہوں نے اپنے جگر گوشوں کو آخری وقت تک اپنے سینوں سے چمٹائے رکھا ہوگا۔ اسی طرح 6 جولائی 2003ء کو بلغراد کی عدالت میں 5 بچوں کو پیش کیا گیا۔ یہ 5 بچے ان 24 میں سے زندہ بچ گئے تھے جن کو سرب فوج نے اپنی درندگی کا نشانہ بنایا تھا۔ علاج معالجہ کے بعد ان بچوں کو برطانیہ منتقل کر دیا گیا۔ گزشتہ چار سال سے یہ بچے برطانیہ ہی میں مقیم تھے۔

6 جولائی 2003ء کو انہیں گواہی دینے کے لیے بلغراد لایا گیا۔ ایک بچے نے تو شہادت دینے سے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں گواہی نہیں دے سکتا۔ ڈاکٹروں نے بھی اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی بچہ گواہی دینے کی اہلیت نہیں رکھتا کیونکہ اسے ایک بار پھر اپنے خوفناک ماضی میں جھانکنا ہوگا۔ اس بچے کی عمر صرف 7 سال تھی۔ اس کے والدین کو 1999ء میں اس کے سامنے اندھا دھند فائرنگ کر کے قتل کر دیا گیا تھا اور وہ خود بھی فائرنگ سے شدید زخمی ہو گیا تھا۔ باقی چار بچوں نے عدالت کے سامنے گواہی دیتے ہوئے کہا:

''ہمارے خاندانوں کے افراد کو پہلے ایک باغیچے میں اکٹھا ہونے کا حکم دیا گیا۔ 3 قطاریں بنائی گئیں۔ سب سے پہلی قطار میں بچوں کو کھڑا کیا گیا۔ دوسری قطار نوجوانوں اور مردوں کی تھی جبکہ تیسری قطار خواتین اور بوڑھوں کی بنادی گئی۔ کچھ دیر بعد ایک فوجی نے سیٹی بجائی اور سرب فوجیوں نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ اس کے بعد ہمیں نہیں معلوم کہ کیا ہوا؟''

2006ء میں لبنان پر اسرائیل نے بدترین جارحیت کا ارتکاب کیا۔ 205 افراد کے پرخچے اُڑ گئے۔ ہزاروں زخمی لبنانی خوراک اور ادویہ تک کو ترس گئے اور تو اور اسرائیلیوں کے مظالم سے پھول جیسے معصوم بچے اور کلیوں جیسی ننھی بچیاں بھی محفوظ نہ رہ سکیں حالانکہ مسلّمہ بین الاقوامی جنگی اُصول وقواعد کی رو سے بھی بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کو امان حاصل ہوتا ہے، لیکن انصاف کے علمبردار امریکا کے لے پالک اسرائیلی صہیونیوں نے

Marfat.com

لبنانی بچوں اور بچیوں کو بھی خون میں نہلا دیا۔ اسرائیل لبنان جنگ کے دوران 45 بچے شہید ہوئے۔ ان 45 بچوں کی بے گوروکفن لاشیں آج بھی امریکا سے پوچھ رہی ہیں کہ ان کا کیا جرم کیا تھا؟ ادھر نابلس میں اسرائیلی فوج کی اندھا دھند فائرنگ سے چار فلسطینی بچے شہید ہو گئے۔ فلسطین میں مجموعی طور پر چند ماہ میں شہید ہو جانے والوں کی تعداد درجنوں میں اور زخمیوں کی سیکڑوں میں ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق اسرائیلی جیلوں میں قید ہزاروں فلسطینیوں پر تشدد اور جارحیت کے نئے نئے حربے آزمائے جا رہے ہیں۔ فلسطینی ''محکمہ اسیراں'' کے ترجمان کا کہنا ہے کہ فلسطینی قیدیوں پر نئی تیار کردہ ادویات کے تجربات بھی کیے جا رہے ہیں۔ بیشتر تجربات بچوں پر کیے گئے ہیں۔ رپورٹ کے اعداد و شمار کے مطابق اسرائیلی جیلوں اور عقوبت خانوں میں 400 معصوم بچے بھی قید تنہائی کی صعوبتیں اُٹھا رہے ہیں اور نامعلوم کس وقت تک اسرائیلی درندوں کے مظالم سہتے رہیں گے؟

عراق میں ہزاروں بچے اپاہج ہو گئے ہیں۔ آج بھی سیکڑوں بچے معذور پیدا ہوتے ہیں۔ اور درجنوں بچے ذہنی مریض ہو رہے ہیں کیونکہ ان معصوموں نے اپنے سامنے اپنے والدین کو تڑپ تڑپ کر موت کی وادی میں جاتے دیکھا ہے۔ 2003ء میں عراق کے صوبہ محمودیہ میں امریکی فوجیوں نے ایک معصوم بچی ''عبیر جنابی'' اور اس کی 5 سالہ چھوٹی بہن کو ایک کمرے میں بند کر کے گولیاں برسانی شروع کر دی تھی۔ پھر نعشوں اور گھر کو آگ لگا کر امریکی فوجی بھاگ کھڑے ہوئے۔

لاشیں جس حالت میں پڑی تھیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بچیوں کو پہلے سختی سے باندھا گیا اس کے بعد ظالم اور وحشی فوجی جنسی زیادتی کا ارتکاب کرتے رہے۔ شاید انہی حالات کی وجہ سے ایک مصدقہ رپورٹ کے مطابق آٹھ لاکھ پچیس ہزار طلبہ وطالبات نے خوف و دہشت کی وجہ سے اسکول تک جانا چھوڑ دیا تھا۔ عراق پر امریکی استعمار کی یلغار کے

Marfat.com

باعث عوامی زندگی کا شیرازہ کچھ اس طرح بکھرا ہے کہ اس کے ٹکڑے سمٹنے میں نہیں آ رہے۔ عراق کے خوبرو معصوم بچوں کی اشکبار آنکھیں عالمی ضمیروں سے سوال کناں ہیں کہ یہ درندگی کب تک ہم پر مسلط رہے گی؟

ہر جگہ بچوں کو نہ صرف تعلیم جیسے بنیادی حق سے محروم رکھا جا رہا ہے بلکہ انہیں چند سو کے عوض 8 سے 18 گھنٹے مشقت کرنی پڑتی ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں 80 لاکھ بچے غلامانہ طرزِ زندگی گزار رہے ہیں۔ سالانہ 12 لاکھ بچے مزدوری اور جنسی تلذذ کے لیے اسمگل کیے جاتے ہیں۔ بچوں کی عالمی تنظیم ''یونیسیف'' کے مطابق اس وقت بھی 57 لاکھ بچے بیگار کیمپوں میں کام کر رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کونسل کے پانچویں اجلاس کے موقع پر جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق دنیا بھر میں بھوک اور ناقص غذائیت کے باعث ہر سال 5 سال سے کم عمر کے 60 لاکھ بچے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ دنیا میں ہر آٹھ بچوں میں سے ایک بچہ انسانی نامناسب اور خطرناک ماحول میں کام کر رہا ہے۔

آئی ایل او کے مطابق دنیا بھر میں 5 سے 14 سال کی عمر کے 25 کروڑ بچے مزدور ہیں۔ اور 20 لاکھ بچے انتہائی خطرناک ماحول میں صنعتوں سے وابستہ ہیں۔ ''جنگ ڈویلپمنٹ رپورٹنگ سیل'' کی تیار کردہ ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان بھر میں اس وقت 33 لاکھ بچے جبری مشقت کا شکار ہیں۔ ان میں 5 سے 14 سال کے 8.3 فیصد بچے باقاعدہ ''چائلڈ لیبر فورس'' کا حصہ ہیں۔

''یونیسیف'' کی ایک رپورٹ کے مطابق ملک بھر میں گھروں، کارپٹ اور کپڑے کی بنائی میں کام کرنے والے، گھروں میں کام کرنے والے بچے بعض اوقات ورکشاپوں اور دکانوں میں کام کرنے والوں سے بھی بدتر حالات کا سامنا کرتے ہیں۔ حاصل یہ کہ وطن عزیز میں تو بھٹوں پر مزدوری سے لے کر بھیک منگوانے اور گردوں کی چوری سے لے کر

Marfat.com

بیگار تک سب کچھ کروایا جاتا ہے جو ''اسلامی جمہوریہ'' کہلوانے والوں کے لیے کلنک کے ٹیکے سے کم نہیں۔

افغانستان کی اس وقت اقتصادی، سیاسی، سیکورٹی، طبی، تعلیمی اور معاشرتی صورتحال انتہائی تشویشناک ہے اور خطرناک حدوں کو چھو رہی ہے۔ افغانستان کے مغربی صوبے ہرات میں ''زیرکوہ'' وادی اور جنوبی صوبے ہلمند میں نیٹو طیاروں کی وحشیانہ بمباری سے کئی معصوم بچوں شہید ہوگئے تھے۔ جس پر ہرات کے گورنر نے نیٹو فوج پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ طالبان کے خلاف کارروائی کے نام پر معصوم بچوں اور بے گناہ افغان شہریوں کو نشانہ بنانے کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے۔

اکتوبر 2001ء سے 2013ء تک ایسے درجنوں واقعات ہو چکے ہیں جن میں ہزاروں کی تعداد میں بچے خاک وخون میں لت پت ہوئے ہیں۔ افسوس کہ یہ سلسلہ بوقت تحریر جاری ہے۔ آئے روز امریکی واتحادی اندھی بمباری سے درجنوں معصوم بچے شہید ہو رہے ہیں، لیکن افغانستان کے کٹھ پتلی صدر، مگرمچھ کے آنسو بہا کر یہ کہہ کر بری الذمہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں کہ مغربی فوجیوں پر مجھے کنٹرول نہیں اور وہ میرا حکم نہیں مانتے۔

ایک سروے رپورٹ کے مطابق افغانستان میں 30 فیصد بچے پانچ سال عمر ہونے سے قبل ہی موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ صرف کابل میں 60 ہزار سے زائد ننھے بچے بازاروں اور سڑکوں پر محنت مزدوری کرتے ہیں۔ بچوں کے عالمی دن کے موقع پر اخبارات میں کابل کے ایک 5 سالہ پھول سے بچے کی دلخراش تصویر چھپی ہے۔

یہ بچہ سڑک کے کنارے سر جھکائے افسردہ بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے وہ انڈے ٹوٹے پڑے ہیں جنھیں وہ فروخت کرنے نکلا تھا۔ آنسو بہاتے ہوئے وہ بتا رہا ہے کہ ان انڈوں کے ٹوٹنے سے 50 روپے کا نقصان ہوا ہے جس کی وجہ اسے سخت ڈانٹ اور شدید قسم کی مار پڑے گی۔ اور یہ معصوم سا بچہ زبانِ حال سے کہہ رہا ہے۔ میں صبح سویرے اٹھتا ہوں اور اٹھتے

Marfat.com

ہی چل پڑتا ہوں تاکہ گلیوں میں، بازاروں میں اور کوڑے کے انباروں میں، اپنی روزی ڈھونڈوں۔اے عالمی انسانی حقوق کے علمبردارو! کچھ تو سوچو! میں اک پانچ سال کا بچہ ہوں۔

میرا سوال یہ ہے کیا بچوں کا عالمی دن ان جیسے معصوموں کے آنسو پونچھ سکتا ہے؟ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے بچوں کی حفاظت کے لیے جو کچھ کرسکتا ہے، کرے۔ بچوں کے استحصال کے خلاف ہر سطح اور ہر فورم پر آواز بلند کرے۔ اسی سے بہتری آئے گی، ان شاء اللہ!!

Marfat.com

1 / 11

بچے اور ورزش/ بچوں کیلئے پلاننگ کریں

صفائی ستھرائی اور گھر کی تزئین و آرائش سکھانا نہایت ضروری ہے۔ گھر میں موجود افراد کی خدمت کرنا، ان کی دل جوئی کے کام کرنا بھی سکھائیں۔ سب سے اہم بات جو بڑی بچیوں کو سکھائی جائے وہ یہ ہے کہ وہ ''پیا گھر'' سدھارنے کے بعد اپنے ہمسفر اور شوہر کے ساتھ کیسے زندگی گزاریں؟ شوہر کے ساتھ ڈیلنگ کیسے کرنی ہے؟ کیسے رہنا ہے؟

کتنا افسوسناک منظر ہوتا ہے جب شادی کے چند ماہ بعد ہی نئی نویلی دلہن اپنے ماتھے پر طلاق کا بدنما داغ سجائے واپس آرہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد معاشرے میں اس کا جینا مشکل ہوجاتا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے تک مائیں بظاہر اَن پڑھ، مگر اعلیٰ اخلاق، اقدار اور اسلامی تہذیب و تمدن اور معاشرتی اصولوں پر مکمل عمل پیرا ہوتی تھی۔ اپنی اولاد خصوصاً بچیوں کی ایسی تربیت کرتی تھیں کہ وہ سسرال جاکر خدمت اور سلیقہ مندی کی وجہ سے پورے گھرانے کی آنکھ کا تارا بن جایا کرتی تھیں۔ مائیں اپنی بچیوں کو رُخصتی کے وقت تاکید کرتی تھیں کہ بیٹی! کچھ بھی ہوجائے اپنا گھر بسانا ہے، واپس نہیں آنا جبکہ آج کل چھوٹی چھوٹی باتوں پر بیٹیاں روٹھ کر ماؤں کے گھر آجاتی ہیں۔

مائیں بھی ایسی ہوتی ہیں کہ وہ نہ صرف اس ناپسندیدہ عمل کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں بلکہ لڑائی اس حد تک بڑھادیتی ہیں کہ نوبت طلاق تک آجاتی ہے۔ گویا لڑکیوں کے گھر اُجاڑنے میں ماڈرن، پڑھی لکھی، مگر درحقیقت جاہل ماؤں کا سب سے اہم کردار ہے۔ میں

Marfat.com

بذاتِ خود ایسی کئی عورتوں کو جانتا ہوں جن کا گھر ان کی ماؤں کی انانیت اور تکبر و غرور کی وجہ سے تباہ ہوا۔ خدارا! اس سے بچنے کی کوشش کریں۔

اب ہم بچوں کی تربیت سے متعلق چند ایسی باتیں ذکر کرتے ہیں جن کے اپنانے سے خواتین وحضرات اپنے بچوں کے مستقبل کو اچھا بنا سکتے ہیں۔ ان کی اولاد نافرمانیوں سے بچ سکتی ہیں۔ یاد رکھیں! بچے کے ساتھ مضبوط رابطہ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

تربیت کے ماہرین نے تربیت کے متفقہ اصولوں میں سے بچے اور والدین کے درمیان رابطہ وتعلق کا مضبوط ہونا بھی بتایا ہے تا کہ تربیتی اثرات اچھے پڑیں اور خوب عمدگی سے علمی، نفسیاتی اور اخلاقی تربیت ہو سکے۔ اگر والدین، بچے یا طالب علم اور استاد کے درمیان دوری یا نفرت ہوگی تو ایسی صورت میں نہ بچہ کچھ حاصل کر سکے گا اور نہ اس کی تربیت ہو سکے گی۔

اس لیے والدین پر لازم ہے کہ وہ ایسا رویہ اپنائیں جس سے بچے کے ساتھ ان کا تعلق مضبوط ہو، آپس میں تعاون کی فضا قائم ہو اور بچے ان کی شفقت ومحبت محسوس کریں۔ ان رویوں میں سے ایک یہ ہے کہ بچے سے مسکراہٹ کے ساتھ ملا جائے۔ بچہ اگر اچھا کام کرے یا پڑھائی میں اچھی کارکردگی دکھائے تو انعام دے کر اس کی ہمت افزائی کرنی چاہیے۔

بچے کو یہ احساس دلایا جائے کہ اس کا خصوصی خیال رکھا جا رہا ہے۔ اس سے محبت و شفقت برتی جا رہی ہے۔ بچے کے ساتھ حسن اخلاق اور نرمی سے پیش آنا چاہیے۔ بچے کی جائز اور چھوٹی موٹی خواہش پوری کی جائے تا کہ وہ احساس محرومی یا احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔ کبھی کبھی بچے کے ساتھ خوب گھل مل جائیں، اس سے ہنسی مذاق کریں اور اس کے ساتھ بچہ بن جائیں۔

اگر آپ چاہتے کہ آپ کا بچہ آپ کی بات مانے اور آپ کی نصیحت اور باتوں کو کان لگا کر سنے تو آپ کو چاہیے کہ آپ اسلام کی ان ہدایات پر عمل کریں جو اس نے بچے کو خود

Marfat.com

سے مانوس کرنے کے لیے دی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں۔ جو طریقہ آپ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اختیار کیا تھا آپ بھی اسے اپنانے کی بھرپور کوشش کریں۔

اگر آپ نے ایسا کرلیا تو آپ نے تربیت کا صحیح اور بہترین طریقہ اختیار کرلیا۔ پھر آپ اپنے بچے کے دل کے مالک ہوجائیں گے۔ آپ کی محبت اس کے دل میں سرایت کرجائے گی۔ وہ آپ کا گرویدہ ہوجائے گا۔ آپ کی ہر نصیحت کو قبول کرے گا اور آپ کی کوششیں نتیجہ خیز ثابت ہوں گی۔

دنیا کے اکثر مذاہب نے والدین کو اپنی اولاد پر غیر محدود اختیارات دیے تھے جبکہ اولاد کے حقوق سے خاموش تھے، مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تو اولاد کے حقوق و فرائض مقرر فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے، ہمارے بڑوں کا اَدب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔'' اسلام نے جہاں بچوں کو جینے کا حق دیا ہے، وہیں ان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ان کے والدین پر عائد کی ہے کیونکہ اولاد کو عالم وجود لانے کا واسطہ ان کے والدین ہی ہیں۔

اسلام سے قبل عرب اور دیگر ممالک میں اولاد کی قتل کا رواج تھا۔ عموماً تین وجوہ کی بنیاد پر وہ اپنی اولاد کو قتل کرتے تھے۔ اپنے وقت کی دیوتاؤں کی خوشنودی کی خاطر یا منتیں مان کر اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے تھے۔ معیشت کا بحران تھا۔ اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرتے تھے کہ ان کے لیے گزراوقات کا بندوبست کرنا پڑے گا۔ ننگ و عار کے باعث وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے تھے۔ اسلام نے اپنی اولاد کے قتل کو معاشرے کی تباہی و بربادی کا سبب قرار دیا۔

قرآن کریم کی سورۃ النحل کی آیت نمبر 58 ہے: ''وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ۔ ترجمہ: ''جب ان میں سے کسی کو بچی کی ولادت کی بشارت

Marfat.com

دی جاتی تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا تھا۔"

قرآن کی سورت بنی اسرائیل کی آیت نمبر 31 ہے: "وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُم إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْءاً كَبِيْراً۔ ترجمہ: "" اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم تمہیں رزق دیں گے، انہیں بھی یقیناً ان کو قتل کرنا بڑی خطا ہے۔"

قرآن کی سورۃ الانعام کی آیت نمبر 151 ہے: "قُلْ تَعَالَوْاْ أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَلَا تَقْتُلُوْاْ أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُواْ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوْاْ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَo"

ترجمہ: "(ان سے) کہو کہ: "آؤ، میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے (درحقیقت) تم پر کونسی باتیں حرام کی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور غربت کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق بھی دیں گے، اور ان کو بھی۔ اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی، اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطاء کی ہے اسے کسی برحق وجہ کے بغیر قتل نہ کرو۔ لوگو! یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تمہیں کچھ سمجھ آجائے۔"

بخاری شریف کی روایت ہے: ایک صحابی نے دریافت کیا: "یارسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟" فرمایا: "شرک۔" پھر دریافت کیا: "اس کے بعد؟" فرمایا: "ماں باپ کی نافرمانی۔" پھر عرض کیا: "اس کے بعد؟" فرمایا: "یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے ماڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔"

Marfat.com

اولاد اللہ کا انعام ہے۔ دنیا میں اولاد سے زیادہ میٹھا پھل نہیں ہے، اس لیے اولاد کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے اور منہ میٹھا کرنا چاہیے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نومولود بچے لائے جاتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور چبا کر اور نرم کر کے ان کے تالو پر لگاتے تھے۔ اس کے لیے خیر و بھلائی کی دعا بھی فرماتے تھے۔'' ساتویں دن بچے کا نام تجویز کیا جائے اور اس کے بال اُترواکر اس کی طرف سے اس کا عقیقہ کیا جائے۔

پیدائش کے بعد دائیں کان میں اذان، بائیں کان میں اقامت کہنی چاہیے تاکہ شیطان جو گھات لگائے بیٹھا ہے فوراً بھاگ نکلے اور اس سے بچے کے اندر اچھی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ اچھا نام رکھنا چاہیے جس میں ترقی و کامیابی کے معنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن تمہارے ناموں کے ساتھ پکارا جائے گا، اس لیے بہتر نام رکھا کرو۔'' نیز فرمایا: ''ناموں میں اچھا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے۔''

بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت کرنی چاہیے۔اس لیے سات سال کی عمر میں انہیں نماز کا حکم کرنے اور دس سال عمر میں نماز چھوڑنے پر مارنے کا حکم دیا ہے۔ بچوں سے پیار کرنا چاہیے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں حضرت حسنؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت اقرع بن حابسؓ تشریف لائے اور عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپ بچوں سے پیار کرتے ہیں۔ میرے دس بچے ہیں، مگر میں نے ان میں سے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور فرمایا: ''اگر اللہ نے تیرے دل سے رحم اور شفقت نکال لیا ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔''

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی ''آپ بیتی'' سے ایک واقعہ سنیں۔ وہ فرماتے ہیں: ''زمانہ طالب علمی کا دور تھا۔ مجھ پر بزرگی کا جوش سوار ہوا۔ میں نے مغرب کے بعد حضرت

Marfat.com

گنگوہیؒ کے حجرے کے سامنے لمبی نفلیں پڑھنا شروع کر دیں، مگر بزرگی کا یہ نشہ اس وقت ختم ہو گیا جب اَبا جان نے آ کر زوردار تھپڑ مارا اور فرمایا: ''سبق یاد کیا نہیں جاتا اور آئے ہیں بزرگ بننے!''

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اپنے بچپن کی یادیں تازہ کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں: ''میرے چچا جانؒ اس زمانے میں مغرب کے بعد سے عشاء کی اذان کے قریب نفلوں سے فارغ ہوا کرتے تھے، لیکن والد صاحب مختصر نوافل کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیتے۔ اس وقت مجھے بہت غصہ آیا کہ خود تو پڑھتے نہیں دوسروں کو بھی نہیں پڑھنے دیتے، مگر میں جلدی ہی سمجھ گیا کہ بات صحیح تھی، وہ نفلیں بھی علم سے روکنے کے واسطے ایک شیطانی حربہ تھا۔ اس لیے جب نوافل پڑھنے کا دور آیا، اب نفس بہانے ڈھونڈتا ہے۔''

اگر آج بھی والدین حضرت مولانا یحییٰ کاندھلویؒ جیسی فکر مندی اور بالغ نظری سے تربیتِ اولاد فکر کریں تو کوئی وجہ نہیں آج بھی بیٹے حضرت شیخ الحدیثؒ کی زندہ تصویر بن کر چلتے ہوئے نظر آئیں۔ سچ ہے کہ آج مسلمانوں نے اولاد کی تربیت چھوڑ دی تو معاشرہ برائیوں کا گڑھ بن چکا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اولاد کی تربیت کو پہلا مقصد بنائیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ بچوں کے لیے چوبیس گھنٹوں کا شیڈول مقرر کر کے بچے کو اس کے مطابق چلائیں تا کہ وہ اس کا عادی بن جائے، اس پر عمل کرتا رہے اور مستقبل میں اس کو اپنے لیے ایک مانوس چیز سمجھے۔

یہ کتنی اچھی بات ہوگی کہ جب آپ خود اور آپ کا بچہ نیند سے بیدار ہو تو اللہ کا نام لے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ مسنون دعا پڑھی جائے۔ پھر آپ کو چاہیے کہ آپ اسے بیت الخلا میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں اور استنجا کے آداب سکھائیں۔ اس کو یہ سکھائیں کہ

Marfat.com

جب وہ بیت الخلا سے نکلے تو پانی یا صابن سے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے۔ پھر اس کو وضو کرنا سکھائیں۔

بچے کو بتائیں کہ رات کو کچھ نہ کچھ نفل نماز پڑھ لیا کرے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھ جائے تو اسے نماز کی ابتدا دو ہلکی پھلکی رکعتوں سے کرنی چاہیے۔''

بچی کو گھر میں نماز پڑھوایئے اور بچے کو یہ بتایئے کہ وہ فجر کی نماز مسجد جا کر پڑھا کرے۔ اسے اذان کے بعد کی دعا سکھائیں۔ بچے کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد تسبیحات پڑھنا اور دعا کرنا سکھائیں۔ اس کو صبح کے وقت پڑھے جانے والے اذکار بتایئے۔ پھر اس کے ساتھ ہلکی پھلکی ورزش کیجیے یا ورزش کروایئے۔

بچہ اگر طالب علم ہو تو اس کو وہ اسباق یاد کرانا چاہیے جو اس کے ذمہ لگائے گئے ہیں۔ جو کچھ اس نے مطالعہ کیا ہے اسے دُہرایا جائے۔ اگر ماں خود بچے کی تعلیم و اصلاح اور رہنمائی کے لیے وقت نہ دے سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ دوسرے اساتذہ یا بڑے بچوں سے یہ کام لے لے۔

اس کو ناشتہ کے آداب بتائیں۔ اس کو یہ بتائیں کہ وہ کپڑے پہننے میں پہلے دائیں سے ابتدا کرے اور اتارتے وقت پہلے بائیں سے اتارے۔ آپ اس کو گھر سے نکلنے کی دعا سکھائیں۔ آپ اس کو یہ بتائیں کہ وہ خطرہ کی جگہ پر احتیاط سے چلے۔ اس طرح کہ گاڑیوں سے دور رہے اور سڑک کے بیچ میں چلنے سے بچے۔

اسی طرح بچے کو یہ تربیت دیں کہ زمین پر کوئی ایسی چیز نہ پھینکے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔ خصوصاً ایسی چیزیں جن سے انسان کے پھسلنے کا خطرہ ہو۔ مثال کے طور پر کیلے کے چھلکے اور چکنی چیزیں۔ اسے یہ بھی تعلیم دیں کہ وہ راستے سے ایسی چیزیں ہٹا دیا کرے جو چلنے والوں کو نقصان پہنچانے والی ہوں۔ کانٹے، پتھر اور دیگر تکلیف پہنچانے والی چیزیں۔

Marfat.com

اس کو راستے میں چلنے اور سلام کرنے کے آداب سکھائیں۔ شام کو سرپرست اور والدین یہ ترتیب اختیار کریں۔

کوشش کیجیے کہ بچوں کی مغرب و عشا کی نماز مسجد میں اور بچیوں کی گھر میں ادا ہو۔ جماعت کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے بچوں کے ساتھ مسنون دعائیں اور وظائف پڑھیں۔ یہ دعائیں اور اذکار اپنے بچوں کو سکھانے سے پہلے خود ان کا ورد پابندی سے کریں۔ بچے گھر کے لیے دیا گیا کام صحیح طریقے سے پورا کریں۔

اچھی طرح سے اسباق یاد کریں اور خوب محنت سے ہر مضمون حل کریں۔ ان کو ہمیشہ یہ نصیحت کریں کہ اپنا کام عمدگی سے کریں۔ اپنی تعلیم کو شاندار طریقے سے پورا کریں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ درج ذیل فرمان مبارک پورا ہو جسے حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اِذَا عَمِلَ اَحَدُکُمْ عَمَلًا اَنْ یُّتْقِنَہٗ.» ”اللہ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کام کرے تو اسے خوب اچھی طرح سے کرے۔“

گھر کا ماحول بچوں پر انتہائی اثر انداز ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جن گھروں میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں۔ ہر وقت تناؤ کا ماحول رہتا ہے، ان کے بچے سہمے سہمے نظر آتے ہیں۔ ان کی شخصیت ادھوری رہتی ہے۔ اس لیے خاندان اور گھر کی فضا کو خوشگوار بنانے کی کوشش کریں۔

ایک طریقہ یہ ہے بچوں میں بامقصد علمی و معلوماتی مقابلے کرائیں جن کا مقصد ذہن کی تیزی، بلند ہمتی، علم کا شوق، معلومات میں اضافہ اور گھر کی فضا میں خوشی کی لہر دوڑانا ہو۔ بچوں کو کام کی باتیں، اچھے اچھے لطیفے اور مزے دار کہانیاں سنائیں۔ آپ کے یہ کام گھر کے بزرگ حضرات...... دادا دادی، نانا نانی...... وغیرہ اچھے طریقے سے سرانجام دے سکتے

Marfat.com

ہیں۔ پہلے زمانے میں بلکہ ہمارے زمانے میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔

اسی طرح وقتاً فوقتاً بچوں سے ورزش، کھیل کود، علم و ادب اور ایسے تاریخی واقعات پر گفتگو کریں جن کا مقصد اخلاقی پختگی اور فکری ذہن سازی ہو۔ معمول بنائیں کہ گھر کے سب افراد رات کو جلدی سوئیں۔ رات کو دیر سے سونا صحت کے لیے مضر ہے، اعصاب کو نقصان پہنچاتا ہے، صبح سویرے کی برکتوں کا قاتل اور فجر کی نماز چھوٹ جانے کا ذریعہ ہے۔

جلدی سونا اور جلدی اٹھنا دین داری کی علامت، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور تعلیم ہے۔ بچے سونے سے قبل مسنون دعا پڑھ کر سوئیں۔ سوتے وقت تہجد اور فجر کی نماز کے لیے اٹھنے کی نیت کریں۔ آپ نے مشاہدہ کرلیا کہ دن اور رات کے اس نظام نے ذکر، عبادت، اسلامی آداب کے ساتھ تفریح اور کھیل کود سب پہلوؤں کو جمع کیا ہے۔

روزانہ کے نظام میں کچھ وقت اس کے لیے بھی مخصوص کریں جس میں آپ بچوں سے یہ دریافت کریں کہ وہ کیا پڑھ اور سیکھ رہے ہیں؟ وہ اسلامی عقیدے، آداب اور اخلاق سے مختلف تعلیم و تربیت پا رہے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ ان کے افکار و خیالات کی اصلاح کریں۔ انہیں برے اور گمراہ اساتذہ سے بچائیں۔

جو لوگ اسلام کے خلاف زہر اُگل کر بچوں کو گمراہی کے جال میں پھانس رہے ہیں، ان سے اپنے بچوں کو بچانے کے لیے مناسب کارروائی کریں۔ آپ ہمیشہ اپنے بچوں کو اخوت و محبت اور تعاون و ایثار جیسی چیزوں کی تلقین کرتے رہیں تا کہ جب وہ بڑے ہوں تو آپس میں محبت اور ہمدردی ان کی عادت بن جائے اور وہ والدین کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک خوشی خوشی کرنے لگیں۔

آپ کو جب بھی موقع ملے ان کو تفریح کے لیے کسی باغ میں، سمندر کے کنارے اور کھلے میدان وغیرہ لے جائیں تا کہ ان کے جسم چاق و چوبند اور ذہن ہلکے پھلکے رہیں

Marfat.com

اور ورزش، تیراکی، گھڑسواری، نشانہ بازی اور کھیل کود کا اگر ان کو موقع نہیں ملا تو اس کی تلافی ہو جائے۔

◆ ◆ ◆

والدین پر یہ فریضہ بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ بچوں کے لیے علمی، ادبی اور تہذیبی وسائل فراہم کریں تا کہ بچہ پختہ عقل کا مالک اور علم و دانش کے لحاظ سے کامل و مکمل شخصیت بنے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ گھر کے ہر فرد کے لیے ایک خوبصورت، واضح الفاظ اور اعراب والا قرآن ہو۔ احادیث کی ایسی کتابیں جو بچوں کی عمر کے مطابق ہوں۔ عبادات سے متعلق ایسی کتابیں جو بچوں کی سمجھ کے مطابق ہوں۔

اسلامی عقائد سے متعلق ایسی کتابیں جو قصہ کہانی یا سوال جواب کے انداز میں بچوں کو بات سمجھا دیں۔ سیرت اور اسلامی تاریخ سے متعلق ایسی کتابیں جن میں پیار بھرے انداز اور آسان سی زبان میں قلم اٹھایا گیا ہو۔ ایسی فکر انگیز کتابیں جو بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق ہوں۔ ان میں یہ بتایا گیا ہو کہ اسلام ایک جامع و مکمل دین اور پوری زندگی پر محیط نظام ہے۔ علمی، تاریخی، ادبی اور معلوماتی کتابیں جو بچوں کی سمجھ کے مطابق ہوں۔

بچوں کو معیاری جرائد و رسائل کا خریدار بنائیں۔ بچوں کو ایسی کتابیں اور رسالے خرید کر دیں جو اُن کے لیے اخلاقی ادبی اعتبار سے مفید ہوں۔ وقتاً فوقتاً کتابوں کی نمائش میں لے جایا کریں۔ کچھ عرصے سے کراچی، اسلام آباد، لاہور اور دیگر بڑے شہروں میں کتابوں کی نمائشیں بڑی بڑی اور منظم طریقے سے ہو رہی ہیں۔ اس میں بچوں کو لے جانے کی کوشش کریں۔ اس سے آپ کے بچے میں کتابوں کا شوق پیدا ہوگا۔ ہم کراچی ایکسپو سینٹر منعقد ہونے والے 5 روزہ نمائش میں اپنے بچوں کو ضرور لے کر جاتے ہیں۔ بچوں پر اس کے بڑے اچھے اور مثبت اَثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

جو کتابیں بچوں کو پڑھنے کے لیے دیں وہ اسلامی نکتۂ نظر سے مستند اور علمی اعتبار

Marfat.com

سے معیاری ہوں۔ اس کی تحریروں سے گمراہی نہ جھلکتی ہو۔ اس میں ایسی تصویریں نہ ہوں جو اخلاق و شرافت کے منافی ہوں۔ مطالعے کا شوق ایسی چیز ہے جو انسان کی زندگی بنا دیتی ہے۔

بچوں میں مطالعے کا شوق پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں معیاری اور مفید کتابیں لاکر دی جائیں پھر ان میں مختلف مقابلے کروائے جائیں۔ کچھ مقابلے جلدی پڑھنے سے متعلق ہوں اور کچھ مقررہ وقت میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں کتابوں کے مطالعہ سے، پھر ان کا امتحان بھی لیا جائے اور مقابلہ بھی کروایا جائے۔

جو بچہ پوزیشن حاصل کرے، اس کی ہمت افزائی ہو اور پڑھائی کا شوق دلانے کے لیے اسے خصوصی انعامات دیے جائیں۔ اچھے کام اور عمدہ اخلاق پر بچے کی ہمت افزائی ہی وہ طریقہ ہے جس پر اسلامی تربیت کے ماہرین زور دیتے ہیں۔

حضرت امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''احیاء العلوم'' میں ایک جگہ لکھا ہے: ''بچہ جب کوئی کارنامہ انجام دے یا عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کرے تو مناسب یہ ہے کہ اس پر اس کو شاباش بھی دی جائے اور ایسا انعام بھی دیا جائے جس سے وہ خوش ہو جائے بلکہ اچھے اخلاق اور اچھے کاموں پر اس کی حوصلہ افزائی کے لیے لوگوں کے سامنے اس کی مناسب حد تک تعریف بھی کر دینی چاہیے۔''

اسی طرح بچے کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی ترغیب دی جائے اور اس مقصد کے لیے اس سے تعاون اور اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ بچوں کی دو الگ الگ قسموں کے درمیان تعلیم و روزگار کے حوالے سے فرق کریں۔ وہ بچے جو تعلیم میں اچھی کارکردگی دکھاتے ہیں، ایسے بچے عام طور سے ذہین اور ہوشیار ہوتے ہیں۔

ایسے بچے اگر اپنی تعلیم کو آخری منزل تک پہنچانا چاہتے ہوں تو ان کو اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کرنے چاہییں۔ وہ بچے جو تعلیم کے میدان میں پیچھے ہیں، یہ بچے عام طور سے

Marfat.com

ذہانت میں درمیانے درجے کے ہوتے ہیں یا کمزور ذہن کے ہوتے ہیں، اس لیے ایسے بچوں کو دین و دنیا کی ضروری تعلیم دینے کے بعد یہ ضروری ہے کہ جب ان کا استاد یا والد ان کی کمزوری کو محسوس کرلے تو فوراً انہیں کام کاج اور صنعت وحرفت کی طرف متوجہ کرے۔

ایسے حالات میں یہ بات غلط ہوتی ہے کہ سرپرست ان کی تعلیم کو جاری رکھے جب کہ اسے پتا ہو کہ وہ کمزور ذہن کا ہے، تعلیم جاری نہیں رکھ سکتا اور اسے زبردستی تعلیم دلوانے سے فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا۔ یاد رکھیں! بچوں کو ان کی ذہنی استعداد، مزاج اور ذوق کے مطابق کام دیں۔

ایک شخص کے دو بیٹے ہیں۔ دونوں کسی اسکول اور کالج میں نہیں گئے۔ رسمی تعلیم کے لیے انہوں نے کہیں باقاعدہ داخلہ نہیں لیا بلکہ گھر پر ہی پڑھ کر امتحان دیا۔ اوسط نمبروں سے کامیاب ہوگئے۔ اس کے دونوں بیٹے ٹینس اسٹار بننا چاہتے ہیں لہٰذا ان کا باپ انہیں کل وقتی ٹینس کی تربیت دلوا رہا ہے۔ بہترین ٹینس کوچ انہیں صبح شام ٹینس کی پریکٹس کرواتے ہیں۔ جو خرچہ ان کی تعلیم پر آنا تھا وہ ٹینس پر ہو رہا ہے۔

اب یہی بچے اگر اسکول کالج میں امتیازی نمبروں سے پاس ہوتے تو کسی کمپنی میں ملازمت تو یقیناً مل جاتی، مگر ٹینس اسٹار نہ بن پاتے۔ پاکستان جیسے ملک میں ٹینس کے کھیل میں مقابلہ بھی کم ہے کیونکہ زیادہ رجحان کرکٹ کی طرف ہے۔ اس لیے اگر انہوں نے فقط دو چار میچ ہی جیت لیے تو پاکستان کے لحاظ سے اسٹار ہی مانے جائیں گے، لیکن اپنی اولاد کے بارے میں ایسا ''رسک'' کوئی نہیں چاہتا۔

یہی وجہ ہے کہ ہم مختلف شعبوں میں انحطاط کا شکار ہیں کیونکہ ہم میں سے اکثریت وہ کام ہی نہیں کررہی جس کا ہمیں شوق ہے۔ والدین کے شوق کی تکمیل کی خاطر کسی شعبے کا انتخاب کرتے ہیں۔ اگر اس شعبے کے لحاظ سے نمبر کم ہوں تو پھر بلا سوچے سمجھے کسی بھی جگہ یہ سوچ کر داخلہ لے لیتے ہیں کہ ہمارے دوست نے بھی وہیں داخلہ لیا ہے۔ یہ ہے کیریئر

Marfat.com

پلاننگ کا نقطۂ عروج۔ یہ ہے کمالِ تربیت اور سمجھداری۔

آپ بھی ایسا ہی کریں۔ بچے کے ذہنی میلان کو مدنظر رکھ کر اس کے مستقبل کا فیصلہ کریں، ورنہ نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ کئی بچوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اگر بچے بلکہ نوجوان کو بھی اس کے ذوق اور شوق کے مطابق میدان اور کام مل جائے تو وہ جلدی ہی اس میں ترقی کر جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر وہ پیچھے اور نیچے ہی رہتا ہے۔ کوئی اعلیٰ بلکہ مناسب کارکردگی کا مظاہرہ بھی نہیں کر پاتا۔ یہ ہمارا بلکہ اکثر کا مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ اس سے فائدہ اُٹھائیں۔

Marfat.com

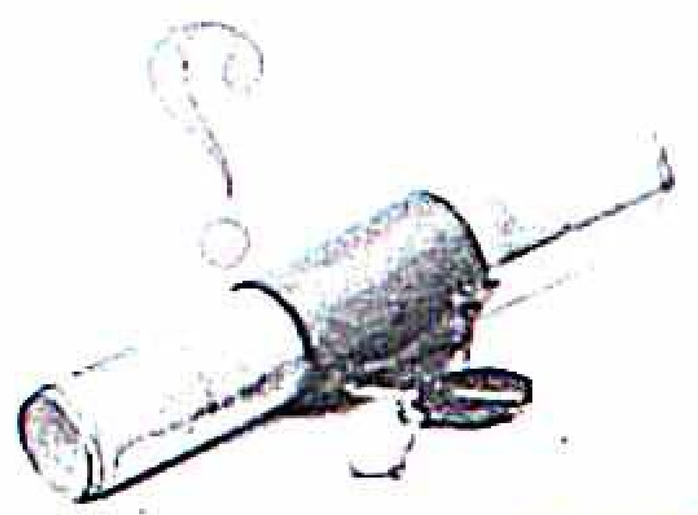

1 / 12

بچے اور واقعات / بچوں کو حکایتی انداز میں سمجھائیں

اب یہاں نونہالوں کے لیے چند تاریخی واقعات اور کہانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ بچوں کے لیے یہ سبق آموز بھی ہیں اور مشعل راہ بھی۔ یادش بخیر! فتح مکہ کے بعد ایک بڑے مجمع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تقریر فرمائی۔ تقریر کے بعد آپؐ نے مجمع کی طرف دیکھا۔ قریش کے وہ سب لوگ موجود تھے جن کی زبانیں ایک زمانے تک نازیبا الفاظ کے لیے وقف رہی تھیں۔ جو آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھا دیا کرتے تھے، آپؐ پر گندگی پھینکا کرتے تھے۔

جو وعظ کے وقت آپ کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے۔ جو آپ کے خون کے پیاسے تھے۔ جو قتل کرنے کی سازش کے منصوبے گانٹھا کرتے تھے۔ اس مجمع میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر اُن کے سینوں پر آگ کے جلتے انگارے رکھ کر اُن کے صبر و استقلال کا اچھی طرح امتحان لیا تھا، بلکہ قریش کا وہ خاندان بھی موجود تھا جس کی ایذا رسانیوں نے آپ کو گھر سے بے گھر کر کے مدینے میں بھی چین سے نہ رہنے دیا تھا۔

آپؐ نے اُن کی طرف دیکھا اور پوچھا: ''تمھیں معلوم ہے میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ سب پکار اُٹھے: آپ شریف اور کریم بھائی ہیں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''تم پر کچھ

Marfat.com

الزام نہیں۔ جاؤ! تم سب کو میں نے معاف کیا۔'' ہندہ جس نے انتقامِ بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بدلہ لیا تھا، اُن کے ناک کان کاٹ کر ہار بنایا تھا، اپنے گلے میں پہنا تھا، آپ کے عزیز چچا کے جگر کے ٹکڑے اپنے دانتوں سے چبائے تھے۔

فتح مکہ کے دن آپؐ کے رُوبرو آئی۔ آپؐ نے اُس کو بھی معاف فرمایا، اُس ناگوار واقعہ کا ذکر بھی زبان پر نہ لائے۔ یہ حسنِ سلوک دیکھ کر وہ بولی: ''یارسول اللہ! آپ کے اِس خیمے سے مجھے پہلے بہت نفرت تھی، مگر آج اس سے زیادہ مرغوب کوئی چیز نہیں۔''

جنگِ بدر میں جب 313 بے سروسامان مسلمان ایک ہزار مسلح فوج کے مقابلے میں صف آرا تھے۔ قریش کو اپنے سامان و جمعیت پر بڑا ناز تھا۔ آپؐ ذرا بھی نہ گھبرائے اور اپنے عزم پر قائم رہے۔

جنگِ بدر میں مسلمانوں کو کفارِ مکہ پر نہایت عظیم الشان فتح ہوئی۔ بہت سے کافر مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ آپؐ نے اُن تمام قیدیوں کو دو دو چار چار کر کے سب صحابہؓ میں تقسیم کر دیا۔ جن کے پاس کپڑے نہ تھے، اُن کو کپڑے دلائے۔ صحابہؓ کو تاکید کہ ان کو نہایت آرام سے رکھا جائے۔

صحابہؓ نے قیدیوں کو اپنے مقدور بھر اچھی طرح رکھا، حتیٰ کہ اُن کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتے، خود بھوکے رہتے تھے۔ انہی قیدیوں میں سے ایک قیدی کا بیان ہے: ''مجھ کو جس انصاری نے اپنے گھر رکھا تھا، وہ دونوں وقت کھانا لاتے تھے۔ روٹی سالن میرے سامنے رکھ دیتے۔ خود چند مٹھی کھجوریں کھا کر بسر کرتے تھے۔''

آپؐ نے صحابہؓ کو بلا کر مشورہ کیا ان قیدیوں کے معاملے میں کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی: ''سب اپنے عزیز واقارب ہیں، فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔'' حضرت

Marfat.com

عمرؓ نے رائے دی: ''سب کو قتل کر دیا جائے، بلکہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو قتل کرے۔'' آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔

فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا، لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے، وہ ویسے ہی چھوڑ دیے گئے۔ حضرت عباسؓ آپؐ کے چچا بھی گرفتار کر کے سامنے لائے گئے۔ لوگوں نے سفارش کی ان سے فدیہ نہ لیا جائے، لیکن آپؐ نے فرمایا: ''میرے لیے سب برابر ہیں۔''

◆ ◆ ◆

ایک صحابیؓ بیان کرتے ہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ خرید و فروخت کی بات چیت کی۔ معاملہ ابھی طے نہیں ہوا تھا میں نے آپؐ سے عرض کیا: ''میں پھر آپ سے بات طے کروں گا۔ ذرا گھر ہو آؤں۔ آپ یہیں ٹھہرے رہیے۔''

اتفاق سے گھر جا کر مجھے مصروفیات میں اپنا وعدہ یاد نہ رہا۔ تیسرے روز جب میں اُس جگہ سے گزرا جہاں میں اُن سے ملنے کا وعدہ کر آیا تھا تو آپ کو موجود پایا۔ آپؐ کو دیکھ کر میں بہت شرمندہ ہوا۔ نہ معلوم اپنے دل میں حضرت کیا کہتے ہوں گے۔ آپؐ نے مجھے دیکھ کر صرف اس قدر فرمایا کہ تم نے مجھے بہت تکلیف دی۔ میں تمہارے انتظار میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔

◆ ◆ ◆

جنگِ احد میں آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اکثر صحابہؓ نے مدینے سے باہر نکل کر لڑنے کا مشورہ دیا۔ جب آپؐ ہتھیار باندھ کر نکلے تب بعض صحابہؓ نے رُک جانے کا مشورہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کا رسول زرہ پہن کر اُتار نہیں سکتا۔

◆ ◆ ◆

جب کفارِ طائف نے آپؐ کی ایذا رسانی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تو صحابہؓ نے عرض کیا:

Marfat.com

''کفار کے واسطے بددعا کیجیے۔'' آپ ؐ نے فرمایا: ''میں دنیا میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''
ہبار بن اسود وہ شخص ہے جس کے ہاتھوں آپ ؐ کو بہت دُکھ پہنچے۔ خصوصاً آپ کی جگر گوشہ حضرت زینبؓ کو جب وہ ہجرت کر کے مکے سے مدینے تشریف لے جا رہی تھیں، اُس نے اُن کو اونٹ سے گرا کر مارا تھا۔ اُن کے علاوہ اور مسلمانوں کو بھی اُس نے سخت تکلیفیں پہنچائی تھیں۔

جب مکہ فتح ہوا تو اُس کا نام اشتہاری مجرموں میں تھا جہاں کہیں ملے قتل کر دیا جائے۔ اُس نے بہت کوشش کی بھاگ کر ایران چلا جاؤں، مگر ناکام رہا۔ آخر مجبوراً کسی طریقے سے بچ بچا کر آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ عرض کیا: ''یارسول اللہ! میں چاہتا تھا بھاگ کر ایران چلا جاؤں، مگر آپ ؐ کا حلم وعفو سامنے آیا تو بھاگنے اور دور رہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ آپ ؐ کو جو کچھ میرے جرائم اور ناسزاوار باتوں کا پتہ لگا ہے اور میری غلطیوں کی جو خبر آپ کو پہنچی ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ واقعی میں خطاوار اور قصوروار ہوں۔ مجھے اپنے جرموں کا اعتراف ہے، مگر اب میں معافی کا خواستگار ہوں اور مشرف باسلام ہوتا ہے۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے؟'' آپ ؐ نے اُن کے سب گزشتہ جرائم معاف کر دیے۔ اس خُلقِ عظیم کو دیکھ کر وہ مشرف باسلام ہو گئے۔ آپ ؐ کی نیک جماعت میں داخل ہو گئے۔

◇ ◆ ◇

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک قافلہ اُترا۔ آپ ﷺ کا بھی اُدھر سے گزر ہوا۔ وہاں آپ ﷺ کو ایک اونٹ بہت پسند آیا۔ قیمت دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے اس کو اونٹ والے سے لے کر گھر کی راہ لی۔ بعد میں قافلے والوں کو خیال آیا ایک اجنبی شخص کو اونٹ دے دیا۔ معلوم نہیں قیمت دے گا یا نہیں؟ ہوسکتا ہے اُس سے قیمت وصول نہ ہو۔ ہم کو دھوکہ دے گیا ہو۔ غرض وہ اپنے کیے پر پچھتائے اور نادم ہوئے۔ اُس قافلے میں ایک عورت تھی، اُس نے کہا گھبراتے کیوں ہو؟ ڈرنے اور افسوس کرنے کی کوئی بات نہیں۔ قسم خدا کی! ایسا روشن

خاندانی نظام اسے بچائیں

Marfat.com

چہرہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ دھوکہ باز کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ یہ ممکن نہیں اُس جیسا انسان دھوکہ دے۔ جب رات ہوگئی تو آپؐ نے اونٹ کی قیمت کے برابر کھجوریں بھجوادیں اور ان لوگوں کے لیے کھانا بھی ارسال فرمایا۔

ایک مرتبہ آپؐ ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے۔ ایک کافر تلوار کھینچ کر بولا: ''اے محمدؐ! اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا۔'' آپؐ نے فرمایا: ''اللہ۔'' اس عزم واستقلال کو دیکھ کر اُس کے دل پر اس قدر خوف چھایا تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ وہ خود دہشت سے بیٹھ گیا۔

جب صدائے توحید نے بتوں کی دھجیاں اُڑانی شروع کردیں تو قریش نے آپؐ کے چچا ابوطالب سے جاکر شکایت کی کہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں۔ وہ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ ابوطالب نے سمجھا بجھا کر اُن کو واپس کردیا، مگر آپؐ اپنے فرائض ادا کرنے میں لگے رہے۔
چند روز کے بعد پھر بڑے بڑے آدمی جمع ہوکر ابوطالب کے پاس پہنچے۔ کہا: ''ہم آپ کی وجہ سے خاموش ہیں، مگر آپ اپنے بھتیجے کو منع نہیں کرتے۔ ہم یہ کیونکر گوارا کرسکتے ہیں ہمارے بتوں کی توہین خود ہمارے ہی رُوبرو کی جائے۔ ہمارے بزرگوں کو گمراہ اور ہم کو بُرا بھلا کہا جائے۔ ہم آپ کی عزت کرتے ہیں، اس لیے کاموش رہے۔
اب ہم یہ باتیں زیادہ دیر برداشت نہیں کرسکتے۔ اپنی بُرائیاں اپنے منہ پر سننے کی زیادہ تاب نہیں۔ بہتر ہے آپ اپنے بھتیجے کو سمجھالیں یا آپ خود درمیان سے ہٹ جائیں ورنہ آپ دونوں میدان میں نکل آئیں تاکہ ہمارا آپ کا فیصلہ ہوجائے۔''
ابوطالب نے دیکھا اب حالت نازک ہوچکی ہے۔ قریش اب کسی طرح ماننے والے نہیں، میں اکیلا سب کا مقابلہ کیونکر کروں گا۔ آخر مجبور ہوکر آپؐ سے سارا حال بیان کیا: ''اے چچا کی جان! آنکھوں کی ٹھنڈک! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں اس کو اُٹھا بھی نہ سکوں۔''

Marfat.com

یہ سن کر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمانے لگے: ''چچا جان! آپ کیا فرماتے ہیں، اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند بھی لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کروں گا۔ اے خدا! تُو ہی اپنے کام کو پورا کرے گا یا میں اس راہ میں قربان ہو جاؤں گا۔''

آپؐ کی ان باتوں کا اثر ابوطالب کے دل پر اس قدر ہوا اُن کو بھی کہنا پڑا: ''اچھا اپنا کام کیے جاؤ، کوئی شخص تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' قریش نے جب کسی طرح بھی اپنی دال نہ گلتی دیکھی تو عقبہ کو اپنا نمائندہ مقرر کر کے آپؐ کی خدمت میں بھیجا۔

اُس نے حاضر ہو کر عرض کیا: ''اے محمدؐ! یہ بتاؤ کہ آخر چاہتے کیا ہو؟ کیا مکہ کی حکومت پسند ہے؟ یا کسی بڑے گھرانے میں شادی کرنا چاہتے ہو؟ یا بہت سی دولت لا کر ہم تمہارے سامنے ڈھیر کر دیں؟ ہم تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہیں۔ تم کسی طرح معاملات میں دخل دینا چھوڑ دو اور ہمارے بتوں کی بُرائیاں نہ کیا کرو۔

آپؐ نے ان تمام چکنی چپڑی باتوں کے جواب میں صرف یہ فرمایا: ''میں تو خدا کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ جو چیزیں تم پیش کرتے ہو، مجھے اُن سے کیا تعلق پھر آپ نے قرآن کی چند آیتیں پڑھیں جن کا ترجمہ یہ ہے: ''اے محمدؐ! کہہ دو میں تم ہی جیسا آدمی ہوں، مگر مجھ پر وحی آتی ہے۔ کہہ دو تمہارا خدا بس وہی ایک خدا ہے، لہٰذا اُس کی طرف رجوع کرو۔ نیک کام کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

عقبہ یہ باتیں سن کر دم نہ مار سکا۔ اپنی قوم سے جا کر کہنے لگا: ''میری رائے میں تم محمدؐ سے کچھ نہ کہو، اُن کو انہی کے حال پر چھوڑ دو۔ جو کلام وہ سناتے ہیں وہ شاعری نہیں وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو اس میں تمہاری عزت ہے، اگر ناکام رہے تو خود بخود تباہ ہو جائیں گے، مگر قریش نے عقبہ کی ایک نہ سنی۔ اُن کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔''

Marfat.com

قریش نے باہمی مشورے کے بعد یہ طے کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان سے لین دین خرید و فروخت اور سب معاملات بند کر دیے جائیں، چنانچہ سب مراسم ترک کر دیے گئے۔ یہاں تک کہ کھانے پینے کی چیزیں بھی میسر نہ آ سکتی تھیں۔ قریش کا یہ معاہدہ صرف زبان ہی تک نہ تھا، بلکہ یہ تحریر خانہ کعبہ کے دروازے پر نمایاں طور سے لکھ کر لگا دی گئی تھی، تاکہ سب مخالفینِ اسلام اس پر کاربند ہوں۔ قریش نے بنی ہاشم سے مراسم کیا ترک کیے، اُن پر مصیبتوں کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

ایسی حالت میں اہلِ مکہ سب دُشمن تھے۔ بنی ہاشم نے مکہ کی سکونت کو خیر باد کہا۔ شعبِ ابوطالب میں جا کر پناہ لی۔ یہاں تک ایک درّے میں جو بنو ہاشم کا موروثی چلا آ رہا تھا، آباد ہو گئے۔ آپؐ کو یہاں رہتے تین سال کا عرصہ ہو گیا۔

اس اثناء میں بڑی بڑی تکالیف کا سامنا ہوا، مگر سب اللہ کی مدد سے سہل ہو گئیں۔ کھانے پینے کا سامان ہاتھ آ گیا تو کھا پی لیا، ورنہ کئی کئی روز فاقے سے گزر جاتے تھے۔ ننھی بچی حضرت فاطمہ بھی اس مصیبت میں اپنے ماں باپ کے شریکِ حال تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے گیہوں اپنے ایک غلام کے ہاتھ بھیجے۔ ابوجہل نے کہیں دیکھ لیا۔ غلام کو لے جانے سے روکا۔ اتفاقاً وہاں ایک اور شخص بھی آ نکلا۔ گو وہ بھی مخالف تھا، لیکن اُس کو رحم آیا۔ اُس نے ابوجہل سے کہا: ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ گیہوں بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے؟ آخر دُشمنوں کو خود ہی خیال آیا۔ انہوں نے ان مظلوموں کو مکہ واپس جانے کی اجازت دیدی۔

اسلام سے قبل ایک دن غصے میں آ کر حضرت عمرؓ نے آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا۔ تلوار کھینچتے ہوئے اس ارادے سے نکلے۔ اتفاق سے ایک صحابی حضرت نعیمؓ راستے میں مل گئے۔ انہوں

Marfat.com

نے پوچھا: ''عمر! خیر تو ہے؟ کدھر چڑھائی کرنے کا ارادہ ہے؟'' حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''محمدؐ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔'' انہوں نے کہا: ''پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔''

حضرت عمرؓ یہ سنتے ہی غصے سے بے تاب ہو کر فوراً بہن کے گھر پہنچے۔ وہ بلند آواز سے قرآن پڑھ رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی آواز سن کر خاموش ہو گئیں۔ قرآن کے اوراق کو چھپا دیا۔ آتے ہی دریافت کیا: ''تم کیا پڑھ رہی تھیں۔'' انہوں نے جواب دیا: ''کچھ نہیں۔''

حضرت عمرؓ نے کہا: ''مجھے معلوم ہو چکا ہے تم دونوں میاں بیوی مسلمان ہو چکے ہو۔''

یہ کہہ کر بہنوئی سے لپٹ گئے۔ اُن کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ بہن بچانے کے لیے آئیں تو وہ بھی زخمی ہوئیں۔ آخر بہن نے آنسو بہاتے ہوئے کہا: ''اے عمر! چاہے جان سے مار ڈالو، مگر اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔'' حضرت عمرؓ کے دل میں بہن کی بات نے ایسا اثر کیا کہ آپ ٹھہر گئے۔ کہا: اچھا مجھے بھی وہ کلام سناؤ جو تم پڑھ رہی تھیں۔ چند آیتیں سنتے ہی حضرت عمرؓ کی کیفیت دگرگوں ہو گئی۔

کہاں تو اسلام کا نام لینے والوں پر اس قدر سختی اور تشدد کر رہے تھے اور کہاں اب کو داس پر مائل نظر آتے ہیں؟ عمرؓ اُسی وقت آپؐ کی طرف گئے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ دروازے پر دستک دی۔ صحابہؓ کو فکر ہوئی عمر کا آنا خالی از علت نہیں۔

حضرت حمزہؓ نے کہا: ''آنے دو، کوئی کھٹکا نہیں۔ اگر نیک نیتی سے آیا ہے تو بہتر ورنہ اُس کی تلوار سے اُس کا سر قلم کر دوں گا۔'' حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو آپؐ خود آگے بڑھے۔ اُن کا دامن پکڑ کر پوچھا: ''عمر! کیسے آنا ہوا؟'' حضرت عمرؓ پر اُس وقت کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگے اور نہایت عجز سے کہا: ''میں تو ایمان لانے کے لیے آیا ہوں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''اللہ اکبر۔'' اور تمام صحابہؓ نے اس زور سے نعرہ لگایا مکے کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔ حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے بعد اسلام کو بہت تقویت ہو گئی۔

Marfat.com

مسلمان جو اِدھر اُدھر چھپ چھپا کر نماز پڑھا کرتے تھے، اُن سب کو حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کے بعد کعبے میں نماز پڑھنے کا موقع مل گیا۔

''بنو حنیفہ'' کا قبیلہ بہت سرکش تھا۔ آخری وقت تک سرکشی سے باز نہ آیا۔ ثمامہ بن اُثال اسی قبیلے کا ایک رئیس تھا۔ اتفاقاً وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ اُس کو گرفتار کر کے مدینے شریف لے آئے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا جائے۔'' بعدازاں آپؐ مسجد میں تشریف لائے۔ اس سے فرمایا: ''اب کیا کہتے ہو؟''

ثمامہ نے عرض کیا: ''اے محمدؐ! اگر آپ مجھے جان سے ماردیں گے تو ایک خونی کو ماریں گے۔ اگر معاف کردیں گے تو ایک شکر گزار کو معاف کردیں گے۔ اگر زرِ فدیہ چاہتے ہیں تو جو مانگیں گے دوں گا۔'' یہ جواب سن کر آپؐ خاموش واپس چلے آئے۔ دوسرے دن پھر آپؐ نے وہی سوال کیا۔ اُس نے مذکورہ بالا جواب دیا۔

آپؐ نے حکم فرمایا: ''ثمامہ کی رسّی کھول دو اور اس کو آزاد کردو۔'' ثمامہ پر اس خلافِ توقع لطف و عنایت کا یہ اثر ہوا قریب ہی ایک درخت کی آڑ میں جا کر غسل کیا۔ مسجد میں آکر کلمہ پڑھ کر مشرف باسلام ہوگیا۔ پھر عرض کرنے لگا: ''یارسول اللہ! اس دنیا میں مجھے کسی شخص سے اتنی عداوت نہ تھی، جس قدر آپؐ سے تھی، لیکن اب آپ کے ساتھ انتہائی محبت ہوگئی ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ جب تختِ خلافت پر بیٹھے تو آپؓ نے شام کی شورش کو دبانے کے لیے اُسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں فوج روانہ کی۔ آپؓ کچھ دور فوج کے ساتھ ساتھ گئے۔ اُسامہؓ آگے آگے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اُن کے گھوڑے کے ساتھ پاپیادہ تشریف لے جارہے تھے۔

Marfat.com

اُسامہؓ نے اس کو گوارا نہ کیا اور گھوڑے سے اُتر کر پیدل چلنا چاہا، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اصرار کر کے انہیں گھوڑے سے اُترنے نہ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ فوج کو رخصت کر کے واپس ہونے لگے تو آپؓ نے اُن کو یہ نصیحتیں کیں:

''مسلمانو! کسی جائیداد پر جابرانہ قبضہ نہ کرنا۔ کسی کو دھوکہ نہ دینا۔ اپنے سردار کے حکم کی تعمیل کرنا۔ کسی زندہ انسان کے خواہ وہ دُشمن ہی کیوں نہ ہو ہاتھ پاؤں نہ کاٹنا۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا اور نہ کھجور یا کسی میوہ دار درخت کو کاٹنا۔ بکریوں، بھیڑوں، گائیوں اور اونٹوں کو بے جا طور پر ذبح نہ کرنا، البتہ اپنی خوراک کے لیے ضرورت کی حد تک ایسا کر سکتے ہو۔

کسی مذہب کے کسی بزرگ یا پیشوا کو قتل نہ کرنا اور نہ اُس کو کوئی دُکھ پہنچانا۔ جو لوگ تمہاری اطاعت قبول کرلیں اُن کے جان و مال کی حفاظت کرنا۔ دوسرے مذہب کے لوگوں کے ساتھ جو وعدے کرو، اُن کو پورا کرنا۔''

حضرت عمرؓ زمانۂ خلافت میں دن بھر اُمور سلطنت میں مشغول رہتے تھے۔ رات میں رعایا کی نگہبانی فرماتے تھے۔ ایک رات آپ حسبِ معمول گلیوں میں پھر رہے تھے۔ ایک گھر سے بچے کے رونے کی آواز آرہی تھی، مگر وہ کسی طرح خاموش نہ ہوتا تھا۔ بچہ بھوک سے تڑپ رہا تھا۔ ماں جھنجھلا کر بولی: ''کیا کروں! عمر کی جان کو روؤ، وہ امیر المؤمنین تو بن گیا، مگر ہماری خبر نہیں لیتا۔''

آپؓ یہ سنتے ہی گھر میں داخل ہوگئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ فوراً بیت المال میں گئے۔ جو کچھ وہاں کھانے کا سامان موجود تھا، ایک چادر میں باندھ کر لے آئے۔ عورت نے کہا: ''لکڑیاں نہیں ہیں۔'' آپؓ واپس تشریف لے گئے اور اُسی وقت خود لکڑیاں لے کر آئے۔ وہ عورت کھانا پکانے لگی۔ بولی: ''آپ ذرا بچے کو

Marfat.com

بہلائیے، میں کھانے سے فارغ ہو جاؤں۔"

آپؓ بچے کو لے کر بیٹھ گئے۔ جب وہ پکانے سے فارغ ہوگئی تو آپ رخصت ہونے لگے۔ اُس عورت نے آپ کو بہت دُعائیں دیں اور کہنے لگی: "یا اللہ! عمر کی بجائے اس نیک بندے کو ہمارا خلیفہ بنا دے۔" آپؓ نے فرمایا: "عمر میں ہی تو ہوں۔" وہ بہت نادم ہوئی۔ آپؓ نے فرمایا: "ندامت کی کوئی بات نہیں ہے، مجھ سے خطا ہوئی تیری خبر گیری میں تاخیر کی۔"

ایک مرتبہ حضرت علیؓ کسی کافر سے لڑ رہے تھے۔ آپؓ نے اس پر قابو پالیا۔ سرتن سے جدا کرنے کے لیے خنجر نکالا۔ اُس کافر کو حالتِ بے بسی میں کچھ بن نہ آئی تو آپؓ کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ آپؓ فوراً اُس کے سینے سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور خنجر کو میان میں کرلیا۔

یہ دیکھ کر وہ دُشمنِ خدا سخت حیران ہو کر پوچھنے لگا: "آپ اس قدر سرگرمی کے ساتھ مجھ سے لڑ رہے تھے اور چاہتے تھے میرا سرتن سے جدا کر دیں، مگر میری ایسی رکیک حرکت پر بجائے اِس کے کہ آپ کو غصہ آتا، آپ میرے قتل سے دست بردار ہوگئے۔" آپؓ نے فرمایا: "جب تو نے میرے منہ پر تھوکا تو مجھے غصہ آ گیا۔ انتقام کی آگ میرے دل میں بھڑک اُٹھی۔

میں نے چاہا اپنے نفس کو خوش کرنے کے لیے تجھ کو قتل کروں۔ میں تیری اس حرکت سے پہلے صرف خدا کے لیے لڑ رہا تھا۔ اب اس پاک مقصد میں خواہشِ نفس کو دخل ہو گیا تھا، لہٰذا میں تیرے قتل سے باز رہا۔"

حضرت بلالؓ حبشی تھے۔ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب ٹھیک دوپہر کا وقت ہوتا تھا،

Marfat.com

اُمیہ ان کو جلتی ہوئی بالو پر لٹاتا۔ پتھر کی ایک بڑی سِل اُن کے سینے پر رکھ دیتا تاکہ وہ ہل جُل نہ سکیں۔ پھر اُن سے کہتا: ''اسلام کو چھوڑ دے ورنہ یونی تیری جان نکال لوں گا۔''، مگر حضرت بلالؓ کا استقلال یہی جواب دیتا: ''اللہ تو ایک ہے۔''

بلالؓ جب کسی طرح نہ مانتے تو اُن کے گلے میں رَسّی ڈال کر بچوں کے حوالے کر دیتا۔ وہ اُن کو بازاروں میں گھسیٹتے پھرتے، مگر حضرت بلالؓ کے منہ سے سوائے اَحدٌ اَحدٌ (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) کے اور کوئی کلمہ نہ نکلتا۔ وہ برابر صبر واستقلال کا دامن تھامے رہے۔

◇ ◆ ◇

شام کے ایک متمول خاندان کی عورت حضرت فاطمہؓ سے ملنے آئی۔ یہ عورت عالمہ فاضلہ تھی۔ حضرت فاطمہؓ نے اُس کی انتہائی خاطر مدارت کی۔ فاطمہ شامی نے بہت سے تحفے تحائف اور کھانے پینے کی چیزیں حضرت فاطمہؓ کو پیش کیں۔ اِن چیزوں کو قبول فرما کر حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: ''اگر آپ کی اجازت ہو تو یہ چیزیں کسی کارِ خیر میں لگا دی جائیں۔''

فاطمہ شامی یہ سن کر دَنگ رہ گئی حضرت فاطمہؓ نے تمام سامان غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ اپنے لیے اُس میں سے کچھ بھی نہ رکھا۔ ''فاطمہ شامیؒ'' کا بیان ہے: میں نے جو شہرت حضرت فاطمہؓ کی سنی تھی، اُس سے اُن کو کہیں بڑھ چڑھ کر پایا۔ میرے دل پر اُن کی متانت و گفتگو کا بہت گہرا اَثر ہوا۔''

◇ ◆ ◇

حضرت خنساءؓ عرب کی ایک مشہور شاعرہ تھی۔ مرثیے خوب کہتی تھیں۔ قادسیہ کی لڑائی میں وہ اپنے چار بیٹوں سمیت شریک تھیں۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے بیٹوں کو مخاطب کر کے کہا:

''میرے پیارے بیٹو! تم اپنے ملک میں غریب نہ تھے، مفلس نہ تھے کہ تم دولت کی تلاش میں یہاں آئے۔ تم بھوکے نہ مرتے تھے کہ اپنا پیٹ بھرنے کے لیے یہاں آئے۔

Marfat.com

تمہارے لیے میرے پاس بہت دولت ہے۔ میں تم کو اس بڑھاپے میں اسلام کی راہ میں لڑنے کے لیے لائی ہوں۔ میں تم کو اپنے مذہب پر قربانی ہوتے دیکھنا چاہتی ہوں۔

یاد رکھو! تم اچھے باپ کے بیٹے ہو جاؤ۔ لڑائی میں لڑ کر میرے دودھ کا حق ادا کر دو۔ باپ دادا کا نام روشن کرو۔ مجھے آ کر اپنے کارنامے سناؤ۔ میرے جی کو خوش کرو۔ مجھے یا اپنے خاندان کو شرمندہ نہ کرنا۔ جاؤ! میری دُعائیں اور خدا کی برکت تمہارے ساتھ ہے۔"

چنانچہ حضرت خنساء کے چاروں بیٹے اسلام کی راہ میں اس جنگ میں شہید ہوئے۔

"واقدی" ایک مشہور عربی مؤرخ ہے۔ اس کے دو دوست تھے۔ ایک اُن میں ہاشمی تھا۔ یہ تینوں آپس میں یک جان کی طرح تھے۔ ایک دفعہ عید آئی۔ واقدی کے گھر میں عید کے واسطے کھانے پینے کا سامان اور بچوں کے کپڑے وغیرہ نہ تھے۔

اُن کی بیوی نے کہا ہم تو مصیبت پر صبر کر لیں گے، مگر یہ چھوٹے چھوٹے بچے کس طرح صبر کر سکیں گے، جبکہ ان کے ہمسائے اچھے اچھے کپڑے پہن کر رنگ رلیاں منائیں گے۔ مجھ سے تو دیکھا نہ جائے گا جس طرح ہو سکے کچھ روپیہ لایئے تاکہ اس مصیبت سے چھٹکارا ہو۔ واقدی نے یہ الفاظ "عید آ گئی اور ہم بے سروسامان ہیں۔" لکھ کر اپنے دوست ہاشمی کو بھیج دیے۔

خط پہنچنے پر اُس نے ایک تھیلی ہزار درہم کی بھیج دی۔ ابھی یہ اُس تھیلی کو کھولنے بھی نہ پائے تھے واقدی کو دوسرے دوست کی جانب سے ایک خط ملا جس میں لکھا ہوا تھا مفلسی کا شکار ہوں، سخت حیرانی ہے۔ واقدی نے اپنی مصیبت کی پروا نہ کرتے ہوئے دوست کی امداد کو ضروری سمجھ کر وہی تھیلی اسی طرح دوست کو بھیج دی۔ رات کو بچوں کی مصیبت نہ دیکھ سکنے کی وجہ سے گھر نہ گئے، بلکہ ایک مسجد میں سو گئے۔ صبح ہوئی تو واقدی کا ہاشمی دوست اُسی تھیلی کو لے کر آیا۔ پوچھنے لگا: "یہ کیا ماجرا ہے؟"

Marfat.com

واقدی نے اپنا قصہ بیان کیا۔ تب وہ ہاشمی دوست کہنے لگا: ''جب تمہارا خط پہنچا تو میرے پاس جو کچھ تھا، سب کا سب بھیج دیا۔ میں نے مروّت سے بعید سمجھا آپ کی ضرورت کو بالائے طاق رکھ کر اپنی ضرورت کو پورا کروں، مگر چونکہ مجھ کو بھی ضرورت تھی، اسی واسطے میں نے دوسرے دوست کو خط لکھا جو تمہارا اور میرا دونوں کا دوست ہے۔ اُس نے وہی تھیلی جو میں نے تمہاری طرف بھیجی تھی، واپس کردی، اس لیے مجھے حیرانی ہوئی۔ اصل حقیقت دریافت کرنے آیا ہوں۔ آخر کار ان دونوں نے تیسرے دوست کو بلایا اور آپس میں وہ درہم تقسیم کر لیے۔''

''جام سنجر'' نامی بادشاہ بہت ہی نیک تھا۔ ایک مخبر نے خبر دی فلاں حاکم رشوت لیتا ہے۔ بادشاہ نے اُس حاکم سے دریافت کیا۔ اُس نے سچ سچ کہہ دیا تنخواہ کم ہے، اس میں گزر نہیں ہوتی۔ وزیروں نے کہا: ''اس کو سزا دینی چاہیے۔''

بادشاہ نے کہا: ''آقا کا فرض ہے ملازم کی تنخواہ اُس کے اخراجات کے موافق مقرر کرے۔ تنخواہ ناکافی ہوگی تو ملازم خیانت پر مجبور ہوگا۔ مناسب تنخواہ ہونے کی صورت میں خیانت کرے تو سزا دی جائے لہٰذا اُس کی ترقی کی جائے اور تمام اہلکاروں کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے۔ سچ ہے: ''سانچ کو آنچ نہیں۔''

اسی حوالے سے ایک دوسرا واقعہ بھی سنیں۔ کہتے ہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بچپن کے زمانے میں تحصیل علم کے لیے ایک قافلے کے ہمراہ بغداد روانہ ہوئے۔ چلتے وقت ان کی والدہ محترمہ نے چالیس دینار انہیں دیے اور ساتھ ہی یہ نصیحت کی: ''بیٹا! ہمیشہ سچ بولنا، خواہ تمہیں کیسا ہی خطرہ کیوں نہ پیش آئے۔'' اتفاق کی بات ہے کہ اس قافلے پر راستے میں ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور اہلِ قافلہ کا سارا مال واسباب لوٹ لیا۔

خاندانی نظام ایسے بچائیں

Marfat.com

جب ڈاکو باری باری قافلے والوں کی تلاشی لے رہے تھے تو ان میں سے ایک ڈاکو نے آپ سے پوچھا: ''اے لڑکے! بتا تیرے پاس کیا ہے؟'' آپ نے جواب دیا: ''میرے پاس چالیس دینار ہیں۔'' ڈاکو نے اسے مذاق سمجھا اور آپ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ بعد میں ایک اور ڈاکو آیا۔ اس نے بھی وہی سوال کیا اور آپ نے پھر وہی جواب دیا: ''میرے پاس چالیس دینار ہیں۔'' چنانچہ وہ آپ کو پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گیا۔

سردار نے آپ سے پوچھا: ''وہ دینار کہاں ہیں؟'' آپ نے جواب دیا: ''میری قمیص کے اندر سلے ہوئے ہیں۔'' قمیص چاک کر کے دیکھا گیا تو واقعی اس میں چالیس دینار سلے ہوئے تھے۔ اس پر سردار نے حیران ہو کر کہا: ''تم نے اپنی اس دولت کو بچانے کے لیے جھوٹ کیوں نہ بولا؟'' آپ نے جواب دیا: ''میری والدہ نے مجھے نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ سچ بولوں، اس لیے میں اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تھا۔''

یہ جواب سن کر سردار کے دل پر بے حد اثر ہوا۔ اس نے سوچا کہ یہ لڑکا ماں کا اتنا فرمانبردار ہے اور میں اپنے خدا کا اس قدر نافرمان ہوں۔ اسی وقت توبہ کی اور ساتھیوں سمیت رہزنی کے پیشہ کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔ اس حکایت سے پتا چلتا ہے کہ سچائی میں برکت ہے اور سچ بولنے والے کو کبھی نقصان نہیں پہنچتا۔

زمانۂ شاہزادگی میں تھانیسر کے ہندوؤں کی بعض حرکتوں پر سکندر لودی ناخوش ہو گیا۔ تھانیسر کے مندر اور تالاب کو ڈھانا چاہا۔ علماء سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا: ''قدیم مندروں کو توڑنا جائز نہیں ہے۔''

شہزادے نے غضبناک ہو کر خنجر پر ہاتھ رکھ کر علماء سے کہا: کفار کی طرفداری کرتے ہو۔ ایک عالم نے کہا: ''ہم کسی کی طرف داری نہیں کرتے۔ شریعت کا حکم سناتے ہیں اور اس سے ہم کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔'' یہ جواب سن کر شہزادہ خاموش ہو گیا۔

Marfat.com

''احمد شاہ'' خاندان بہمنی کا نواں بادشاہ تھا۔ ''گل برگہ'' اُس کا دارالسلطنت تھا۔ بادشاہ کو شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک دن بادشاہ 200 سوار لے کر شکار کو چلا۔ راستے میں ایک ہرن ملا۔ بادشاہ نے اُس کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ ہرن بھاگا۔ بادشاہ اُس کے پیچھے چلا۔ اس طرح اپنے لشکر سے چھ کوس دور نکل گیا۔ راجہ دیورائے والی بے جانگر کو خبر ہوئی۔ اُس نے پانچ ہزار سوار بھیجے بادشاہ کو گرفتار کر لائیں۔ راجہ کا یہ لشکر بادشاہ کو ملا۔ بادشاہ نے ذلت سے پکڑے جانے سے مرجانے کو بہتر سمجھا۔ تلوار سونت کر پانچ ہزار کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ وہ ہاتھ دکھائے اچھے اچھے من چلے سُورماؤں کے چھکے چھوٹ گئے۔ اتنے میں بادشاہ کو ڈھونڈتے ہوئے اُس کے دو سو سپاہی بھی آ گئے۔

کچھ دیر کے بعد بادشاہ کا ایک افسر یہ خبر پا کر تین ہزار سپاہی لے کر پہنچا۔ خوب گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ راجہ کا لشکر شکست کھا کر بھاگا۔ اُس کے بعد احمد شاہ نے اپنا لشکر مرتب کر کے بے جانگر پر دھاوا بول دیا۔ راجہ تاب مقابلہ نہ لا سکا اور قلعہ بند ہو گیا۔

بادشاہ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ مجبور ہو کر راجہ نے صلح کی درخواست کی۔ بادشاہ نے جواب دیا: ''اگر بے جانگر کا تین سال کا خراج ہاتھیوں پر لاد کر راجہ کا بیٹا لے کر آئے تو صلح منظور ہے۔ راجہ نے اسی طرح اپنے بیٹے کو بھیجا۔ یہ جلوس جب شاہی لشکر کے قریب پہنچا۔ بادشاہ نے وزیر کو استقبال کے لیے بھیجا۔

جب راجہ کا لڑکا بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا۔ بادشاہ نے اُس کو نہایت عزت واحترام سے اپنے پاس رکھا۔ اُس کو خلعت اور مرصع خنجر اور چالیس گھوڑے، پانچ ہاتھی، پانچ چیتے، پانچ شکار کتے، پانچ باز عطا کیے۔

''عادل شاہ'' بادشاہ ایک دن اپنے محل کی چھت پر کھڑا ہوا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ شہر کے

Marfat.com

تمام محلوں اور گھروں سے دھواں نکل رہا تھا۔ بادشاہ یہ دیکھ کر خوش ہوا میری رعایا اطمینان و آرام سے کھانا پکارہی ہے، لیکن ایک طرف دھوئیں کا نام ونشان تک نہ تھا۔

بادشاہ نے وزیر سے دریافت کیا: ''اس طرف دھواں کیوں نہیں؟'' وزیر نے عرض کیا: ''یہ برہمنوں کا محلّہ ہے۔ وہ غریب ہیں۔ ایک ہی وقت کھاتے ہیں۔'' بادشاہ نے حکم دیا: ''برہمنوں کا وظیفہ مقرر کردیا جائے تاکہ وہ دونوں وقت پیٹ بھر کر اطمینان سے کھائیں اور عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں۔''

دہلی کے بادشاہ ''عالمگیر ثانی'' کو وزیر نے دھوکے سے قتل کرا کر لاش دریا کی طرف پھکوادی۔ ایک ہندو عورت اَشنان کرکے دریا سے نکلی۔ لاش کو دیکھ کر بولی: ''ہائے! یہ تو ہمارا بادشاہ ہے۔ کس کم بخت نے یہ پاپ کیا ہے۔''

وہ لاش کے پاس بیٹھ گئی تاکہ جانور لاش کی بے حرمتی نہ کریں۔ جب بادشاہ کے نوکروں کو خبر ہوئی وہ لاش اُٹھا کر لے گئے۔ بادشاہ کا بیٹا شہزادہ عالم ثانی تخت نشین ہوا۔ اُس ہندو عورت کو طلب کرکے کہا: ''تُو نے میرے باپ کی لاش کی حفاظت کی ہے، تو میری بہن ہے۔''

بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ جب بادشاہ تہوار وغیرہ کے موقعے پر اپنی بہنوں، بیٹیوں کو انعام دیتا تو اس منہ بولی بہن کو بھی دیتا۔ یہ بھی برابر شاہی محل میں آتی جاتی۔ ہر تقریب میں شریک ہوتی۔

''نواب سلطان جہاں بیگم آف بھوپال'' کے محل میں ایک ہندو عورت پہنچی۔ علیا نے دریافت کیا: ''تُو کون ہے؟ کیوں آئی ہے؟'' اُس نے کہا: ''میں بیوہ ہوں۔ میرے تین بچے ہیں۔ آپ میرا کچھ وظیفہ مقرر کردیں تاکہ میں آسانی کے ساتھ اپنے بچوں کی پرورش کرسکوں۔''

Marfat.com

بیگم نے کہا: ''میں بھی بیوہ ہوں اور میرے بھی تین بچے ہیں۔'' اُس عورت نے کہا: ''یہ تینوں بھی مجھ کو دے دیجیے۔ میں مصیبت بھر کر تینوں کو پال لوں گی۔'' اس پر علیا کو ہنسی آ گئی۔ اُس کا معقول وظیفہ مقرر کر دیا۔

سندھ کا بادشاہ ''جام خیرالدین'' ایک دن گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ ایک میدان میں پہنچا۔ وہاں کچھ آدمیوں کی ہڈیاں پڑی تھیں۔ جام نے گھوڑا روک کر وزیر سے کہا: ''یہ ہڈیاں مجھ سے فریاد کرتی ہیں۔''

وزیر نے آس پاس کے گاؤں سے آدمیوں کو بلا کر تحقیقات کی۔ معلوم ہوا کئی سال ہوئے یہاں ایک قافلہ لوٹا گیا تھا۔ اُس میں کشت و خون بھی ہوا تھا۔ اُس لوٹ کا مال اب تک لوگوں کے گھروں میں موجود ہے۔ جام نے اُسی وقت خانہ تلاشی کر کے مال برآمد کیا۔ قزاقوں کو سزا دی۔ مقتولین کے وارثوں کا پتہ چلا کر مال اُن کے حوالے کیا۔

سلطان محمود غزنوی کے پاس آ کر ایک بوڑھی عورت نے فریاد کی: ''فلاں جنگل میں ڈاکوؤں نے میرے بیٹے کا مال لوٹ لیا ہے۔''

سلطان نے کہا: ''ایسے دور دراز مقام کا انتظام کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔''

بوڑھی نے کہا: ''تجھ کو اتنا ہی ملک اپنے قبضے میں رکھنا چاہیے، جتنے حصے کا تو انتظام کر سکے۔''

سلطان محمود بوڑھی کی اس صفائی بیانی اور حق گوئی سے خوش ہوا۔ اُس کو بہت کچھ انعام دیا۔

''سلطان علاؤ الدین خلجی'' کے دورِ حکومت میں جب موصل میر پر چڑھائی ہوئی تو راجہ قلعہ بند ہو گیا۔ آٹھ سال تک لڑائی رہی۔ قلعے والے تنگ آ گئے۔ فاقوں مرنے لگے۔ رانا کے بھائی راجہ رتن داس نے شاہی سپہ سالار کے پاس پیام بھیجا میرے دونوں

Marfat.com

بیٹے بہت تکلیف میں ہیں، ان کو قلعے سے باہر آنے دیجیے تاکہ یہ فاقہ کشی کی مصیبت سے نجات پائیں۔

سپہ سالار نے اجازت دیدی۔ جب یہ راج کمار آئے، سپہ سالار نے اُن کا استقبال کیا۔ اُن کے اور ان کے ساتھیوں کے لیے اخراجات مقرر کیے۔ دو برہمنوں کو اُن کی تعلیم کے لیے نوکر رکھا۔"

قارئین! تاریخِ اسلام اس طرح کے اچھے اور سبق آموز واقعات سے بھری پڑی ہے۔ والدین اور سرپرستوں کو چاہیے وہ اپنے بچوں کی تربیت کے لیے ان جیسے واقعات اور کہانیوں کا سہارا لیں۔

بچوں کی نفسیات کے ماہرین کا کہنا ہے تمام بچے واقعات اور کہانیوں سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ مشاہدہ بھی یہی ہے کہ اگر کسی بچے اور بچی کے سامنے کلام پاک کی آیت یا حدیث شریف بیان کردی جائے تو نصیحت زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہوتی۔ بنسبت اس کے کہ کوئی کہانی نصیحت آمیز بیان کی جائے۔

اُن کے سامنے قصہ کہانی بیان کی جائے تو وہ اُس طرف رجوع ہوتے ہیں۔ شوق سے سنتے ہیں۔ اُس چیز سے ایک حد تک متاثر ہوتے ہیں۔ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے بچوں کے باب میں ہم نے جابجا تاریخی واقعات، سبق آموز قصے اور اچھی کہانیاں لکھی ہیں۔

Marfat.com

1 / 13

بچے اور خوف / بچوں کو بہادر بنائیں

ایک اہم بات بچوں میں خوف اور ڈر ہے۔ یہ ایک ایسی نفسیاتی بیماری اور حالت ہے جو بڑوں چھوٹوں عورتوں مردوں سب کو پیش آتی ہے۔ بچوں کی نفسیات کے خصوصی ماہرین کہتے ہیں کہ بچے میں اس کی عمر کے پہلے سال کبھی کبھی خوف کی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔

یہ اس وقت جب اچانک شور وغل ہو یا کوئی چیز اچانک گر جائے اور اس طرح کی کوئی اور چیز پیش آجائے۔ چھٹے مہینہ سے یہ ہوجاتا ہے کہ جب کوئی اجنبی اور نیا آدمی آجائے تو بچہ اس سے ڈرنے لگتا ہے۔ جب بچہ تیسرے سال میں داخل ہوتا ہے تو وہ بہت سی چیزوں سے ڈرنے لگتا ہے۔ حیوانات، گاڑیاں، پست ونشیبی جگہیں، پانی اور اس طرح کی دوسری اور چیزیں۔

عام طور سے بچوں کی بنسبت بچیاں زیادہ خوف کا اظہار کرتی ہیں۔ عام طور سے یہ خوف وڈر بچے کے تخیل پر مبنی ہوتا ہے، چنانچہ بچہ جتنا زیادہ سوچنے کا عادی ہوگا اتنا ہی زیادہ اس میں خوف کا مادہ ہوگا۔ اس پر میں ایک واقعہ سناتا ہوں۔

یہ 2005ء کی بات ہے۔ میں حرم شریف میں نمازِ فجر کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ ایک عورت تیز تیز قدموں چلتی ہوئی آئی۔ قریب بیٹھے شخص سے کان میں کچھ کہا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ! ایک زوردار تھپڑ اس عورت کے چہرے پر رسید کردیا۔ وہ منہ بسورتی ہوئی ذرا ہٹ کر جا کھڑی ہوئی اور پھر وہ ایک دوسرے کو غصے سے دیکھنے لگے۔ مجھے بڑا تجسس ہوا کہ نہ جانے صبح صبح کیا واقعہ رونما ہوا ہے؟

Marfat.com

بعد میں پتا چلا کہ یہ دونوں میاں بیوی ہیں۔ ان کا پانچ سالہ بچہ بھی ساتھ عمرے پر آیا ہوا تھا۔ آج نمازِ فجر کے لیے شوہر پہلے آگئے اور بیگم بعد میں بچے کو ساتھ لے کر آئی۔ عورت نے نماز کے بعد طواف شروع کر دیا۔ طواف سے فارغ ہوئی تو بچہ ندارد! تلاشِ بسیار کے بعد بھی نہ ملا تو اب یہ اپنے شوہر کو بتانے آئی تھی۔ جس پر وہ طیش میں آگئے کہ اس نے غفلت اور لاپروائی کا مظاہرہ کیا ہے، جس کی وجہ سے ان کا لختِ جگر جدا ہو گیا ہے۔

ویسے ایک بات ضرور ہے کہ انسانی فطرت ہے وہ ہر چیز بھول جاتا ہے حتیٰ کہ اپنے مرنے والے کو بھی بھول جاتا ہے، مگر بچھڑنے والے نہیں بھولا کرتے۔ وہ ہر لمحے یاد آتے رہتے ہیں اور خون کے آنسو رُلاتے رہتے ہیں۔ اس سفر مبارک میں اس طرح کے بے شمار واقعات پیش آتے ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچوں کو ساتھ لے جائیں تو انسان خود صحیح طریقے سے عبادت نہیں کرسکتا کیونکہ یہ بچے ماں باپ کی ناک میں دم کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اگر معصوم بچوں کو چھوڑ کر جائیں تو پھر وہ روتے رہتے ہیں۔ والدین ''بددعائیں'' دیتے ہیں۔

رشتہ دار اور ہمسائے بھی بڑے ہمدردانہ طریقے سے کہتے ہیں کہ اجی! بچوں کو ساتھ ہی لے جائیں! اگر گنجائش نہیں ہے تو کہیں سے قرض ورض پکڑلیں۔ ہمارے ساتھ خود ایسے ہی حالات پیش آئے۔

جن دنوں ہم عمرے پر جا رہے تھے تو ہماری بچی کی عمر تین سال تھی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اگر ہم لے کر جائیں تو خود اسی میں اُلجھے رہیں۔ اگر چھوڑ کر جائیں تو پھر اس کا رو رو کر بُرا حال ہو جائے گا۔ صلاح مشورے کے بعد یہی طے پایا کہ ساتھ لے جانے سے بہتر ہے کہ ان کی نانی یا خالہ کے پاس چھوڑ دیں؟

چنانچہ ہم اس معصوم بچی کو خالہ کے ہاں سوتی ہوئی چھوڑ کر عازم سفر ہو گئے۔ تین دن بعد جب عمرے سے فارغ ہوئے تو فون کر کے بچی کی خیریت معلوم کرنا چاہی تو پتا چلا اس

Marfat.com

دن سے کچھ نہیں کھایا اور ہر وقت ماں کو ہی یاد کرتی اور روتی رہتی ہے۔ ان میں ڈر اور خوف بھی پیدا ہو گیا تھا۔ یہ سن کر ادھر ان کی ماں کی حالت غیر ہوئے جا رہی تھی۔

جب ہم ایک ماہ بعد واپس آئے تو بچی ایک گھنٹے تک ماں سے چپکی رہی۔ وہ دن ہے اور آج کہ ماں سے وعدہ لیتی ہیں کہ آئندہ مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ گی کیونکہ بچی خوف زدہ ہو گئی تھی۔ ایسی صورت حال میں بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک عمرہ نہ کیا جائے جب تک ایسے معصوم بچوں کا کوئی معقول انتظام نہ ہو جائے۔

بچے اس قدر بڑے اور سمجھ دار ہو جائیں کہ جانے کی صورت میں وہ تنگ نہ کریں اور رہنے کی حالت میں آہیں بھر بھر نہ روئیں اور نہ ہی دوسروں کو رلائیں۔ بچوں میں خوف وڈر بڑھانے کے اہم اسباب وعوامل درج ذیل ہیں۔

ماں کا بچے کو سایوں، تاریکی اور بھوت چڑیل...... سے ڈرانا، ماں کا زیادہ ناز ونخرے اٹھانا، بچے کے لیے ضرورت سے زیادہ بے چین ہونا، بچے کو گوشہ نشینی اور گھر کی دیواروں کے پیچھے چھپنے کا عادی بنانا، ان خیالی قصوں کا بیان کرنا جن کا تعلق جنوں اور بھوتوں وچڑیلوں سے ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اسباب وعوامل بھی ہیں جو مشاہدے اور تجربے سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

بچوں میں موجود اس مرض کا علاج کرنے کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ بچے کو شروع ہی سے اللہ پر ایمان، اس کی عبادت اور ہر پیش آنے والی چیز پر اللہ کے سامنے گردن جھکانے کی تربیت دیں۔

اگر بچے کی تربیت ان ایمانی حقائق کے مطابق ہو۔ اس کو ان روحانی وبدنی عبادات کا عادی بنا دیا جائے تو وہ کسی بھی مشکل کے وقت نہ خوف زدہ ہوگا اور نہ کسی مصیبت پر روئے دھوئے گا۔ بچے کو مناسب حد تک آزادی دینی چاہیے۔ اس پر ذمہ داری ڈالنا چاہیے اور اس کی عمر کے مطابق مختلف کاموں کا بار اس پر ڈالنا چاہیے۔

Marfat.com

بچوں کو جن بھوت، چور، ڈاکو، شیر، کتے، بلی وغیرہ سے نہ ڈرانا چاہیے، خصوصاً رونے کے وقت تاکہ بچہ خوف وڈر کے سایے سے بھی دور رہے اور شروع سے ہی بہادری اور جرات کے جذبات کے ساتھ پلے بڑھے اور بڑا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرامؓ کی ہدایات ورہنمائی کی روشنی میں اسلام اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ بچوں کو شجاعت و بہادری اور جرات واقدام کی تربیت دی جائے تاکہ مستقبل میں وہ اسلام کا ایسا خادم بنیں، ایسا مضبوط معاشرہ تشکیل دیں جو دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کا نام بلند کرنے کا ذریعہ بنے۔

بچہ جب سمجھدار وعقلمند ہو جائے تو اسے اسی وقت سے عملی طور سے دوسروں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے ومیل جول رکھنے اور ملاقات کرنے کا موقعہ دینا چاہیے تاکہ وجدانی طور پر بچہ یہ محسوس کرے کہ وہ جس سے ملتا اور شناسائی پیدا کرتا ہے، اس کی نظر شفقت ومحبت کے لائق اور قابلِ احترام ہے۔

ماہرینِ نفسیات یہ بھی کہتے ہیں بچہ جس چیز سے ڈرتا ہو اس سے ہم اس کو اور زیادہ متعارف کرائیں۔ اگر وہ اندھیرے سے ڈرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم اس سے اس طرح دل لگی کریں کہ پہلے بتی بجھادیں، پھر جلادیں۔

اگر وہ پانی سے ڈرتا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہم اس کو یہ موقع فراہم کردیں کہ وہ کسی چھوٹے برتن یا کسی چیز میں تھوڑے سے پانی سے کھیلے۔ اگر وہ بجلی کی کسی مشین سے ڈرتا ہو تو اس کے بعض اجزا اس کو کھیلنے کے لیے دے دیں اور پھر پوری مشین اس کو کھیلنے کے لیے تھمادیں۔

ڈر اور خوف ختم کرنے کے لیے بچوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور جنگوں کے واقعات، صحابہ کرامؓ اور سلفِ صالحین کے بہادری کے کارناموں سے واقف کرائیں۔

Marfat.com

اب یہاں پر ہم صحابہ کرامؓ کے بچوں کے بہادری کے نمونے کے طور پر چند واقعات پیش کرتے ہیں۔

جنگ احد میں مشرکوں سے لڑنے کے لیے جب مسلمان تیار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لشکر کو پیش کیا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ لشکر میں کچھ نوعمر ایسے لڑکے بھی ہیں جو ابھی تک بالغ نہیں ہوئے ہیں۔

یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے جس کو زیادہ چھوٹا محسوس کیا اسے واپس کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حضرات کو واپس لوٹایا ان میں حضرت رافع بن حذیجؓ اور حضرت سمرۃ بن جندبؓ بھی تھے، لیکن جب آپ سے یہ عرض کیا گیا کہ رافع تیرانداز ہیں بہت اچھی تیراندازی کرتے ہیں تو آپ نے ان کو اجازت دیدی۔

یہ دیکھ کر حضرت سمرہ رونے لگے اور اپنے سوتیلے والد سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع کو تو اجازت دے دی ہے اور مجھے واپس کر دیا ہے حالانکہ میں تو رافع کو پچھاڑ دیا کرتا ہوں۔ جب یہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے ان دونوں کو کشتی کا حکم دیا۔ حضرت سمرہؓ غالب رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اجازت دے دی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی حضرت ابوبکرؓ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کر کے جانے لگے اور غار ثور میں تین دن مقیم رہے، تو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادیوں حضرت عائشہ اور حضرت اسماءؓ نے دونوں حضرات کے لیے توشۂ سفر تیار کیا۔ حضرت اسماء نے اپنے دوپٹے کو پھاڑ کر کے ایک ٹکڑے سے کھانے کے برتن کے منہ کو باندھ دیا۔ اسی لیے انہیں ''ذات النطاقین'' یعنی دو دوپٹوں والی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ آپ کو غار ثور میں مکہ کی خبریں پہنچایا کرتے تھے۔

قریش دن میں جو کوئی منصوبہ بناتے اور ان دونوں حضرات کو نقصان پہنچانے کے لیے

Marfat.com

جو سازش بھی تیار کرتے تھے یہ اسے رات کو ان دونوں حضرات تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ کچھ دیر ان حضرات کے پاس ٹھہرتے بھی تھے۔ سحری کے وقت واپس آجایا کرتے تھے۔ دن کو مکہ میں قریش کے ساتھ بالکل یوں رہتے تھے گویا کہ وہ مکہ میں ہی رات بھر سوئے ہوں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ حضرت عائشہؓ وحضرت عبداللہؓ دونوں اس وقت تک نابالغ بچے تھے۔ واقعتاً یہ بہادری کی ایک ایسی نادر مثال ہے جو بہت سے مردوں میں بھی نہیں مل سکتی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں: ''میں جنگِ بدر کے موقع پر صف میں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں انصار کے دونو عمر لڑکوں کے درمیان کھڑا ہوں۔ ان میں سے ایک نے چپکے سے مجھ سے کہا کہ چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: ہاں! لیکن تمہیں اس سے کیا کام ہے؟

اس نے کہا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو میں اس سے اس وقت تک الگ نہ ہوں گا جب تک کہ ہم دونوں میں سے جس کو پہلے مرنا ہو، مر نہ جائے۔

یہ بات سن کر مجھے بہت تعجب ہوا، دوسرے نے بھی مجھ سے چپکے سے اسی طرح کی بات کہی۔ کچھ دیر کے بعد ہی میری نظر ابوجہل پر پڑی۔ وہ لوگوں کے درمیان چل رہا تھا۔ میں نے کہا: ''کیا تم دونوں دیکھ نہیں رہے ہو یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے ابھی پوچھ رہے تھے۔ یہ سننا تھا کہ دونوں تلواریں لے کر اس پر جھپٹ پڑے۔ یہاں تک کہ اسے قتل کر ڈالا اور پھر واپس آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اسے تم دونوں میں سے کس نے قتل کیا ہے؟'' دونوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ میں نے اسے مارا ہے۔ آپ نے پوچھا: کیا تم دونوں نے اپنی تلواروں کو پونچھ لیا ہے۔ ان دونوں نے عرض کیا: جی نہیں۔ راوی فرماتے ہیں پھر

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تلواریں دیکھیں اور فرمایا: ''تم دونوں ہی نے اسے قتل کیا ہے اور ابوجہل کا چھوڑا ہوا سامان جنگ دونوں کو دینے کا فیصلہ کر دیا۔''

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''میں نے اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاص کو جنگِ بدر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنے سے گریز کرتے ہوئے دیکھا، تو میں نے ان سے پوچھا: بھائی! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا: ''مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیں اور چھوٹا سمجھ کر واپس لوٹا دیں، حالانکہ میں تو جنگ کے لیے جانا چاہتا ہوں، ہوسکتا ہے اللہ مجھے شہادت عطا فرما دیں۔

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں: ''پھر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں جانے کی اجازت دے دی۔'' حضرت سعد فرماتے ہیں کہ ان کی نوعمری کی وجہ سے ان کی تلوار کا پٹہ میں باندھا کرتا تھا اور وہ سولہ سالہ لڑکا شہید ہو گیا۔

ان تاریخی مثالوں اور ان جیسی اور دوسری مثالوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے صحابہ کرامؓ کی اولاد بہادری، شجاعت و جوانمردی اور جرات حوصلہ کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھی۔ اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ انہوں نے نبوی مدرسے، مسلمان گھرانے اور جواں مرد بہادر مسلم معاشرے میں تربیت حاصل کی تھی!!

ان کی مائیں اپنے بچوں اور جگر گوشوں کو جہاد و کارزار کے میدان کی طرف بھیجا کرتی تھیں۔ جب انہیں ان کی شہادت کی خبر اور موت کی اطلاع ملتی تو ان میں سے کوئی کہنے والی یہ یادگار جملہ کہتی: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے ان کی شہادت کا شرف بخشا۔ مجھے امید ہے اللہ انہیں اور مجھے قیامت میں اپنی رحمت میں ڈھانپ لے گا۔''

اس طرح ان کے والدین بھی بچپن سے ہی اپنی اولاد کو شہسواری، بہادری، شجاعت، جوانمردی، جرات اور خطرناک مقامات میں گھس جانے کی تربیت دیا کرتے تھے۔ پھر جب

Marfat.com

وہ کچھ بڑے ہو جاتے اور ہمت پیدا ہو جاتی تو وہ دعوت، جہاد اور طلبِ رزق کے قافلوں کے ساتھ سچے داعی، بہادر مجاہد اور جفاکش تاجر بن کر نکل پڑتے تھے۔

اس مثالی معاشرے نے انسانی تاریخ کی بے مثال ترقی حاصل کی۔ یہ صرف اس لیے کہ انہوں نے نوعمری ہی میں تیر اندازی، شہسواری اور تیرنے کی تربیت حاصل کی تھی۔ انہوں نے بے جا ناز و نخرے اور الگ تھلگ رہنے کی عادت نہ ڈالی تھی۔ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے اور انہیں اپنے اوپر اعتماد تھا۔

وہ سادہ زندگی، جفاکشی، شہسواری اور سفروں کے عادی تھے۔ انہیں یہ سکھایا گیا تھا کہ وہ اپنے ہم عمر چچازاد بھائیوں اور خاندان والوں کے ساتھ میل جول رکھیں۔ وہ بہادروں اور فتوحات و کامیابی حاصل کرنے والے سپہ سالاروں کے حالات زندگی سنا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ اور دوسری اچھائیاں جوان کی گھٹی میں ڈال دی گئی تھیں۔ ایسی عمدہ تربیت جو انہیں دی جاتی رہتی تھی۔ جس روز آج کے والدین اور تربیت کرنے والے اس عظیم طریقے کو اختیار کر لیں گے، جسے ہمارے بہادر اور عظیم آبا و اجداد نے اختیار کیا تھا۔ جس دن ہماری اولاد ان خصلتوں اور عادتوں اور ان مکارم اخلاق کی تربیت حاصل کر لے گی۔

جس روز صحیح تربیت کے ان قواعد و ضوابط کو اپنا لیا جائے گا جو بچوں کو خوف، بزدلی اور احساس کمتری سے آزادی دلا دے۔ جس دن یہ سب کچھ کر لیا جائے گا اس روز معاشرے میں بے چینی و پریشانی کے بجائے اطمینان و اعتماد، خوف و ڈر کے بجائے بہادری و جرات، ذلت و رسوائی کے بجائے عزت و عظمت پیدا ہو جائے گی۔ آپ اپنے بچوں کو یہ تربیت دیں کہ وہ ان رہنماؤں، فاتحین اور صحابہ و تابعین کے اخلاق و عادات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

بچوں خصوصاً معصوم بچوں کے سامنے خوفناک واقعات کا ذکر ہرگز نہ کریں۔ ہمیں یاد

Marfat.com

ہے چند سال پہلے جب رات کو ہمارے گھر چور آئے۔ ہم نے شور مچایا۔ تو ہماری بڑی بیٹی جو اس وقت 8 سال کی تھی۔ وہ بچپن سے ہی بہادر اور نڈر تھی۔ کسی بھی چیز سے نہ ڈرتی تھی، لیکن نجانے کیا ہوا؟

جب ہم نے شور مچایا تا کہ چور ڈر کر بھاگ جائیں تو ہمارے شور سے بچی کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بھی ہڑ بڑا کر اُٹھی۔ کپکپانے لگی اور ماں کے ساتھ چپک گئی۔ اس کے بعد پوری رات روتی رہی۔ ڈر کے مارے اس کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ صبح اسکول بھی نہیں جا رہی تھی۔ دراصل اس کے دل و دماغ پر انجانا خوف سمایا گیا تھا۔

ہم نے بہت سمجھایا کہ کچھ بھی نہیں ہوا ہے، لیکن چونکہ ایک مرتبہ اس دماغ پر خوف بیٹھ چکا تھا۔ وہ اب تک ہے۔ آج وہ جوان ہو چکی ہے، لیکن چھپکلی تک سے ڈرتی ہے جبکہ شروع کے 8 سالوں میں وہ انتہائی نڈر اور بہادر تھی۔ کسی سے نہ ڈرتی تھی۔

اسی قسم کی صورتحال ہمارے چھوٹے بیٹے کے ساتھ بھی پیش آئی۔ ایک رات ہم سب سو رہے تھے۔ اتفاق سے باورچی خانے کا دروازہ کھلا رہ گیا۔ دودھ رکھا ہوا تھا۔ رات کے کسی وقت بلی نے اس زور سے پتیلی گرائی کہ ہماری آنکھ کھل گئی۔ ہماری بیگم شی شی، ہو ہو کرتی ہوئی کچن کی طرف دوڑی۔ ساتھ سوئے معصوم بچے کی آنکھ کھلی تو وہ بھی ماں کے پیچھے دوڑا۔ بلی تیزی سے اوپر دیوار پر چھلانگ لگا گئی۔

بس بچے کے دل میں ڈر اور خوف بیٹھ گیا، جبکہ یہ بچہ پہلے نہیں ڈرتا تھا اور اب ہر وقت ڈرتا رہتا ہے۔ اپنے بچوں کو ڈرپوک نہ بنائیں، انہیں بہادر اور شجاع بنائیں۔ اس طرح وہ فیصلے کرنے میں بہادری دکھائے گا اور اس کی عملی زندگی بھی خوب گزرے گی، لیکن یاد رکھیں کہ بہادر بنانے سے مراد یہ نہیں کہ اسے بدتمیز بنایا جائے۔ چھوٹے بڑے کی تمیز اس کے اندر ختم ہو جائے۔ اعتدال ہر چیز میں ضروری ہے اور اعتدال کے اندر رہ کر یہ کام کرنے کا ہے۔

Marfat.com

باب 2

فحاشی و بے حیائی کو ایسے روکیں

Marfat.com

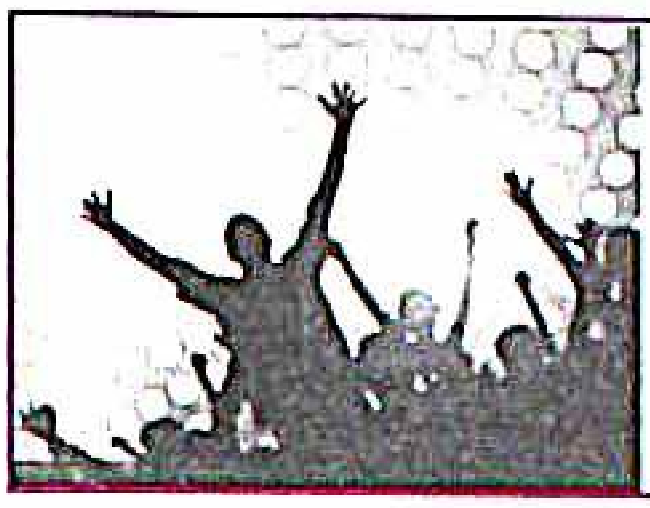

2 / 1

فحاشی پھیلانے والوں کیلئے عذاب/ روشن خیالی کا فتنہ

کئی تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ فحاشی وعریانی میں پلنے والے بچے ذہنی لحاظ سے متاثر ہوجاتے ہیں اوران کی استعداد زیادہ اچھی نہیں رہتی۔

یہ بات درست ہے کہ کچھ عرصے سے ایک منصوبہ بندی کے تحت ''فحاشی اور بے حیائی'' کا فتنہ ''روشن خیالی'' کے نام سے پروان چڑھایا جارہا ہے۔ فحاشی اور بے حیائی کا یہ سیلاب بلاجس تیزی سے اُمڈتا چلا آرہا ہے۔

خطرہ ہے کہیں پورے ملک اورقوم کواپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ فحاشی وعریانی اور بے حیائی کا اس قدر پھیل جانا انتہائی افسوسناک اور خطرناک ہے۔ اس کا سدباب نہایت ہی ضروری ہے، ورنہ آگے جو کچھ ہونے جارہا ہے، اس کے تصور ہی سے ہول اورخوف آتا ہے۔

امریکی ویورپی معاشرے میں فحاشی، عریانی اور بے حیائی کا ہونا کوئی نئی بات نہیں، مگر کسی مسلم ملک خصوصاً وہ ملک جونظریۂ اسلام کی بنیاد پر وجود میں آیا ہو، اس میں فحاشی اور بے حیائی کا اس قدر پھیل جانا، عقل اور سمجھ سے بالاتر ہے۔ جنسی اشتعال انگیزی پر مشتمل حیا باختہ عورتوں کی تصاویر اس قدر عام ہوگئی ہیں کہ گھریلو استعمال کی عام اشیا کو بھی ان سے آلودہ کردیا گیا ہے۔

Marfat.com

اخبارات ورسائل اور جرائد کے سر ورق پر فلمی اور ماڈلنگ کی دنیا کی نیم عریاں تصویروں کا چھپنا ایک عام معمول ہے، جو تھوڑی بہت کسر رہ گئی تھی، وہ ٹی وی چینلوں کے بے ہودہ پروگراموں اور فیشن شوز نے پوری کر دی ہے۔

فحاشی اور بے حیائی پھیلانے والے برقی اور ڈیجیٹل آلات گھر گھر عام کر دیے گئے ہیں۔ انٹرنیٹ اور موبائل کمپنیوں کے نت نئے پیکیج اور اسکیمیں اس خوفناک وبا اور وائرس کو عام کرنے میں مؤثر کردار ادا کر رہی ہیں۔ یہ فحاشی پھیلانے والے آلات جس قدر کم قیمت پر پاکستان میں بآسانی میسر ہیں۔ پوری دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

مغربی قوتوں کا ایک بھیانک منصوبہ ہے جس کے تحت یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی جو علامات بتائی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ بہت سے گناہوں اور برائیوں کا ارتکاب مہذب اور شائستہ ناموں سے کریں گے، شراب نوشی کریں گے، مگر نام بدل دیں گے، سود خوری کریں گے اور اس کو نام کچھ اور دے دیں گے۔

غور کیا جائے تو یہ برائی کی سب سے بدترین صورت ہوتی ہے، کیونکہ اس میں بھلائی کے لبادے میں برائی کی جاتی ہے۔ تہذیب کے نام پر بدتہذیبی کو روا رکھا جاتا ہے۔ آزادی کے نام پر نفس کی غلامی کی راہ ہموار کی جاتی ہے۔

اسلام جس وقت دنیا میں آیا اس وقت بھی کم وبیش یہی حالت تھی۔ اہلِ عرب اپنے کو دین ابراہیمی کا پیروکار کہتے تھے، لیکن پوری طرح شرک میں ملوث تھے۔ تاریخ بتاتی ہے جب کوئی انسانی گروہ گناہ کا عادی ہو جاتا ہے۔ جان بوجھ کر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا طریقۂ کار یہی ہوتا ہے۔

وہ بدی کو نیکی اور برائی کو اچھائی ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ مغربی تہذیب نے آج یہی صورت اختیار کر رکھی ہے۔ آج بہت سی اخلاقی برائیاں، تہذیب وثقافت کے

Marfat.com

نام سے رائج ہوگئی ہیں، جو لوگ اس سے اختلاف رکھتے ہوں، اسے برا جانتے ہوں، ان کو تہذیب جدید سے نا آشنا، بنیاد پرست اور انتہا پسند جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے۔

پوری قوت کے ساتھ اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ مغربی ثقافت وتہذیب کو ہم مسلمانوں پر مسلط کر دیا جائے۔ اس کے اسباب، نتائج اور اس کی روک تھام کے طریقوں پر بات کرنے سے پہلے فحاشی و بے حیائی کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

قرآن کریم اور حدیث شریف میں جا بجا فحاشی اور بے حیائی کی مذمت کی گئی ہے۔ اسے شیطانی کا عمل قرار دیا گیا ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 268 ہے:

"الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌO"

ترجمہ: ''شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا، ہر بات جاننے والا ہے۔''

اس آیت کی تشریح اور تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے: ''شیطان اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے دو طرح سے روکتا ہے۔ ایک تو مستقبل میں فقر اور احتیاج سے ڈرا کر۔ دوسرا، فحاشی و عریانی اور بے حیائی میں مبتلا کر کے۔ فحاشی اور بے حیائی انسان کو نیکی اور بھلائی سے روکتی ہے۔

ایک شخص جس وقت عیاشی میں مبتلا ہوتا ہے۔ شراب پیتا ہے، زنا کاری کرتا ہے، سینما بینی کرتا ہے، فضول خرچی کی عادت ہے، تو اس کی آمدنی اتنی نہیں ہوگی جو فضول کاموں کے لیے اس کو کافی ہو جائے۔

جب اس کی آمدنی ہوگی نہیں جو فضول کاموں میں خرچ کرنے کے بعد فاضل ہو تو ان بے حیائی کے کاموں میں اس کی ساری آمدنی چلی جائے گی، اللہ کے راستہ میں خرچ

Marfat.com

ہی نہیں کرے گا۔ طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہونے کی بنا پر انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔

بڑے بڑے زمیندار، جاگیردار، سرمایہ دار، عیاشی میں تو ہزاروں روپے قربان کر دیتے ہیں، لیکن اگر ان کے سامنے کوئی گداگر آجائے تو ان کے پاس پانچ روپے دینے کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ ان فضول کاموں میں خرچ کرنے کی وجہ سے ان میں ہمت نہیں ہوتی کہ وہ نیکی اور خیر کے کاموں میں خرچ کریں۔

وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے تو اپنے خرچے پورے نہیں ہوتے ہم کسی کو کیا دیں؟ تو یہ دونوں طریقے شیطان کے اللہ کے راستہ سے روکنے کے ہیں۔ پہلے تو ڈراتا ہے مستقبل میں محتاج ہو گئے تو پھر کیا کرو گے؟ اس لیے جمع کر کے رکھو اور پھر فضول کاموں میں تمہیں مبتلا کر دیتا ہے۔

جب بے حیائی کے کاموں میں مبتلا ہو جاؤ گے، فحاشی کے دلدادہ ہو جاؤ گے۔ پھر آمدنی میں اتنی گنجائش ہی نہیں رہے گی کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرسکو۔ اسی وجہ سے فضول خرچی سے منع کیا گیا اور کہا گیا ہے کہ فحاشی وعریانی اور بے حیائی کے قریب بھی مت جاؤ کیونکہ یہ کئی بُرائیوں کی جڑ ہے۔"

اسی طرح فحاشی وعریانی کے بارے میں قرآن پاک کی سورۃ النحل کی آیت نمبر 90 ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ»

ترجمہ: "بے شک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور رشتہ داروں کو (اُن کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

اس آیت میں تین کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ تین کام عدل واحسان کرنا

Marfat.com

اور رشتہ داروں کو دینا ہے۔ عدل یہ ہے آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرے۔ اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو۔ اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے جو اس کے لیے انجام کار مضر ہوں اور قناعت وصبر سے کام لے۔ نفس پر بلاوجہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔

اسی طرح تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے۔ کسی ادنیٰ واعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے۔ سب لوگوں کے لیے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے۔ کسی انسان کو اس کے کسی قول وفعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی ایذا اور تکلیف نہ پہنچے۔

''احسان'' کے اصل لغوی معنی اچھا کرنے کے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ''ایک یہ کہ اپنے فعل اور عادت کو اپنی ذات میں اچھا اور مکمل کرے۔ دوسرے یہ کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ معاملہ کرے۔ دوسرے معنی کے لیے عربی زبان میں لفظ احسان کے ساتھ حرف اِلیٰ استعمال ہوتا ہے، جیسا ایک آیت میں «اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ» فرمایا ہے۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے اس آیت میں یہ لفظ اپنے عام مفہوم کے لیے مستعمل ہوا ہے۔ اس لیے احسان کی دونوں قسموں کو شامل ہے۔ پہلی قسم کا احسان یعنی کسی کام کو اپنا ذات میں اچھا کرنا یہ بھی عام ہے۔ عبادات کو اچھا کرنا، اعمال واخلاق کو اچھا کرنا، معاملات کو اچھا کرنا۔ حضرت جبرئیلؑ کی مشہور حدیث میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں۔ وہ احسان عبادت کے لیے ہے۔

اس ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر استحضار کا یہ درجہ نصیب نہ ہو تو اتنی بات کا یقین تو ہر شخص کو ہونا ہی چاہیے کہ اللہ اس کے عمل کو دیکھ رہے ہیں۔

تیسرا حکم جو اس آیت میں دیا گیا ہے وہ «اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى» ہے۔ ''ایتاء'' کے معنی

Marfat.com

اعطاء یعنی کوئی چیز دینے کے ہیں۔ لفظ قُرْبٰی کے معنی قرابت اور رشتہ داری کے ہیں۔ ذی القربٰی کے معنی رشتہ دار، ذی رحم، ایتاء ذی القربٰی کے معنی ہوئے رشتہ دار کو کچھ دینا ہے۔

مفسرین نے کہا ہے اس حق میں رشتہ دار کو مال دے کر مالی خدمت کرنا بھی داخل ہے اور جسمانی خدمت بھی، بیمار پرسی اور خبر گیری بھی، زبانی تسلی و ہمدردی کا اظہار بھی۔ اگرچہ لفظِ احسان میں رشتہ داروں کا حق ادا کرنا بھی داخل تھا، مگر اس کو اس کی زیادہ اہمیت بتلانے کے لیے علیحدہ بیان فرمایا گیا۔

یہ تین حکم ایجابی تھے، آگے تین ممانعت وحرمت کے حکام ہیں۔ ان سے اللہ نے منع کیا ہے وہ ہیں فحشا، منکر اور بغی۔ منکر وہ قول وفعل ہے جس کے حرام و ناجائز ہونے پر اہلِ شرع کا اتفاق ہو۔ لفظ منکر میں تمام گناہ ظاہری اور باطنی، عملی اور اخلاقی سب داخل ہیں۔ بغی کے اصلی معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ مراد اس سے ظلم ہے۔ بغی کو اس لیے الگ بیان کیا کہ اس کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے۔

بعض اوقات یہ تعدی باہمی جنگ و جدل تک یا اس سے بھی آگے عالمی فساد تک پہنچ جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''ظلم کے سوا کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا بدلہ اور عذاب جلد دیا جاتا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظلم پر آخرت کا عذاب تو ہونا ہی ہے اس سے پہلے دنیا میں بھی اللہ ظالم کو سزا دے دیتے ہیں، اگرچہ وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ فلاں ظلم کی سزا ہے۔ اللہ نے مظلوم کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

''فحشا'' ہر اس برے اور بے حیائی کے کام کو کہا جاتا ہے، جس کی برائی انتہائی درجہ کو پہنچی ہوئی ہو۔ عقل وفہم اور فطرتِ سلیمہ کے نزدیک بالکل واضح ہو۔ منکر کا اطلاق اس قول وفعل پر ہوتا ہے جس کے حرام اور ناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ''لفظِ منکر'' کے تحت ''فحشا'' بھی داخل ہے۔ اس کے باوجود قرآن کی مختلف آیات میں فحشا کو الگ اور مستقل ذکر کیا گیا ہے اور دوسری ممنوعات سے مقدم فرمایا ہے۔

Marfat.com

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ فحشا اور بے حیائی بہت سے منکرات، معصیتوں اور گناہوں کا ذریعہ بنتی ہے۔ جب کسی معاشرے میں فحشا کا رواج عام ہوجائے وہاں بے غیرتی عام ہوجاتی ہے۔ جذبۂ دینی ماند پڑ جاتا ہے۔ اسلام وایمان کے لیے زندہ رہنے کی فکر وقوت کمزور ہوجاتی ہے۔ گناہوں کی سنگینی دلوں سے اٹھ جاتی ہے۔

قرآن پاک کی سورۃ النور کی آیت نمبر 19 ہے: «إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِيْ الَّذِيْنَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ فِيْ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ»

ترجمہ: ''یاد رکھو! جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔''

قرآن پاک کی سورۃ النور کی آیت نمبر 21 ہے: «يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَداً وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّيْ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ٥»

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم شیطان کے پیچھے نہ چلو، اور اگر کوئی شخص شیطان کے پیچھے چلے، تو شیطان تو ہمیشہ بے حیائی اور بدی کی تلقین کرے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک صاف نہ ہوتا، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے، پاک صاف کر دیتا ہے، اور اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔''

ان آیات میں قرآن نے فواحش کے انسداد کا یہ خاص نظام بنایا ہے۔ اوّل تو اس قسم کی خبر کہیں مشہور نہ ہونے پائے اور شہرت ہو تو ثبوتِ شرعی کے ساتھ ہو تاکہ اُس شہرت کے ساتھ ہی مجمع عام میں حدِ زنا اُس پر جاری کر کے اُس شہرت ہی کو سببِ انسداد بنا دیا جائے۔ جہاں ثبوتِ شرعی نہ ہو وہاں اس طرح کی بے حیائی کی خبروں کو چلتا کر دینا اور

Marfat.com

شہرت دینا جبکہ اس کے ساتھ کوئی سزا نہیں، طبعی طور پر لوگوں کے دلوں سے بے حیائی اور فواحش کی نفرت کو کم کردینے، جرائم پر اقدام کرنے اور شائع کرنے کا موجب ہوتی ہے۔ جس کا واضح مشاہدہ آج کل کے اخبارات میں روزانہ ہوتا ہے۔ اس طرح کی خبریں ہر روز ہر اخبار میں نشرت ہوتی رہتی ہیں۔ نوجوان مرد اور عورتیں اُن کو دیکھتے رہتے ہیں۔ روزانہ ایسی خبروں کے سامنے آنے اور اُس پر کسی خاص سزا کے مرتب نہ ہونے کا لازمی اور طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ دیکھتے دیکھتے وہ فعلِ خبیث نظروں میں ہلکا نظر آنے لگتا ہے۔ پھر نفس میں ہیجان پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن نے ایسی خبروں کی تشہیر کی اجازت صرف اُس صورت میں دی ہے جبکہ وہ ثبوت شرعی کے ساتھ ہو، اُس کے نتیجہ میں خبر کے ساتھ ہی اس بے حیائی کی ہولناک پاداش بھی دیکھنے سننے والوں کے سامنے آجائے۔

جہاں ثبوت اور سزا نہ ہو تو ایسی خبروں کی اشاعت کو قرآن نے مسلمانوں میں فواحش پھیلانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ان آیات میں ایسی خبریں بلاثبوت مشہور کرنے والوں پر دنیا و آخرت دونوں میں عذاب ہونے کا ذکر ہے۔ یہ تفسیر مفتی شفیعؒ نے اپنی کتاب معارف القرآن میں بھی لکھی ہے۔

اب اس حوالے سے چند ایسی احادیث پیش خدمت ہیں جن میں فحاشی و بے حیائی کی بُرائی بیان کی گئی ہے۔ مطالعہ بتاتا ہے کہ اسلام نے حیا کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اسے ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: «اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ» (صحیح مسلم:57) ''حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔''

ابوداؤد کی حدیث شریف ہے: «اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِیْ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ» (ابوداؤد: 7974) ''اگر آپ میں حیا نہیں تو جو جی میں آئے کریں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

فرمایا: «إِيَاكُمْ وَالْفُحْشَ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشْ» **(مسند احمد 2:/191)** ''بدگوئی سے بچو، کیونکہ اللہ تعالیٰ بے حیائی اور بہ تکلف فحش باتیں کرنے کو بھی پسند نہیں فرماتے۔''

اسی طرح فتح الباری میں ہے: «لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّابًا وَلَا فَحَّاشًا وَلَا لَعَّانًا، كَانَ يَقُولُ لِأَحَدِنَا عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ: مَا لَهُ تَرِبَتْ جَبِينُه.» (فتح الباری: 10/367)

ترجمہ: ''حضرت انسؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدگوئی کرنے والے نہیں تھے، نہ فحش باتیں کرنے والے اور نہ ہی لعنت کرنے والے۔ بہت غصے میں ہوتے تو بس اتنا کہہ دیتے کہ اسے کیا ہوا؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔''

Marfat.com

2 / 2

کون پوشیدہ ہے اس پردہ زنگاری میں

فحاشی، عریانی اور بے حیائی کے بارے میں قرآن وحدیث کی سخت ترین وعیدیں سامنے رکھ کر آج کے حالات کا بغور جائزہ لیں۔ اور سوچیں کہ ملک کو فحاشی، عریانی اور بے حیائی کی راہ پر لگانے والے عناصر کس قدر چابک دستی سے سرگرم عمل ہیں؟

وقت کے ساتھ ساتھ بے دینی اور بے راہ روی پھیلانے کے لیے ان کے تباہ کن اور مجرمانہ اقدامات میں اضافہ در اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ اس معاملے میں اخبارات ہوں یا ٹی وی چینل، ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے بے ہودہ اور حیا سوز مناظر دکھانے میں سب سے آگے ہیں۔

ملٹی نیشنل اور مقامی کمپنیاں ٹی وی پر دکھائے جانے والے اشتہارات اور شاہراہوں پر نصب بڑے بڑے "نیون سائن بورڈ" (Neon Sign Board) کے ذریعے تشہیر کے جو طریقے اختیار کرتی ہیں، بے حیائی اور فحاشی کے یہ سب طریقے مسلم معاشرے کے لیے تباہ کن زہر سے کم نہیں ہیں۔

ان فحش اشتہارات سے نوجوان نسل آوارگی کا شکار ہو رہی ہے۔ شرم وحیا کے پاکیزہ اخلاق کا جنازہ نکل رہا ہے۔ نتیجتاً جگہ جگہ، شہر ہوں یا دیہات، سنگین مجرمانہ واقعات کی بھرمار ہے۔ بے حیائی کو فروغ دینے میں کیبل کا عمل دخل سب سے زیادہ ہے۔

کچھ عرصے سے اس پیشے نے باقاعدہ انڈسٹری کی شکل اختیار کر لی ہے۔ کسی بھی کاروباری ادارے کی طرح یہاں بھی ہر قیمت پر مالی مفاد کا حصول ہی واحد مقصد سمجھ لیا گیا

Marfat.com

ہے۔ کیبل آپریٹرز نے اگر حیا سوز اور فحش مناظر کا راستہ نہ روکا تو قوم اور نسل کو تباہی کے راستے پر ڈالنے کے مجرمانہ طرزِ عمل میں یہ ادارے بھی بری الذمہ قرار نہیں پائیں گے۔ فحاشی اور عریانی معاشرے میں پھیلائے جانے والے وہ مہلک جراثیم ہیں جو بالآخر عوام اور خاص طور پر نوجوان نسل کو جنسی آوارگی کی تاریک راہ پر ڈال رہے ہیں۔

اس طرح کے حالات کی وجہ سے ماضی میں بھی بہت سی قومیں ملیامیٹ ہوگئی ہیں جن کے عبرتناک واقعات قرآن میں بھی موجود ہیں۔ یہ بے ہودہ حرکتیں اسلامی تعلیمات کی رو سے سنگین جرائم ہیں۔ قرآن وسنت کے واضح احکام میں پاکیزگی، عزت وآبرو کے احترام اور شرافت وپاکدامنی کے بلند اسلامی اقدار واخلاق پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ حیا سوز اور اخلاق باختہ ماحول تباہی کا راستہ ہے۔

اسی بنا پر قرآن وسنت میں ہر اس موڑ پر روک لگادی گئی ہے جہاں سے بگاڑ کا بیج پڑجانے کا اندیشہ ہو۔ عورت کے لیے حجاب کی پابندی، بدنگاہی کی ممانعت، ضرورت کے بغیر گھر کی چہاردیواری سے باہر نکلنے کی حوصلہ شکنی، مشکوک اور مشتبہ تعلق سے اجتناب کی تاکید، نکاح کو آسان رکھنے اور تکلفات ورسومات سے بچنے کی ہدایت۔ شریعت کے یہ اور اس جیسے بہت سے ایسے احکام وہدایات ہیں جن سے معاشرے میں متانت، شرافت اور پاکیزگی کے اوصاف پروان چڑھتے ہیں اور بگاڑ کے خطرات کا سدباب ہوتا ہے۔

ایسے ہی اوصاف واخلاق کا حامل معاشرہ اسلامی معاشرہ کہلاتا ہے جس کی حفاظت ہر کلمہ گو انسان کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی فرد یا تنظیم مادی ومالی مفاد کے لیے، اسلامی معاشرے کی اس فصیل میں نقب لگائے اور معاشرے کو فاسد ومکروہ اخلاق، حیا سوز تصاویر، فحش وعریاں مناظر اور بے ہودہ مکالمات سے آلودہ کرنے کی کوشش کرے تو یہ سنگین مجرمانہ طرزِ عمل ہوگا۔ ایسے لوگ اسلام کے بھی معاند ہیں اور مسلم معاشرے کے بھی دشمن۔ یہ معاشرے اور اسلام دونوں کے مجرم ہیں۔

Marfat.com

تاریخ بتاتی ہے دشمنانِ اسلام نے ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف دو کامیاب حربے آزمائے ہیں۔ ایک یہ کہ گروہ بندی کے مختلف طریقوں سے ان کی وحدت کو پارہ پارہ کیا۔ پھر ان میں بے حیائی، نفس پرستی اور آوارگی کے بیج بو کر ان کو دین سے برگشتہ کیا۔ یہ مغرب زدہ اور بے ضمیر لوگ آسانی سے اسلام و مسلمانوں کے خلاف گھناؤنی سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ ہمارے ملک میں اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ ان مکروہ حرکتوں میں غیر ملکی این جی اوز پیش پیش ہیں۔

جون 2011ء میں امریکی سفارت خانے نے ہم جنس پرستوں کو جو جمع کیا تھا۔ ان کی ہر طرح معاونت کا اعلان کیا گیا تھا۔ یہ سب کچھ اسی منصوبہ بندی کا حصہ ہے۔ ان این جی اوز نے اب یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ جسم فروش عورتوں کو جسم فروشی کے نام سے نہ پکارا جائے بلکہ انہیں ''سیکس ورکرز'' کہا جائے۔ یہ پیشہ کوئی مجرمانہ کام نہیں ہے بلکہ بشری حقوق کے ضمن میں ان کا قانونی حق ہے۔ ان کو یہ حق ملنا چاہیے۔

ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں سیکس ورکرز کی تعداد 15 لاکھ ہے جبکہ صرف کراچی میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد اور لاہور میں تعداد ایک لاکھ سے اوپر چلی گئی ہے۔ ان سیکس ورکر خواتین میں اعلیٰ اور پوش خاندانوں کی عورتیں بھی شامل ہیں۔ پاکستان میں ہم جنس پرستوں کو امریکی تنظیم ماہانہ 2500 ڈالر ادائیگی کرتی ہے۔ امریکا کے اس ''فحاشی پھیلاؤ'' پروگرام کو 6 پاکستانی این جی اوز کی بھرپور مدد حاصل ہے۔ امریکی سفارت خانے نے کراچی میں ہم جنس پرستوں کا اجتماع منعقد کروایا تھا۔ ان ہم جنس پرستوں نے شاہراہ فیصل پر پریڈ بھی کی تھی۔

انٹرنیشنل ہیومن رائٹس مانیٹرنگ گروپ (IHRM) کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں جسم فروشی کے پیشے میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ رپورٹ کے مطابق جسم فروشی کا پیشہ

Marfat.com

اختیار کرنے والی عورتوں میں 44 فیصد خواتین غربت، 32 فیصد دھوکے فریب، 18 فیصد جبر وتشدد، 4 فیصد وہ خواتین ہیں جو انہی گھرانوں میں پیدا ہوئیں اور 2 فیصد اپنی مرضی سے شامل ہیں۔ ان میں سے 41.8 فیصد خواتین 18 سے 25 سال کی ہیں جبکہ 6.21 فیصد لڑکیاں 18 سال سے کم عمر کی ہیں۔ 56.79 فیصد خواتین ان پڑھ ہیں اور 47 فیصد سیکنڈری سکول کی تعلیم سے لیکر کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم یافتہ ہیں جبکہ 30 فیصد غیر شادی شدہ لڑکیوں کے ساتھ 70 فیصد شادی شدہ خواتین شامل ہیں۔

ان خواتین میں نہ صرف لوکل بلکہ گزشتہ 10 برسوں میں بنگلہ دیش سے 5 لاکھ خواتین، برما سے 20 ہزار، افغانستان سے ایک لاکھ، روسی ریاستوں اور دیگر ممالک سے ہزاروں خواتین پاکستان آئیں اور جسم فروشی کے پیشہ سے منسلک ہوگئیں۔ دوسری طرف اس بے راہ روی کے نتیجے میں ایڈز جیسی موذی بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ اب تک 80 ہزار کے قریب افراد اس مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ایک نئی تحقیق کے مطابق پاکستان اُن ملکوں میں شامل ہے جہاں ہم جنس پرستوں میں ایچ آئی وی کے متعدی مرض کی شرح پانچ فیصد سے زیادہ ہے۔

قطر میں قائم ''ویل کارنل میڈیکل کالج'' کے محققین کی جانب سے کی گئی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے پاکستان میں ایک مخصوص مقام میں ایچ آئی وی سے متاثرہ افراد کی شرح 28 فیصد تک ہے۔ ''پبلک لائبریری آف سائنس میڈیکل جرنل'' میں شائع ہونے والی تحقیق کے مطابق مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں ہم جنس پرستوں میں ایچ آئی وی کے مرض میں اضافے کی نشاندہی ہوئی ہے، جبکہ خطرناک جنسی رجحانات کی وجہ سے ایڈز کے پھیلاؤ کا اندیشہ بھی موجود ہے۔ اسی طرح خواتین سیکس ورکرز کے مقابل جسم فروش لڑکوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے جن میں نوعمر بچوں کی زیادہ تعداد قابل تشویش ہے۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ جہاں ایک عام لڑکی اس پیشے میں ماہانہ 25 سے 30 ہزار روپے کماتی ہے وہاں یہ لڑکے 50 سے 70 ہزار روپے کما لیتے ہیں۔ لاہور پولیس

Marfat.com

کے مطابق نہ صرف شہر میں جگہ جگہ جسم فروشی کے اڈے کھل گئے بلکہ نجی اور سرکاری اداروں میں بھی ایسے افراد موجود ہیں جبکہ بڑی مارکیٹوں، سڑکوں، درباروں، باغوں، پارکوں اور اہم علاقوں میں بھی چلتے پھرتے ایسے افراد کی کوئی کمی نہیں۔

چند سال پہلے شہر میں 200 کے قریب قحبہ خانے تھے جن کی تعداد اب بڑھ کر 445 کے قریب پہنچ چکی ہے۔ لاہور میں 5 سال کے دوران جسم فروشی میں دوگنا اضافہ ہوا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق لاہور شہر میں 1 لاکھ سے زائد جسم فروش خواتین اور لڑکے ہیں جن میں 13 سال کی عمر سے لے کر 40 سال تک کی عمر کے افراد شامل ہیں۔ ان کی تعداد میں 100 سے لیکر 200 افراد تک کا ماہانہ اضافہ ہو رہا ہے۔

اس بڑھتی ہوئی فحاشی کا ایک خوفناک پہلو یہ ہے کہ اب تک پاکستان میں ہزاروں افراد جنسی بے راہ روی کے باعث ایڈز جیسے مہلک مرض کا شکار ہو چکے ہیں۔ سابقہ اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں 1987ء میں ایڈز کا پہلا مریض رپورٹ کیا گیا تھا جبکہ اب 70 سے 80 ہزار افراد ایڈز میں مبتلا ہیں اور یہ بیماری بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ گزشتہ برس اقوام متحدہ کے ادارے یو این ایف پی اے اور مقامی غیر سرکاری تنظیموں کی جانب سے ورکشاپ منعقد کی گئی۔ اس ورکشاپ میں خواتین سیکس ورکرز کو محفوظ جنسی طریقوں سے آگاہی دی گئی تھی۔

اس ورکشاپ کے اختتام تک ایک سو سے زیادہ تعداد میں سیکس ورکرز نے شرکت کی۔ سیکیورٹی ادارے دیکھتے رہے اور ان کی ناک تلے پاکستان کے قانون کی دھجیاں اڑائی گئیں۔ کسی مذہبی رہنما نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور نہ ہی کسی مذہبی جماعت نے احتجاج ریکارڈ کرایا۔ یہ کتنے افسوس اور دُکھ کی بات ہے۔

''یونائیٹڈ نیشنز پاپولیشن فنڈ'' کے پراجیکٹ افسر کا اس حوالے سے کہنا تھا ان کے پاس

Marfat.com

پورے پاکستان کے مکمل اعداد و شمار تو نہیں ہیں، لیکن ایک سروے کے مطابق کراچی اور لاہور میں دو لاکھ سے زائد خواتین بطور سیکس ورکرز کام کر رہی ہیں۔ انٹرنیشنل ہیومن رائٹس مانیٹرنگ گروپ کے ایک سروے کے مطابق گزشتہ 10 برسوں میں بنگلہ دیش سے 5 لاکھ خواتین، برما سے 20 ہزار، افغانستان سے ایک لاکھ اور روسی ریاستوں اور دیگر ممالک سے ہزاروں خواتین پاکستان آئیں اور جسم فروشی کے پیشہ سے منسلک ہوگئیں، ان میں سے متعدد خواتین ایسی ہیں کہ جنہوں نے اس پیشہ کو اپنی مرضی سے اپنایا جبکہ اکثریت ایسی خواتین کی ہے کہ جن کو ان کی مجبوریاں اس پیشہ میں لانے کا سبب بنیں۔

ان لڑکیوں کو لانے والے گروہوں کے ارکان بنگلہ دیش اور برما سے نوجوان لڑکیوں کو ملازمت اور مستقبل کے سنہرے خواب دکھا کر لاتے ہیں۔ بعد میں انہیں ملک کے مختلف شہروں میں فروخت کر دیا جاتا ہے۔ یوں یہ لڑکیاں بازارِ حسن کی زینت بن جاتی ہیں۔

''احوال'' نے ایک اور قیامت خیز انکشاف کیا ہے کہ اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کی تقریب میں موجود ہم جنس پرستی کی نشانی والی آٹھ رنگوں کی ٹی شرٹس پہنے ہوئے ان نوجوانوں کی عام لوگ تو شناخت نہیں کر سکے، مگر وہ لوگ جو انہیں سمجھتے ہیں یا ان کے قریب رہتے ہیں، انہیں دیکھ کر فتح کا نشان بناتے رہے۔ ان نوجوانوں نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے شیطان کے سینگوں والا نشان بھی بنایا جس کو صرف اس قبیح پیشے سے وابستہ افراد ہی سمجھ رہے تھے۔

ہم جنس پرستوں نے سوشل نیٹ ورکنگ کی ویب سائٹس پر اپنے گروپس بنائے ہوئے ہیں جن کے کئی سو ممبران ہیں۔ یہ تمام ہم جنس پرست سوشل ویب سائٹس سے باہم رابطے میں رہتے ہیں۔ اس وقت ''انٹرنیٹ'' فحاشی پھیلانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ہمارے دینی رہنما اور مذہبی پیشوا عمومی طور پر انٹرنیٹ سے ناواقف ہیں جس کے باعث انہیں اندازہ ہی نہیں کہ نوجوان نسل کس تیزی سے فحاشی کا شکار ہو رہی ہے۔ کراچی میں ہم جنس پرستوں

Marfat.com

کے مخصوص مقامات ہیں جہاں ان کی ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ شہر سے باہر ساحل سمندر اور فارم ہاؤس ان کی بڑی پارٹیوں کا مرکز ہیں جس کے لیے ایک شام مختص ہوتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق ہم جنس پرست منظّم ہیں اور ان کی پارٹیاں مقامی اور ملکی سطح کی ہوتی ہیں جن میں کئی سو لوگ شریک ہوتے ہیں۔

ایک معاصر روزنامے کی رپورٹ کے مطابق ایک حساس ادارے نے رپورٹ دی ہے کہ پاکستان میں ہم جنس پرستی کے حق میں کام کرنے والی 2 امریکی تنظیمیں جی ایل ایس ای این یعنی گے، لیزبین اینڈ اسٹریٹ ایجوکیشن نیٹ ورک اور جی ایل آئی ایف اے اے یعنی گے، لیزبین ان فارن افیئرز ایجنسیز غیر محسوس طریقے سے سرگرم ہیں۔ ان کا مقصد پاکستانی نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو بے راہ روی کا شکار کرنا ہے۔ یہ تنظیمیں اب پاکستان میں بے انتہا فنڈنگ کر رہی ہیں۔

یہ تنظیمیں ویب سائٹ کے ذریعے رابطہ کرنے والے نوجوانوں کا انٹرویو کرتی ہیں۔ شرائط پر پورا اترنے کے بعد اپنا رکن بنا لیتی ہیں۔ کارکن کو ماہانہ 2500 ڈالر تک ادائیگی بھی کی جاتی ہے۔ ان تنظیموں کو نہ صرف امریکی حکومت بلکہ بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں بھی امداد فراہم کرتی ہیں۔ امریکی تنظیم 3 لاکھ ڈالر سالانہ اور 89 دوسری امریکی ایجنسیاں بھی اوسطا 2500 ڈالر کی امداد دیتی ہیں۔ ان میں کئی یہودی صہیونی تنظیمیں بھی شامل ہیں۔

ان چشم کشا حقائق سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستانی تہذیب و ثقافت اس وقت امریکی ہٹ لسٹ پر ہے۔ پاکستان میں یہ تنظیمیں تیزی سے اپنا دائرہ کار بڑھا رہی ہیں۔ ہم اس تمام صورتِ حال کی روشنی میں اخبارات، ٹی وی چینلز، انٹرنیٹ سے وابستہ افراد اور کیبل آپریٹرز سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وثقافت کے خلاف اس خوفناک کا حصہ نہ بنیں اور ذاتی مفادات کی خاطر وہ خوفناک آگ نہ بھڑکائیں جس کے نتیجے میں پوری نسل خاکستر ہو جائے۔

Marfat.com

دوسری طرف ہماری بھی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ان خرافات سے دور رکھیں۔ ان کے مستقبل کو محفوظ رکھیں۔ان کے کچے ذہنوں کو فحاشی وعریانی اور بے حیائی کے خوفناک تیروں سے بچائیں۔ شیطان کے بندے اپنا کام کر رہے ہیں، رحمٰن کے بندوں کو اپنی حفاظت کا سامان خود کرنا چاہیے۔اسی میں بھلائی اور عافیت ہے۔

Marfat.com

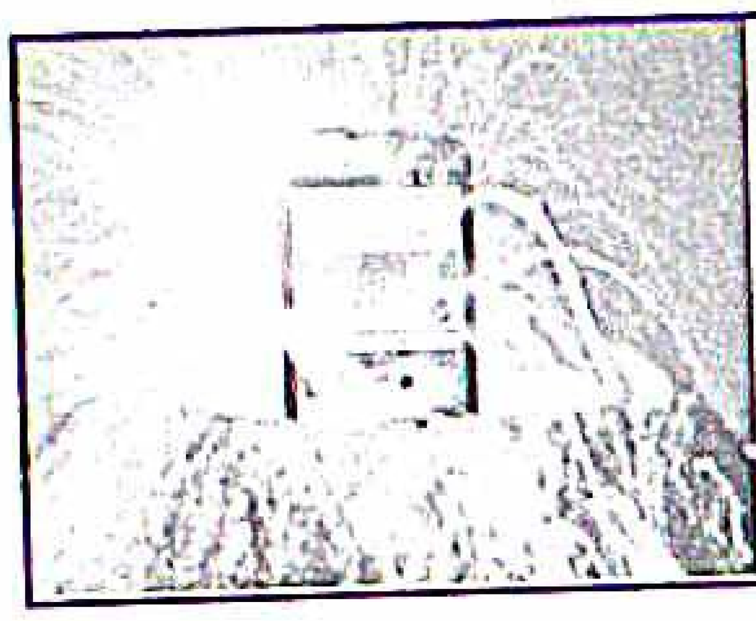

2 / 3

آتش فشاں/ بڑی تباہی کا پیش خیمہ

کیا کبھی کسی نے سوچا تھا ایک گھر کے لاؤنج یا کمرے میں سارا خاندان ایک ساتھ بیٹھا ہو۔ باپ، ماں، دادا، دادی، بہن بھائی......سب کسی موضوع پر گفتگو بھی کر رہے ہوں اور ایک دوسرے کے سامنے سنبھل کر باتیں بھی کریں، لیکن اس سب کچھ کے باوجود ایک نوجوان لڑکی یا لڑکا، اس سارے ماحول، ماں باپ اور بہن بھائیوں کی موجودگی میں موبائل پر کوئی گندہ لطیفہ، غلیظ تصویر یا گھٹیا جذبات سے بھرپور میسج وصول بھی کرے۔ مناسب سمجھے تو اسے کئی سو میل دور بیٹھے دوستوں یا سہیلیوں کو آگے بھی ارسال کر دے۔

اسی طرح خاندان کی ایسی کسی محفل میں، بلکہ مہمانوں کے درمیان بھی کوئی لڑکا یا لڑکی، اپنے موبائل میسجوں کے ذریعے مستقل عشقیہ گفتگو بھی کرتا رہے۔ ملنے کے پروگرام بھی بنائے۔ والدین کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہ ساری گفتگو جاری رکھنے کا اعلان بھی کرے۔ محفل میں بیٹھے اس کے والد، والدہ، بھائی یا بہن کو اس کا علم تک نہ ہو سکے۔ راتوں کو فری پیکیج کے ذریعے بستر کی تنہائیوں میں گم پوری پوری رات اگر ممکن ہو سکے تو گفتگو ہوتی رہے۔ اگر نہیں ممکن تو میسج ان سب کا بہترین نعم البدل۔

یہ ہے آج کے روشن خیال پاکستان کے گھروں کی تصویر۔ وہ ملک جس میں دنیا میں موبائل فون ریٹ سب سے سستا ہے۔ یہ کسی گھر میں بجلی ہو نہ ہو۔ صاف پانی میسر نہ ہو۔ علاج کے لیے پیسے موجود نہ ہوں۔ بچوں کی پڑھائی کے لیے کسی اعلیٰ بلکہ ادنیٰ ادارے میں تعلیم کے اخراجات پورے نہ ہو سکیں، لیکن موبائل فون ضرور میسر ہوگا۔

Marfat.com

اس موبائل کے ذریعے اور اس کی خفیہ وارداتوں سے گھروں کے اندر طوفان پل رہے ہوتے ہیں۔ آتش فشاں اُبل رہے ہوتے ہیں، لیکن بظاہر کسی کو اس کا علم تک نہیں ہوتا۔ موبائل فون کی ایسی اقسام روز بروز مارکیٹ میں میسر آرہی ہیں جن میں کیمرے کی بہترین کوالٹی پر زور دیا جاتا ہے۔ کم سے کم روشنی میں بھی فلم بنانے والے کیمرے اب موبائلوں میں میسر ہیں حالانکہ کیمرے کا فون کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ دونوں علیحدہ چیزیں ہیں۔ ان کے مصارف بھی علیحدہ ہیں۔

ان موبائل کیمروں کی وجہ ہے اس وقت دنیا کی ساری فحش ویب سائٹس پر پاکستانی لڑکوں اور لڑکیوں کی جنسی حرکات کی فلمیں موبائل کلپس کے نام سے میسر ہیں۔ کہیں دیسی کے نام پر تو کہیں پاکستانی کے نام پر۔ یہ اور ایسی دوسری فلمیں ہمارے وڈیو سینٹروں اور وڈیو کی دکانوں پر سی ڈیز کی صورت میں یوں میسر ہیں جیسے سبزی کی دکانوں پر سبزیاں۔ یہ موبائل کلپس SMS کے ذریعے ایک موبائل سے دوسرے موبائل اور پھر ہر موبائل میں ''بلیوٹوتھ'' ہونے کی وجہ سے پاس بیٹھے شخص کو بغیر کسی کو خبر کیے خاموشی سے بھیجے جاسکتے ہیں۔

ہمارے گھروں، گلیوں اور معاشرے میں جو آتش فشاں اُبل رہے ہیں، ہمیں اس کا ادراک تک نہیں۔ ہمارے انٹرنیٹ پر کسی قسم کا کوئی فلٹر نہیں۔ کوئی ایسی کوشش نہیں کہ ان سائٹس کو بلاک کیا جائے۔ سائٹس کو بلاک کرنا تو ایک مستقل عمل ہے۔ ایک پورے ادارے کو چوبیس گھنٹے چوکنا ہو کر انٹرنیٹ پر بیٹھنا پڑتا ہے۔ ادھر کوئی ایسی سائٹ سامنے آئے اور ادھر اس کو صارفین کے لیے بلاک کر دیا جائے۔

ایسے فلٹر پوری دنیا میں موجود ہوتے ہیں۔ اپنی اپنی اخلاقیاتی حدود کے مطابق پوری دنیا میں بچوں کی جنسی فلموں پر پابندی ہے۔ انٹرنیٹ پر انہیں بلاک بھی کیا جاتا ہے اور سخت سزا بھی موجود ہے، لیکن شاید ہمیں اس مسئلے کا ادراک ہے اور نہ ہی اس طوفان کا اندازہ، جو

Marfat.com

ہمارے معاشرے کی جانب بڑھتا چلا آرہا ہے۔اس میٹھے زہر کی وجہ سے جو ہماری نوجوان نسل کی رگوں میں سرایت ہو چکا ہے، ہماری حالت بھی ان معاشروں جیسی ہوگئی ہے جہاں جنسی جرائم روزمرہ کا حصہ بن جاتے ہیں۔

امریکا ان تمام لذتوں کا جو خمیازہ بھگت رہا ہے اس کی حالت ملاحظہ کیجیے۔ امریکی معاشرے میں ہر منٹ میں 1.3 عورتیں جنسی تشدد کا نشانہ بنتی ہیں۔ان میں سے 84 فیصد کی عمریں 24 سال سے کم ہوتی ہیں جبکہ 84 فیصد جنسی تشدد کرنے والے کہتے ہیں ہمیں اُکسایا گیا ہے۔اب ذرا مزید حیران ہوجائیں کہ 75 فیصد جنسی تشدد کوئی جاننے والا، کوئی تعلق والا، خواہ وہ انٹرنیٹ سے ہو یا موبائل سے، وہ کرتا ہے۔

جرم کی یہ وہ تعداد ہے جو پولیس کے علم میں ہے جبکہ دس میں سے نو عورتیں اپنے ساتھ بیتنے والے المیے اور جنسی واردات کا کسی سے ذکر تک نہیں کرتیں۔ 60 فیصد جنسی تشدد کے واقعات بہلا پھسلا کر، پڑوس میں، دوست کے گھر، رشتے دار کے گھر یا خود لڑکی کے گھر تنہائی میں پیش آتے ہیں۔

◆ ◆ ◆

اب ذرا پاکستان میں ان بڑھتے ہوئے جرائم کو دیکھیں جو اب روز ہماری آنکھوں کو حیرت میں ڈال رہے ہیں۔2009ء میں 928 جنسی تشدد یعنی گینگ ریپ کے واقعات ہوئے اور 274 عمومی یعنی کسی ایک مرد کی عورت کی عزت لوٹنے کے واقعات پیش آئے۔ یہ کل 1202 واقعات ہیں۔یعنی ہر روز اس مملکت خداداد پاکستان میں چار خواتین اجتماعی یا انفرادی آبروریزی کا شکار ہوئیں۔امریکا میں اگر دس میں ایک عورت اپنے اوپر بیتنے والے سانحے کا ذکر کرتی ہے تو پاکستان میں شاید سو میں سے ایک عورت باہر جا کر بتاتی ہو۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ ہزار میں سے ایک عورت ایسی ہو جس کا جرم پولیس یا میڈیا تک جا پہنچے۔ یہ 2009ء کے اعداد و شمار تھے۔اس سال 2013ء کے اختتام پر یہ کتنے بڑھ گئے ہوں گے،

Marfat.com

کون جانتا ہے؟

آیئے! دنیا بھر کے ممالک میں جہاں جنسی جرائم بڑھے اور انہوں نے وجوہات کو کھوج لگایا ان پر ہی اعتبار کر کے بات کا جائزہ لیں۔ یہ سارے مجرم کسی مذہبی گھٹن یا مردانہ استحصال کی نعرہ بازی کا شکار نہ تھے بلکہ تحقیق کہتی ہے ان میں سے 87 فیصد ایسے تھے جو فحش فلمیں دیکھنے کی لت کا شکار تھے۔ جن لوگوں نے چھوٹے بچوں کو جنسی درندگی کا نشانہ بنایا، ان میں تو فحش فلمیں، انٹرنیٹ پر فحش مواد اور رسالے پڑھنے کی عادت 95 فیصد تھی۔

ایک اور اہم نکتہ جو جنسی تشدد کی نفسیات میں ماہرین نے تسلیم کیا ہے، وہ آبروریزی کی جنسی خواہشات ہیں جو ایسے غلیظ مواد سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں مرد بالجبر آبروریزی کے خواب میں لذت حاصل کرتا ہے اور عورت آبروریزی کے خواب میں تسکین تلاش کرتی ہے۔ یوں وہ دونوں اپنی حرکات، لباس، گفتگو اور تنہائی کی وجہ سے اس گھناؤنے عمل کے قریب آ جاتے ہیں۔

مشہور جنرل ''سائیکلوجی ٹوڈے'' کی تحقیقات کے مطابق 57 فیصد عورتیں آبروریزی کے جذبات بھڑکا دینے والے خواب دیکھتی ہیں۔ 17 فیصد بار بار دیکھتی ہیں۔ اسے "Rape Fantcy" کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ سب اس ماحول اور اس میڈیا سے جنم لیتا ہے جسے کوئی کنٹرول نہیں کر پاتا۔ جنسی تشدد کرنے والے مردوں کے لیے کسی اشتہار میں دکھائی جانے والی عریاں ٹانگیں اور واضح جسمانی خدوخال ہی اس کی نفسیات کو ہیجانی بنا دیتے ہیں۔

یہ ایسا المیہ ہے اور ایسا طوفان ہے جس پر کئی کتابیں بھی لکھی جائیں تو کم ہیں۔ ہم جس اخلاقی زوال کی کھائی میں گرتے جا رہے ہیں، اس کا ہمیں احساس تک نہیں۔ دہشت گردوں سے جنگ کرنا ہو تو پورے وزیرستان اور سوات میں موبائل پر پابندی لگا دی جاتی ہے۔ کوئی نہیں چیختا۔ ڈرون حملے کرنا ہوں تو تمام صحافیوں کا اس علاقے میں داخلہ ممنوع

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔ تمام میڈیا پر خبریں نشر کرنے، متاثرہ لوگوں کی تصویریں چلانے سے روک دیا جاتا ہے، لیکن اس دہشت سے کوئی جنگ کرنا ہی نہیں چاہتا جو دبے پاؤں ہمارے گھروں تک آچکی ہے۔ یہاں صرف پیٹرول پر ٹیکس لگا کر عوام کو لوٹا جاتا ہے۔

کوئی موبائل فون پر میسج پر بھاری ٹیکس نافذ نہیں کرتا۔ دنیا کے کسی ملک میں ہم سے زیادہ سستا موبائل نہیں اور کسی ملک میں میڈیا کو اس قدر مادر پدر آزادی نہیں کہ جیسا اشتہار چاہیں بنائیں۔ جیسا فحش فقرہ چاہیں استعمال کریں۔ ابھی تو یہ آتش فشاں خاموشی سے اُبل رہا ہے۔ اگر یہ یکدم پھٹ پڑا تو عزت وناموس، غیرت وحمیت اور اخلاق اس نوجوان نسل کے پاؤں کی ٹھوکر میں ہوں گے جن کو ہم نے خود یہ زہر دے کر پالا ہے۔

اسی طرح ہر خوشنما نعرہ لگانے والوں کی حمایت کوئی دانشمندی نہیں۔ جب تک کہ ان کے مقاصد اور حقائق سے پوری طرح آگاہ نہ ہوں۔ جب قوم حقائق جانے بغیر خوشنما نعروں کے پیچھے دوڑتی ہے تو اس کا خمیازہ آنے والی نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ حقوقِ نسواں، آزاد خیالی اور مساوات مرد وزن...... اسی قسم کے نعروں کی مثالیں ہیں۔ یہ ایسے نعرے ہیں کہ ہر سننے والے کے دل کو بھاتے ہیں۔ ہر سمجھدار شخص کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ عورتوں جیسی کمزور صنف پر کوئی ظلم نہ کر سکے۔ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ضرور ملے۔

سادہ لوح عورتیں بھی اپنے حقوق کا نعرہ سن کر نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے مقاصد میں استعمال ہونے لگتی ہیں، لیکن اگر نعروں کے پیچھے مغرب کے افکار ونظریات کی کھوج لگائی جائے اور اس کے نتائج دیکھے جائیں تو ہر عقلمند شخص بھانپ لے گا کہ یہ نعرہ بازی والے ہرگز ان کے محسن نہیں۔ جو خود حقوقِ انسانیت سے ناآشنا ہوں بھلا وہ محسن ہو سکتے ہیں؟ وہ عورتوں کو حقوق دلوانا نہیں بلکہ ان سے اور ان کے بچوں سے حقوق چھیننا چاہتے ہیں۔ ذیل کے دو نکات آزادئ نسواں کے اس دلفریب نعرے کی حقیقت واضح کرنے

Marfat.com

کے لیے کافی ہیں۔

اسلام قیامت تک رہنے والا مذہب ہے۔ اس کے قوانین ہر دور میں قابلِ غور اور ذریعہ ہدایت رہے ہیں۔ اس نے ہر ایک کے لیے تقسیمِ کار کیا ہے۔ عورتوں کو خانہ داری کی ذمہ داریاں سونپی ہیں اور مردوں کو خارجی امور کی۔ یہ نظام عقلاً بھی انتہائی متوازن ہے۔ اگر اس کے برعکس کر دیا جائے:

(i) مردوں کو خانہ داری اور عورتوں کو خارجی امور سپرد کر دیے جائیں تو اکثر عورتیں اس سے قاصر رہیں گی۔ (ii) یہ بھی ممکن نہیں کہ سب کو خارجی امور سپرد کر دیے جائیں۔ (iii) یہ ممکن ہے کہ سب کو امور خانہ داری سونپ دیے جائیں۔ لہٰذا طے یہ پایا کہ خارجی اُمور کی ذمہ داری مردوں پر اور داخلی اُمور کی ذمہ داری عورتوں پر ڈالی جائے تاکہ بچوں کی پروش اور تربیت بھی صحیح معنی میں ہو سکے کیونکہ ماں کی گود بچوں کے لیے بہترین تربیت گاہ ہوتی ہے۔

عورت کی مثال ایک انمول خزانے کی سی ہے۔ خزانے کی حفاظت کی جاتی ہے۔ جب معاشرہ بگڑا ہوا ہو تو ذرا سی بے احتیاطی بھی بھیانک انجام تک پہنچا سکتی ہے۔ مغربی معاشرے کے حالات کا اچھی طرح سے جائزہ لیں تو پتا چلے گا کہ ان کی دی ہوئی آزادی نے عورت کو عزت نہیں بلکہ رُسوائی دی ہے۔ اجنبی مردوں سے تعلقات قائم ہوئے تو میاں بیوی کی محبت ختم ہوگئی۔ ناجائز تعلقات کا سلسلہ دراز ہوا تو بچے اپنے باپ کی شناخت سے محروم ہو گئے۔

پھر مغربی ممالک نے اپنے اس داغ کو چھپانے کے لیے بچوں کو ماں کی طرف منسوب کر دیا کہ جب باپ کے ذریعے شناخت ناممکن ہوگئی تو اب ماں کے ذریعے شناخت ہو۔ تو کیا پھر ناجائز تعلقات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد اپنے داغ کو چھپانے کے لیے غنڈے، بدمعاش نہیں بنیں گے؟ کیا آنے والی نسلوں میں بدکاری کی وبا نہیں پھیلے گی؟

Marfat.com

کچھ عرصے سے ایک نئی لعنت نے سر اٹھایا ہے۔ یہ لعنت ہے ''کیٹ واک'' اور ''فیشن شو'' کی۔ اس نام پر ملک بھر میں جس قدر فحاشی پھیلائی جارہی ہے اس کا اندازہ کوئی عام آدمی نہیں کرسکتا۔ بظاہر ایسے پروگراموں کا مقصد نئے ڈیزائن متعارف کرانا ہوتا ہے، مگر حقیقت میں ایسے پروگرام شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ پہلے اس طرح کے شو کراچی، لاہور اور اسلام آباد کے مہنگے ہوٹلوں میں منعقد کیے جاتے تھے......

مگر اب تعلیمی اداروں میں بھی ان حیا سوز فیشن شوز کا سلسلہ چل نکلا ہے۔ حیدرآباد کے ایک نجی اسکول میں سالانہ پروگرام منعقد ہوا، جہاں اسلامی قدروں کا نہ صرف کھلے عام مذاق اڑایا گیا بلکہ معصوم بچیوں کو کیٹ واک کے نام پر چست لباس میں ''مہمانوں'' کے سامنے پیش کیا گیا۔ فیشن شو کے نام پر بے حیائی اور مادر پدر آزادی کو فروغ دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

''فیشن شوز'' اور Catwalk کے نام پر عریانیت اور بے حیائی پھیلانے کا جو دھندا پاکستان میں ''روشن خیالی'' کے نام پر جس انداز میں زور پکڑتا جارہا ہے۔ اگر اس کا فوری سدباب نہ کیا گیا تو عریانیت کی یہ آگ مہذب اور دیندار گھرانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ بدتہذیبی اور جاہلیت کی ان حدوں کو چھولیں گے جو مغربی معاشرے کی اخلاقی اقدار کی تباہی کا باعث بن چکی ہیں۔ جہاں حیوانیت اس حد تک پروان چڑھ چکی ہے کہ اکثر پیدا ہونے والے بچوں کو اپنے باپ کا پتہ نہیں ہوتا۔ مرد اور عورتیں بغیر شادی کیے ایک ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ مردوں کا مردوں کے ساتھ اور عورتوں کا عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کا رواج زور پکڑتا جارہا ہے۔

فحاشی و عریانیت ان معاشروں میں اب بالکل بے معنی ہوکر ان کے رواج و سماج کا حصہ

Marfat.com

بن چکی ہیں، جنھیں اب وہاں قانونی تحفظ حاصل ہے۔ ایک سیکولر اور کفر کے معاشرہ میں اس بدتہذیبی اور جاہلیت کا ہونا کوئی اچھنبے کی بات نہیں، مگر اس قسم کے رجحانات کا کسی اسلامی معاشرے اور اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں پنپنا یقیناً سوچنے اور افسوس کا مقام ہے۔ گزشتہ سال ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ''فیشن ویک'' منایا گیا۔ اس فیش شو میں 29 پاکستانی اور 7 غیر ملکی فیشن ڈیزائنر حصہ لیا۔ اس کی خاص بات یہ بھی تھی کہ اس شو کو فحاشی و عریانی میں سرفہرست میگزین نے منعقد کرایا۔ شو کے منتظمین کا کہنا تھا اس سے ملکی تجارت میں اضافہ ہوگا اور نوجوان فیشن ڈیزائنروں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔

ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور بل بورڈز پر چھائے ''لان'' کے اشتہارات دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ گرمیوں کے دنوں میں پاکستانیوں کا سب سے بڑا مسئلہ کپڑوں کی خریداری ہوتا ہے۔ اگر کسی نے فوری طور پر گرمی میں پہننے کے لیے لان کے کپڑے نہ خریدے تو شاید وہ زندگی کی بازی ہار بیٹھے۔ ملک کی کون سی ایسی شاہراہ ہے جس پر ایستادہ سائن بورڈ میں لان کا اشتہار نہیں۔ فیشن ویک کا واضح مطلب فحاشی و عریانی ہے۔

خواتین کے کپڑے تیار کرنے والے درزی بٹن کسی نئے انداز سے ٹانک دیں تو وہ نیا ڈیزائن بن جاتا ہے۔ شہر بھر کی دکانوں پہ مٹی کے بھاؤ بکتی ''لیس'' کسی ٹیڑھے میڑھے انداز میں سل جائے تو وہ نیا فیشن قرار پاتی ہے۔ جاپانی کٹ پیس اور نجانے کن کن رسوا کن ناموں سے بکتے کپڑوں کے ٹکڑے جب کوئی اناڑی درزی ملا کر سی دیتا ہے تو اسے بیچنے کے لیے ''فیشن شو'' یا کسی ''فیشن ویک'' کی ضرورت پڑتی ہے۔

ان نوآموز درزیوں کو بھی پتا ہے کہ جب تک کسی پری چہرہ خاتون کو نیم برہنہ کر کے یہ کپڑے نہ پہنائے گئے تب تک کوئی سمجھدار آدمی اسے چند ٹکے بھی نہیں دے گا۔ جب کوئی آبرو باختہ ماڈل گرل ان چیتھڑوں سے بنے کپڑوں کو پہنتی ہے تو فیشن شو دیکھنے کے لیے جمع ہونے والے لڑکوں، بالوں اور غنڈوں، تلنگوں کی نظریں فحاشی و عریانی کے پیچ وخم میں الجھ کر

Marfat.com

رہ جاتی ہے۔ اس فیشن شو میں قیمت کپڑے کی نہیں، وہاں جگمگاتے رنگا رنگ بلبوں اور کپڑوں سے جھانکتے بلوریں جسموں کی ہوتی ہے۔

آپ کسی بھی فیشن شو منعقد کروانے والے سے معلوم کر دیکھیے ان فیشن شوز میں آنے والے افراد کون ہیں؟ کیا کوئی شریف آدمی کبھی اپنی فیملی کے ساتھ ایسے کسی بھی شو میں شریک ہوا ہے؟ ان فیشن شوز میں شریک ہونے والی اداکارہ ہوگی، فنکارہ ہوگی یا کوئی ماڈل۔ لے دے کر کوئی دوسرا آٹپکا تو وہ کوئی رشوت خور سرکاری افسر ہوگا جسے اپنی حرام کی کمائی خرچ کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی مصرف نظر نہیں آتا۔ اس کے علاوہ کبھی عام آدمی یا کوئی فیملی وہاں نہیں جاتی۔

معاشرے میں موجود ایک فیصد سے بھی کم لوگ اپنی سیکولر ذہنیت اور لادینیت پسندی کو پاکستان بھر پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ ذرا پاکستان بھر میں گھوم جایئے اور بسوں میں سفر کرتے کسی بھی پاکستانی سے پوچھیے کہ اسے ان فیشن شوز سے کیا فائدہ ہوا؟ پاکستان میں بستے 20 کروڑ افراد میں سے چند لاکھ افراد بھی ایسے نہیں ہوں گے جو فیشن کے نام پر بے حیائی کی حمایت کریں۔ آپ کو کوئی ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آئے گا جو ''کیٹ واک'' جیسی فحاشی و عریانی کو درست سمجھتا ہو۔

ان فیشن شوز کا صرف یہی ایک رخ نہیں کہ ان سے فحاشی اور بے حیائی کو فروغ ملتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر ان فیشن شوز نے مہنگائی اور گرانی کا طوفان بپا کر رکھا ہے۔ ایک عام سا کپڑا جو ہزار روپے میں دستیاب ہے، جب وہ کسی فیشن ڈیزائنر کے ہاتھوں سے گزرتا ہے تو اس کی قیمت چھ ہندسوں سے کم نہیں رہتی۔ خود ہی سوچیے ایسے کپڑے کسی عام پاکستانی کے بدن پہ آسکتے ہیں؟ ان کپڑوں کے خریدار وہی ہوں گے جو ملکی خزانے سے پیسے لوٹتے ہیں اور پھر انہیں کسی فیشن ڈیزائنر کے نام پر وار دیتے ہیں۔

Marfat.com

سوچنے کی بات ہے کیا پچاس ہزار کے کپڑے یا پھر شرارہ اور غرارہ فیشن ہے؟ دراصل یہ پاکستان میں منظّم انداز سے فحاشی پھیلانے کا ذریعہ ہے۔ اس وقت کراچی، لاہور، پشاور، اسلام آباد اور دیگر کئی شہروں میں فیشن شوز ہو رہے ہیں۔ ان تمام فیشن شوز میں ایک ہی چیز مشترک ہے، عریانی، گرانی اور بے حیائی۔ فیشن شو دیکھنے کے لیے جانے والے افراد بھی ڈیزائنز کے آرڈرز دینے کی بجائے ''ماڈلز'' کے جلوے زیادہ دیکھتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کپڑا بیچنے کے لیے برہنہ خواتین دکھانے کی کیا ضرورت؟ حقیقت یہ ہے بیرونی قوتوں کے آلہ کار اور بے حیائی کے علم بردار کچھ لوگ اپنی خواہشات کی تسکین اور فحاشی کے فروغ کے لیے فیشن شوز کا سہارا لے رہے ہیں۔

پاکستان میں 99 فیصد مسلمان رہتے ہیں۔ مسلمان عورتوں کو صاف صاف انداز میں بتایا گیا ہے کہ ان کا ڈریس کوڈ (CodeDress) کیا ہے؟ کس حلیے میں ان کو اپنے گھروں سے باہر نکلنا چاہیے؟ سورۃ الاحزاب میں بے پردگی کو جاہلیت کے اس زمانہ سے جوڑا گیا ہے جب عورتیں بناؤ سنگھار کر کے باہر نکلتی تھیں، مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ''حیا اور پردہ'' کے بارے میں ان واضح احکامات کے باوجود پاکستان کے بڑے شہروں کو فیشن کے نام پر بے حیائی اور عریانی پھیلانے کے لیے منتخب کرلیا گیا ہے۔

⋄ ◆ ⋄

''فیشن ویک'' بھی ایسا جیسا کہ بے لباسی کا مقابلہ ہو۔ ٹی وی اسکرین پر عریانیت اور بے حیائی کے اس مقابلے کی جھلکیاں دیکھ کر اپنے مسلمان ہونے پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ جن عورتوں کو اللہ نے حکم دیا کہ وہ گھر سے باہر نکلتے وقت باپردہ ہو کر نکلیں۔ نیم برہنہ ہو کر فیشن شوز میں حصہ لیتی دکھائی دے رہی ہیں جبکہ وہ مومن مرد جن کو اپنی آنکھیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا، وہ ان بے حیائی کے شوز میں تماش بینوں کا کردار ادا کر رہے تھے۔ اور نظریں گاڑ کر

Marfat.com

ان نیم برہنہ ماڈلز کو تاکتے ہیں۔ بے حیائی کے اس شو کو بڑا کامیاب گردانا گیا اور اس میں حصہ لینے والوں نے امید ظاہر کی کہ عریانیت کا یہ سلسلہ جاری رہے گا اور یہ کہ فیشن انڈسٹری کی کامیابی سے پاکستان بہت پیسہ کما سکتا ہے۔

دکھ اس بات کا نہیں کہ مغرب زدہ ایک چھوٹی سی اقلیت ہمارے معاشرتی اقدار کو کس انداز میں تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے، مگر رنج تو یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے واضح احکامات اور آئین پاکستان کے اس وعدے کے باجود کہ پاکستان میں دینی شعار اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ایسا ماحول پیدا کیا جائے گا، جہاں مسلمان قرآن وسنت کے مطابق اپنی زندگیاں گزار سکیں۔ اسلامی اقدار کا مذاق اڑانے والوں کو کوئی روکنے والا نہیں۔ کچھ معلوم نہیں کس نے اس طرز کے فیشن شوز کو منعقد کرنے کی اجازت دی؟

ٹی وی اسکرینوں پر اس بے ہودگی کو دیکھنے کے باجود کسی نے ان کی مذمت کی اور نہ ہی کوئی احتجاج ہوا۔ نہ تو کوئی حکمران بولا نہ ہی اپوزیشن لیڈر، اسلامی جماعتیں اور ان کے قائدین بھی خاموش رہے۔ آخر پاکستان کا میڈیا اس برائی کو برائی سمجھنے سے کیوں قاصر ہے؟ تعجب اس بات پر ہے کہ کراچی جیسے شہر میں جہاں کی اکثریتی آبادی پڑھی لکھی اور شعور رکھتی ہے۔ کوئی ایک شخص بھی اس عریانیت پر پُر امن احتجاج کے لیے سڑک پر نہیں نکلا۔

اگر ہمارے سیاست دان، پارلیمنٹ، حکومت، عدلیہ، میڈیا اور عوام اسی بے حسی کا شکار رہے تو پھر مغرب کی طرح ہم بھی اخلاقی پستی کی حدوں کو چھو کر رہیں گے۔ ہمارے پاس تو ویسے بھی شرم وحیا اور اخلاقی و معاشرتی اقدار کے علاوہ اب کچھ بچا ہی نہیں۔ ہمارے یہی اقدار ہمیں مغرب سے نمایاں کرتے ہیں۔ اگر آج ہم نے ان کی حفاظت نہ کی اور اپنے آپ کو ہوا کے سپرد کر دیا کہ جہاں چاہے اُڑا لے جائے تو ہم مکمل تباہ ہو جائیں گے۔

اگر اس عریانیت اور فحاشی پر آج ہم اس لیے خاموش رہے کہ فیشن شوز اور واہیات ٹی وی چینل پر کام کرنے والی لڑکیاں اور عورتیں ہماری اپنی بچیاں نہیں تو یاد رہے کہ کل ان

Marfat.com

لڑکیوں اور عورتوں کی جگہ آج کے تماش بینوں اور بے حس معاشرہ کے دوسرے افراد اور ذمہ داروں میں سے کسی کی بھی بیٹی، بیوی، بہن یا ماں نیم عریاں لباس میں ہزاروں لوگوں کے سامنے کیٹ واک کر رہی ہوگی۔

ان خطرات کے آنے سے قبل ہی ہمیں اس کا سدِ باب کرنا ہوگا۔ اس کے لیے انفرادی واجتماعی۔ حکومتی اور عوامی سطح پر کوشش کرنا ہوگی...... ورنہ یہ سیل رواں بہت بڑی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ یہ ہمارے گھروں میں بھی داخل ہوگا۔ جس سے ہم بچ سکیں گے نہ ہماری نئی نسل!

Marfat.com

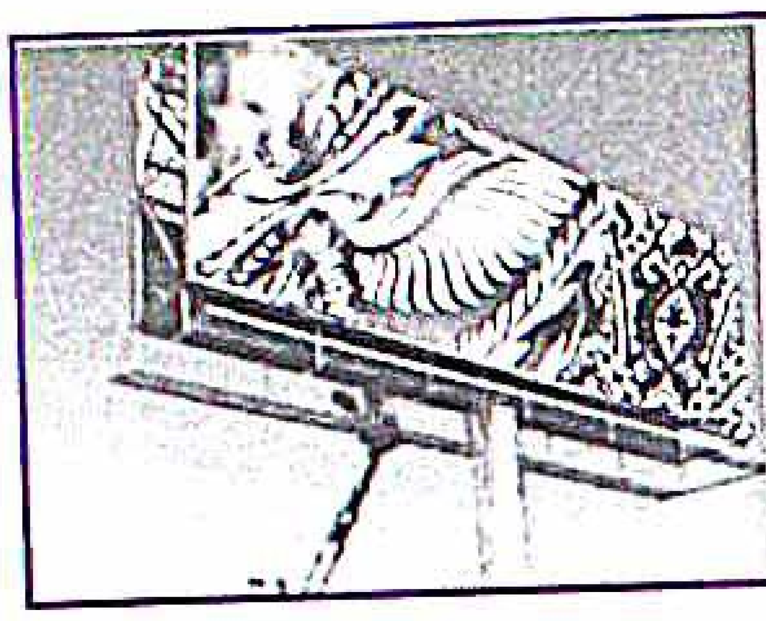

2 / 4

غیرت بیچتے ادارے/خود ہی پیڑ جلا کے......

ہر سال موسم گرما کے آمد کے ساتھ ہی فحاشی وعریانی بھی عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ ملک بھر کی سڑکیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ ''لان'' کے کپڑے خریدنا اور اس سے بھی بڑا مسئلہ جسمانی نمائش ہے۔ تمام بڑے شہروں کے سائن بورڈز کسی نہ کسی ''حیاباختہ'' حسینہ کی تصویر سے مزین ہیں، مگر کراچی لاہور میں تو حد ہی ہوگئی ہے۔ ہر دوسرے سائن بورڈ پر لان کے نئے کپڑے کے ساتھ کوئی نہ کوئی نیم برہنہ لڑکی نظر آتی ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ لان کے کپڑوں سے زیادہ جسم کی نمائش کی جارہی ہے۔ کپڑے پہن کر ایسے ایسے ''پوز'' دیے گئے ہیں کہ ایک عفیفہ ان کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ عرصہ ہوا ایک اللہ والے کراچی آئے۔ انہوں نے فحاشی وعریانی سے بھرپور سائن بورڈ دیکھے تو بول اٹھے:

معاشرہ اجتماعی طور پر گناہ میں مبتلا ہو چکا ہے۔ ایسے معاشرے پر اجتماعی وبال آتا ہے۔

حیرت ہے ان کمپنیوں پر جو کپڑے کے حلال کاروبار کو فحش اشتہاروں کے ذریعے ناجائز کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ شاید ان کمپنی مالکان کا خیال ہے کہ کسی عورت کے برہنہ تن کو دیکھ کر لوگ دھڑا دھڑ ہمارے کپڑے خریدنے لگیں گے۔ یہ کیسی خام خیالی ہے؟ اگر کپڑوں کا اشتہار دینا ہے تو اس میں خاتون دکھانے کی کیا ضرورت؟ افسوس ان لوگوں پر ہے جو اس طرح کے فحش اشتہارات والی کمپنیوں سے چیزیں خریدتے ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا جس کمپنی نے فحش تصاویر کی بھرمار کر رکھی ہے، اس کمپنی کے کپڑے ہرگز نہ خریدے جائیں۔ کراچی کے لوگ سنجیدہ اور تعلیم یافتہ ہیں، وہ ایسے اشتہارات کو دیکھ

Marfat.com

کر غصے میں کھولنے لگتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ایسے تمام کپڑوں کا بائیکاٹ کریں جن کی طرف سے فحش سائن بورڈ آویزاں کیے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر جائز چیز کی تشہیر ہونی چاہیے، مگر تشہیر کا مطلب بے حیائی ہرگز نہیں۔ اس میں صرف کپڑے کے اشتہار ہی نہیں، موبائل کمپنیاں، پرفیوم، کریم اور دیگر اداروں کے اکثر اشتہار صنف نازک کی تصویر کے بغیر نامکمل سمجھے جاتے ہیں۔

پاکستانی معاشرہ بھی مغربی میڈیا کے زیر اثر فحاشی وعریانی کو کلچر اور تہذیب کا حصہ سمجھنے لگا ہے۔ ملک میں فحاشی کا زہر اس قدر چالاکی سے پھیلایا گیا کہ اب کوئی شخص اس قسم کے اشتہار دیکھ کر جز بز نہیں ہوتا۔ اس وقت ملک میں سب سے گراں خرچ کام اشتہار دینا ہے۔ اگر کسی شخص کو اخبار میں چھوٹا سا کلاسیفائیڈ اشتہار چھپوانا ہو تو ذرا جا کر اخبارات سے اس کے چارجز معلوم کر لے، مگر گرمیوں میں لان کے اشتہارات سے اخبارات، ٹی وی اور سائن بورڈ بھرے پڑے ہیں۔

اخبار میں ایک کوارٹر پیج کا اشتہار ایک لاکھ روپے، ٹی وی پر 30 سیکنڈ کا اشتہار دو لاکھ روپے اور سائن بورڈ بھی ایک لاکھ سے کم میں نہیں ملتا۔ اب خود ہی سوچیے کہ جو کپڑے بنانے والی کمپنی اپنے اشتہارات سے اخبارات، ٹی وی اور سائن بورڈ بھر دے گی، اس کی قیمتیں آسمانوں سے بات کریں گی یا نہیں؟ اس وقت لان کا ایک معمولی سا سوٹ بھی دو ہزار روپے سے کم میں نہیں مل رہا۔ ابھی دو سال پہلے یہی سوٹ پانچ سو روپے میں دستیاب تھا۔ اس وقت کراچی میں سب سے زیادہ تشہیر کی جا رہی ہے، اسی لیے کراچی میں لان کے کپڑے سب سے مہنگے ہیں، آپ خود بازار کا چکر لگائیں، کسی سے لان کے عام کپڑے کا ریٹ معلوم کریں، اس کے بعد پنجاب، بلوچستان میں بھی لان کے ریٹ معلوم کر لیں۔

فرق صاف واضح ہو جائے گا۔ ملک میں جس تیزی سے مہنگائی ہو رہی ہے، اس کو دیکھ کر تو حکومت کو انتہائی مہنگے اشتہار چھاپنے پر پابندی لگا دینی چاہیے۔ سوچنے کی بات ہے

Marfat.com

کہ اگر کوئی کمپنی تشہیر پر ایک کروڑ روپے لگاتی ہے تو وہ یہ ایک کروڑ روپے کہاں سے حاصل کرتی ہے؟ جناب ہماری اور آپ کی جیب سے۔ جو کمپنی جتنی زیادہ تشہیر کرتی ہے، اس کی چیز اسی قدر مہنگی ہوتی ہے۔

یہ سوال اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے کہ کیا عورت کی تصویر کے بغیر اشتہار جاذب نظر اور پرکشش نہیں ہوتا؟ بلاشبہ ہوتا ہے۔ اس وقت بے شمار ایسی کمپنیاں ہیں جن کے اشتہارات میں کوئی عورت نہیں ہوتی، مگر اس کے باوجود ان کی مصنوعات فروخت کے ریکارڈ توڑ رہی ہیں۔ اس وقت لان کے اشتہارت میں بھی بہت سی کپڑا بنانے والی فیکٹریاں ایسی ہیں جو اپنے اشتہار پر خوبصورت انداز میں کپڑے ہی دکھاتی ہیں، کوئی عورت ہرگز نہیں۔ اس کے باوجود ان کمپنیوں کا شمار انتہائی مقبول کمپنیوں میں ہوتا ہے۔

2012ء کی بات ہے، IBA کراچی میں اشتہار سازی پر کانفرنس تھی۔ اس سیمینار کے تمام شرکا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ''روشن خیال'' تھے۔ ان کے سامنے ایک شخص نے بلاتصویر اشتہار سازی کا خیال پیش کیا تو سب حیرت زدہ رہ گئے۔ سیمینار کا سب سے دلچسپ مرحلہ وہ تھا جب انہوں نے نمونے کے طور پر چند بلاتصویر اشتہارات دکھائے۔ ان اشتہارات کو دیکھ کر شرکا بہت دیر تک داد دیتے رہے۔

اس سیمینار میں ہمیں پہلی بار اندازہ ہوا کہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقے میں فحاشی وعریانی سے پاک اشتہارات کی کس قدر مانگ ہے؟ سیمینار میں شریک ہر شخص کی خواہش تھی کہ ہمارے اشتہارات فحاشی سے پاک ہونے چاہییں، لیکن بدقسمتی سے ہمیں انفارمیشن کے نام پر ایسی دنیا میں جھونکا جارہا ہے جہاں ہمارے بچے اور بچیاں فحاشی وعریانی میں لتھڑے ہوں۔ جہاں ماں، بہن، بیٹی کا مقدس رشتہ نہ رہے۔

◆ ◆ ◆

انفارمیشن سوپر ہائی وے، سائبر ورلڈ یا سائبروے جیسے مختلف ناموں سے پہچانے

Marfat.com

جانے والا انٹرنیٹ دراصل کمپیوٹروں کے ایک مضبوط اور مربوط جال کا نام ہے۔عموماً جب اس پر کوئی قلم کار قلم اٹھاتا ہے تو اس کے افادے اور استفادے کی شکلیں اس کے زیر بحث ہوتی ہیں۔مختلف دلائل سے وہ اپنی بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ حقیقت بھی ہے کہ انٹرنیٹ کی آمد کے بعد سے دنیا کی ترقی کی رفتار میں ناقابل یقین اضافہ ہوا ہے۔کوئی بھی محکمہ، کوئی بھی شعبہ اور کوئی بھی ادارہ اس سے خالی نہیں خصوصاً اطلاعات کی ترسیل کا جو کام اس سے لیا جاتا ہے، ہر کوئی اس سے مستفید ہورہا ہے۔ جہاں تک تعلیم، سیاست اور تجارت جیسے اہم شعبے ہیں، انٹرنیٹ نے یہاں بھی حیرت انگیز اور خوشگوار تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔غرض کوئی شعبہ اس کرشماتی ایجاد سے محروم نہیں۔ ہر کوئی اپنے فائدے،شہرت اور مقاصد کے حصول کے لیے اس کا بھرپور استعمال کررہا ہے۔

تصویر کا یہ رُخ عموماً قلم کاروں کے سامنے ہوتا ہے، جبکہ اس کا دوسرا رُخ بھی ہے۔ جس کے نقصانات اور تباہ کاریوں سے کسی طور انکار نہیں کیا جاسکتا۔اس کے ذریعے سے معاشرہ تیزی سے تباہی کی سمت بڑھتا جارہا ہے۔ روز نئے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ خرابیاں پیدا ہورہی ہیں۔اگر سائبر ورلڈ کے نقصانات کا جائزہ لیا جائے تو اس کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ایک نقصان مالی یا معاشی قسم کا ہوتا ہے جبکہ دوسرا نقصان جو بڑا خطرناک اور زیادہ کارگر ہوتا ہے، اخلاقی اور معاشرتی نقصان ہے۔

انٹرنیٹ کا سب سے زیادہ نقصان دہ پہلو وہ ویب سائٹس ہیں جن پر حیا سوز عریانیت سے بھرپور تصاویر اور ویڈیوز اپ لوڈ کی جاتی ہیں۔نسلِ نو کے لیے اس سے بڑھ کر خطرناک کوئی اور چیز نہیں۔فحش بینی نہ صرف انسان کی اپنی صحت کو نقصان پہنچاتی ہے اور خاندان و معاشرہ و ملک وملت کو ذلت ورسوائی کا ''تمغہ'' دیتی ہے، بلکہ یہ رفتہ رفتہ زنا کاری اور مختلف جرائم کی راہ ہموار کرنے لگتی ہے۔اللہ نے انسان کے اندر نفسانی خواہشات کا جو مادہ رکھا ہے، اس کے لیے صحیح راستہ اختیار نہیں کیا گیا تو پھر اس کا بہکنا ضروری ہے۔سیکولر تعلیم اور والدین کی ناقص تربیت

Marfat.com

بچوں کو اس دلدل میں پھینک رہی ہے۔

اسلام نے سب سے پہلے ایسے ذرائع پر ہی پابندی لگادی، جہاں سے بے حیائی اور فحاشی کے آنے کا امکان تھا۔عورتوں کے لیے پردے کا اہتمام اور مردوں کو نگاہ نیچی کر کے چلنے کا حکم۔ دینی تعلیم اور والدین کی صحیح تربیت سے نسل نو ملک وملت کی تعمیر میں حصہ لے سکتی ہے۔ یہ اسلام کا وہ امتیازی وصف ہے جس کو اختیار کرنے سے معاشرہ ہر قسم کی برائیوں سے پاک صاف ہوسکتا ہے۔

اسلام کی انہی تعلیمات کو سامنے رکھ کر اگر ہر ملک میں ایسی ویب سائٹس پر مکمل پابندی لگادی جائے تو معاشرہ بہت سارے جرائم اور نقصانات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ فحاشی اور عریانیت سے بھرپور ان ویب سائٹس اور ویب کیم سے صرف اخلاق کا زیاں نہیں ہوتا، بلکہ اس سے کئی ایک مہلک جرائم پیدا ہوتے ہیں۔

انٹرنیٹ کے ذریعے طرح طرح کے جرائم پیدا ہونے لگے ہیں۔ چونکہ یہ سائنسی ایجاد آج کے زمانے میں ہر خاص وعام کے دسترس میں ہے۔ بچے بھی اس کو استعمال کرنے لگے ہیں، اس لیے بڑے بڑے اخلاقی جرائم پیدا ہونے لگے ہیں۔ لہٰذا اس کی طرف توجہ دینا اور اپنے گھر کے افراد پر نظر رکھنا نہایت ضروری ہے تاکہ کوئی ایسا موقع ان کو نہ ملے جس سے وہ غلط راہوں پر پڑسکیں۔ اخلاقی اور معاشی جرائم کے علاوہ بھی بہت سارے سائبر کرائم ہیں۔

جس کے ذریعے سے جرائم پیشہ افراد لوگوں کو لوٹتے ہیں، بدنام کرتے ہیں، دھمکیاں دے کر جینا حرام کردیتے ہیں۔ بلیک میلنگ ہوتی ہے۔ ہیکنگ کے ذریعے جرائم پیشہ افراد تجارتی کمپنیوں کو یا مخصوص افراد کو لوٹتے ہیں۔ کریڈٹ کارڈ کی تفصیلات معلوم کر کے اس میں موجود پوری رقم اپنے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کردیتے ہیں۔

Marfat.com

اسی طرح بینک کے یا تجارتی کمپنیوں کی ویب سائٹس کو بھی ہیکرس، ویب ہیکنگ کے ذریعے اپنے قبضے میں لے کر بڑا نقصان پہنچاتے ہیں۔''ویب ہیکنگ'' کے ذریعے ہی کبھی کسی مشہور اور مقبول ویب سائٹ کو بدنام کیا جاتا ہے۔ ویب سائٹس پر موجود اصلی مواد ہٹا کر غلط سلط مواد اس میں داخل کیا جاتا ہے، جس سے ویب سائٹس کے مالکان کی شبیہ خراب ہو جاتی ہے۔ بڑی سبکی و بدنامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پھر اس مواد کو ہٹانے کے لیے مجرمین بڑی اور خطیر رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کبھی دشمنی اور انتقام کے جذبے میں وائرس اٹیک کرایا جاتا ہے، جس سے ان کا پورا نظام تباہ ہو جاتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ عموماً وائرس اٹیک میں اینٹی وائرس کے سافٹ ویرس تیار کرنے والی کمپنیاں ہی اس میں ملوث ہوتی ہیں۔

غرض سائبر کی دنیا میں وائرس اٹیک، ویب ہیکنگ، اسکواٹنگ، اسٹاکنگ جیسے جرائم عام ہو چکے ہیں۔ ایک سروے کے مطابق زیادہ تر والدین کو انٹرنیٹ کے استعمال سے بچوں پر پڑنے والے مضر اثرات کے بارے میں کوئی آگہی حاصل نہیں ہے۔ انٹرنیٹ ایک ایسی چیز ہے جس کو آپ جس طرف لے جانا چاہیں لے جائیں۔ اچھے مقاصد کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں اور برے مقاصد کے لیے بھی۔ بچے چونکہ ناسمجھ ہوتے ہیں، اس لیے وہ ناسمجھی میں غلط راہ پر چل پڑتے ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق کم سن لڑکوں میں 57 فیصد بچے ایسے ہوتے ہیں جو انٹرنیٹ پر فحش مواد دیکھتے ہیں۔ جن سے ان کے معصوم ذہن خراب ہوتے ہیں۔ بچوں اور بڑوں کے دل پڑھائی سے اکتا جاتے ہیں اور وہ بس انٹرنیٹ کی دنیا میں مگن رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ انٹرنیٹ پر چند ویب سائٹوں پر تشدد سے بھرپور گیمز کھیل کر بھی بچوں کے ذہن خراب ہو رہے ہیں۔ یہ والدین کی اخلاقی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ خاص طور پر چھوٹے بچوں کو بلا ضرورت انٹرنیٹ استعمال نہ کرنے دیں۔ دوسری تعمیری سرگرمیوں میں ان کو مصروف رکھیں۔

Marfat.com

ازل سے ہی انسان کی خواہش ہے کہ وہ دوسروں کے بارے میں جانے اور کچھ اپنے بارے میں دوسروں کو آگاہ کرے۔ اس سلسلے میں ایک دوسرے سے بات چیت کا طریقہ کار سب سے بہترین ہے، لیکن ''انٹرنیٹ چیٹنگ'' ایک ایسی لت ہے جس میں ایک بار کوئی مبتلا ہو جائے تو مشکل سے ہی اس کی جان چھوڑتی ہے۔ یہ لت ایسی ہے کہ اس میں بارہ سال سے لے کر ستر سال کے لوگ مبتلا ہیں۔ اچھے خاصے سمجھ دار لوگ بھی اس خباثت اور لعنت میں الجھ جاتے ہیں۔ نہ صرف پاکستان میں بلکہ دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی ''Chatting'' جھوٹ اور مکروفریب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

لوگ ایک دوسرے کو بے وقوف بنا کر خوش ہوتے ہیں۔ انہیں زندگی کے قیمتی وقت کے ضیاع ہونے کا کوئی بھی احساس نہیں ہوتا ہے۔ اسی انٹرنیٹ چیٹنگ کی بدولت بہت سی لڑکیاں لڑکوں سے دوستی کر لیتی ہیں۔ پھر اپنے گھروں سے باہر نکل کر اپنے والدین کی بدنامی کا باعث بنتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ممالک نے انٹرنیٹ پر موجود فحش مواد پر پابندی لگا دی ہے۔

یورپی ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ انٹرنیٹ پر دستیاب عریاں فلموں اور ڈراموں کی وجہ سے بچوں اور بچیوں کے اخلاق بُری طرح تباہ ہو رہے ہیں۔ یورپ کے کئی ممالک بھی عریاں فلموں اور بڑھتی ہوئی فحاشی سے تنگ آ گئے ہیں۔ کئی ممالک نے اس پر پابندی کا فیصلہ کر لیا ہے۔

ہالینڈ اور آئس لینڈ ہر قسم کی عریاں فلموں اور فحش پروگراموں پر پابندی لگانے والے یورپی ممالک میں سرفہرست ہے۔ دو سال پہلے آئس لینڈ اپنے تمام اسٹرپ بند کر چکا ہے جبکہ یورپی پارلیمنٹ کی خصوصی کمیٹی برائے خواتین حقوق و جنسی مساوات نے یورپ بھر میں ہر قسم کی برہنہ فلموں اور پروگراموں پر پابندی کے قانون کی سفارش کی ہے۔

Marfat.com

انٹرنیٹ کی ایجاد جب سے ہوئی ہے بہت سے لوگ اس کو اپنے عقائد ونظریات کے مطابق استعمال کر رہے ہیں۔ اپنے نظریات وعقائدہ کا پرچار انٹرنیٹ پر بھی کر رہے ہیں۔ اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کی خاطر مختلف قسم کی ویب سائٹوں کے ذریعے لوگوں کو اپنے عقائد ونظریات کی طرف مائل کرنے کی کوششوں پر لگے ہوئے ہیں۔

انٹرنیٹ پر باطل فرقے بھی اسلام کی آڑ میں اپنے غلط عقائد کا پرچار کر رہے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا باعث بن رہے ہیں۔ یہ سب اسی انٹرنیٹ کی کارستانی ہے۔ اس سے قبل یہ لوگ ڈھک چھپ کر اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے تھے، اب اس کے ذریعے سے کھل کر سامنے آگئے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی انٹرنیٹ کے ذریعے بے شمار جرائم کیے جا رہے ہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعے اب دوسروں کے کریڈٹ کارڈز کو چرا کر آن لائن شاپنگ کی جاتی ہے۔ بنکوں کو لوٹا گیا ہے، لوگوں کی رقوم بنکوں سے نکلوائی گئی ہیں۔ جس سے ایک نئی اصطلاح سامنے آئی ہے اور وہ ہے ''سائبر کرائمز'' کی اصطلاح جو انٹرنیٹ کی بدولت ہونے والے جرائم کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

اس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے۔ انٹرنیٹ کی انہی تباہ کاریوں کو دیکھتے ہوئے دنیا کے مختلف ممالک میں ویب سائٹس پر پابندیاں عاید کی گئی ہیں۔ چین جیسے ملک نے تمام فحش ویب سائٹس بلاک کر رکھی ہیں، مگر پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک میں صورت حال انتہائی تشویش ناک ہے۔

مسلمان نوجوان جن باتوں کا کسی سے ذکر تک نہیں کر سکتے اسے ویب سائٹس اور انٹر نیٹ کے ذریعے دیکھتے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں سب سے زیادہ فحش ویب سائٹس دیکھنے میں اسلامی ممالک کے نوجوان سرفہرست ہیں۔ گویا ہم لوگ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی نئی نسل کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

2 / 5

میوزیکل کنسرٹ کی تباہ کاریاں/ انٹرنیٹ اور عشقِ ممنوع

بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے ملک میں فحاشی و عریانی کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ ٹی وی، کیبل اور انٹرنیٹ سے نئی نسل تباہ ہورہی ہے۔ تعلیمی اداروں میں کتب میلوں کی بجائے ''میوزیکل کنسرٹ'' ہورہے ہیں۔ نوجوان نسل بڑی تیزی سے تباہی کا شکار ہورہی ہے۔

ملک میں دکھائے جانے والے ٹی وی ڈرامے ''ذومعنٰی فحش جملوں''، دہریت پر مبنی مکالموں اور ان کے مناظر مادر پدر آزاد معاشرے کی عکّاسی کررہے ہوتے ہیں، اس وقت پاکستان میں اسکرین پر دکھائے جانے والے گانے اور اسٹیج شو کسی طرح بھی پاکستان کے کلچر کی نمائندگی نہیں کرتے۔

میں آپ کو ایک ٹی وی ڈرامے کا منظر دکھاتا ہوں۔ پاکستان کے ایک نجی ٹی وی چینل پر یہ ڈرامہ چلا اور لاکھوں پاکستانیوں نے دیکھا ہوگا۔ شام کا وقت ہے۔ کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی ہے۔ ایک نوجوان لڑکا اور لڑکی بستر میں گھسے ہوئے ہیں۔

دونوں ایک دوسرے کے بالکل ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ ایک لمحے کو تصور کیجیے وہ لڑکی بھی کسی گھر کی عزت ہوگی۔ یہ منظر پاکستان میں فلمایا جاتا ہے۔ کیا کوئی غیرت مند آدمی اس منظر کو ایک لمحے کے لیے بھی برداشت کرسکتا ہے؟ کیا نامحرم لڑکا اور لڑکی کے اس عمل کا کوئی جواز ہے؟

Marfat.com

یہ ڈرامہ پاکستانی ٹی وی چینل پر چلا اور کروڑوں پاکستانیوں نے دیکھا۔ کتنے لوگوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی؟ کتنے ٹی وی چینل پر ''ٹاک شو'' میں اس پر گفتگو کی گئی؟ ڈرامے میں حصہ لینے والے ایک فنکار سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ کیا حرکت کی؟ وہ پوری ڈھٹائی سے کہنے لگا: ''میں نے تو کوئی نیا کام نہیں کیا۔ کیا ہمارے ہر ہر گھر میں انڈین فلمیں نہیں دیکھی جاتیں؟ ان فلموں میں کیسے مناظر دکھائے جاتے ہیں؟ یہ تو اسے بہت کم ہے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اپنے غلط کام کا دفاع کرنے کے لیے انڈیا کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ کیا چوری اس لیے جائز قرار دے دی جائے کہ اب چور ہر طرف موجود ہیں؟ کیا زنا کو اس لیے قانونی شکل دے دی جائے کہ ہر طرف یہ فتنہ پھیل چکا ہے؟ اسٹیج ڈراموں کے نام پر پاکستان میں جو فحاشی پھیلائی گئی ملکی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ انہی اسٹیج ڈراموں سے ہی ملک بھر میں مجرے عام ہوئے۔ اسٹیج پر ایسے جملے بولے جاتے ہیں کہ حیا سر پیٹ کر رہ جائے۔ ڈراموں اور فلموں نے پاکستانی تہذیب کو نشانہ تو بنایا ہی تھا مگر اب براہ راست مقدس شخصیات اور دینی عقائد پر بھی رکیک حملے شروع کر دیے گئے ہیں۔

کبھی ''خدا کے لیے'' نامی فلم بنتی ہے، کبھی ''دی میسج'' کو نشر کر دیا جاتا ہے، کبھی ''کاش میں خدا ہوتی'' نامی فلم بنائی جاتی ہے، کبھی ''خدا اور محبت'' نامی ڈرامہ چلایا جاتا ہے۔ اب انہی کی دیکھا دیکھی ایک ٹی وی چینل نے ''صراط المستقیم'' کے نام سے ڈرامہ شروع کیا ہے۔ ان دنوں ملک کا ایک اخبار جنت 2 نامی کسی فلم کی خوب تشہیر کر رہا ہے، جبکہ اس سے قبل بھی جنت کے نام سے ایک فلم ریلیز کی جا چکی ہے۔ اس فلم کا ہیرو ایک ایسا شخص ہے جس کی بے حیائی زبان زد خاص و عام ہے۔ نہ جانے جنت کے نام پر اس فلم میں کیا کیا لغویات جمع کر دی گئی ہوں گی؟

خدا، رسول اور قرآن کو ڈراموں اور فلموں میں موضوع بنا کر پیسہ کمایا جا رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت مذہب اور محبت کے موضوع پر بننے والے ڈرامے اور فلمیں بے

Marfat.com

حد مقبول ہیں۔

یہ آج کا ہاٹ موضوع ہے۔ آپ کسی ناول کو اٹھائیں، کوئی ڈائجسٹ لے لیں، کوئی فلم ہو یا ڈرامہ ان میں سے تقریباً 80 فیصد کا موضوع مذہب اور محبت کا ملاپ ہی ہوتا ہے۔ کبھی ان ڈراموں اور ناولوں میں کسی دین دار شخصیت کو ہیرو، دل پھینک عاشق بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ کبھی کسی امام مسجد کو عشق کی ڈور میں پھنسا ہوا دکھایا جاتا ہے اور کبھی مذہبی رجحان رکھنے والے کو محبت نامے لکھتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ ایک عام آدمی جب ان تمام مناظر کو دیکھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ شاید مذہب بھی عشق بازی کی سرپرستی کرتا ہے۔ ایک ناپختہ نوجوان جب ان تمام ڈراموں، فلموں اور ناولوں کو دیکھتا اور پڑھتا ہے تو اس کے جذبات کو مہمیز ملتی ہے۔ آخر کار وہ کسی نہ کسی طرح غلط راہ کی طرف چل نکلتا ہے۔

اس کا کوئی اور نقصان ہو نہ ہو، مگر یہ ضرور ہوتا ہے کہ عالم اور امام کا تصور کمزور پڑ جاتا ہے۔ ان کی اہمیت و وقعت دل سے نکل جاتی ہے۔ عالم اور امام کی اہمیت ختم ہونے کا مطلب ہے کہ عوام دین سے دور ہوں گے۔

دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ دین دار حلقوں اور مذہبی رہنماؤں کی قدر و منزلت کو انتہائی کم کر دیا جاتا ہے۔ پاکستان کا معاشرہ جس قدر بھی گیا گزرا ہو، مگر اس قدر ہرگز پست نہیں کہ اپنے مذہبی رہنماؤں اور پیشواؤں کو اس روپ میں دیکھے۔ ٹی وی اور ڈرامہ سیریل بنانے والوں کی کوشش ہے امام مسجد اور عالم دین کا مقام و مرتبہ انتہائی کم کر دیا جائے۔ جب ایک شخص روزانہ ڈرامہ اور فلم دیکھے گا اور اس میں مذہبی پیشوا کو عاشق کے بھیس میں دیکھے گا تو لازمی طور پر اپنے امام اور عالم کی قدر و منزلت کم سمجھے گا۔

یوں محسوس ہوتا ہے ٹی وی مالکان کی طرف سے علماء اور آئمہ مساجد کے خلاف ایک

Marfat.com

خاموش تحریک چل نکلی ہے۔ اس خاموش تحریک کا مقصد علماء اور آئمہ مساجد کا کردار معاشرے سے ختم کرنا ہے۔ جبکہ علماء کو معلوم تک نہیں کہ اس تمام فتنہ سامانی کے مقاصد کیا ہیں؟ اب تو ان فلموں اور ڈراموں میں کھلم کھلا یہ دکھایا جارہا ہے مسلمانوں کی تنزلی اور پستی کا سبب اسلام اور مذہب ہے۔

یہ باور کرایا جاتا ہے کہ جن جن لوگوں نے اپنے خاندان میں دین اور مذہب کو مکمل طور پر گھسنے نہیں دیا، جن گھرانوں نے اسلام کو صرف نماز اور معاملات تک رکھا وہی کامیاب ہیں، جبکہ وہ خاندان جن میں داڑھی سے لے کر ٹوپی تک اور رہن سہن سے لے کر کاروبار تک کو اسلامی روپ میں ڈھال دیا وہ ناکام اور مشکلات کا شکار ہیں۔ باقاعدہ طور پر دین دار گھرانوں اور مذہبی شخصیات کو انتہائی فقر اور غربت میں دکھایا جاتا ہے جبکہ بے دین افراد کو خوش وخرم دکھایا جاتا ہے۔

عمومی طور پر مذہب پر بنائی گئی فلموں میں موجود ہیرو یا ہیروئن کا نام کسی مقدس ہستی کے نام پر رکھا جاتا ہے اور ہیرو یا ہیروئن اس مقدس ہستی کا روپ دھارتی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی جسارت ہے کہ کسی بے پردہ، فاحشہ اور نامحرموں کے ساتھ آزادانہ اختلاط کرنے والی خاتون کو کسی مقدس ہستی کا روپ دیا جائے۔

اخلاق وکردار کے اعتبار سے انتہائی پست افراد کو کسی مقدس ہستی کا روپ دینا اس مقدس ہستی کی توہین ہے اور عوام کے دل میں اس کی قدر ومنزلت کو کم کرنا بھی۔ ایسے اداکار اور اداکارائیں جن کے افیئرز اور بدنامی کی خبریں آئے روز اخبارات کی زینت بنتی ہیں، ان کو کسی مقدس شخصیت کی ترجمانی کرتا دیکھ کر ہر شخص کا خون کھول اٹھتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی موضوعات پر بننے والی فلمیں اور ڈرامے عوام میں بے حد مقبول ہیں۔ کامیابی اور سرمایہ کمانے میں بھی ایسی فلمیں اور ڈرامیں سب سے نمایاں رہتے ہیں۔ ہر اخبار، رسالہ، ڈرامہ اور فلم کا موضوع دین اور مذہب ہے، مگر سوال یہ ہے کیا

خاندانی نظام ایسے بچائیں

Marfat.com

ان فلموں اور ڈراموں کو بنانے والے حضرات کا ارادہ نیک ہے؟ کیا وہ چاہتے ہیں اس کو دیکھ کر عوام دین کی طرف لوٹ آئیں؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔

ان فلموں اور ڈراموں کا مقصد عوام کو خالص اسلام سے روکنا ہوتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے لوگ موسیقی کو روح کی غذا مان لیں اور موسیقی کو سننے لگیں، اسی لیے مذہبی پیشوا کو بھی گانے سنتے دکھایا جاتا ہے۔ اسی طرح ان فلموں میں کبھی داڑھی اور پگڑی کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان تمام اسلامی احکام سے ہٹ جائیں جن پر آج تک عمل کرتے آئے ہیں۔

پاکستان میں چند سالوں سے شروع ہونے والا یہ رجحان انتہائی خطرناک ہے۔ اس کے خلاف جب تک عوام نہیں اٹھیں گے تب تک اس طوفانِ بدتمیزی کو نہیں روکا جا سکے گا۔ مہنگائی کے خلاف احتجاج کرنے والوں کو چاہیے کہ فحاشی وعریانی کے خلاف بھی ایک ریلی نکالیں۔ اگر اس بے حیائی کے خلاف بند نہ باندھا گیا تو اس کا نتیجہ بد دینی، الحاد اور دین سے دوری کی صورت میں نکلے گا۔

اس سنگین صورت حال میں سب سے بڑا سوال اس ''سنسر بورڈ'' کے بارے میں پیدا ہوتا ہے جس کا کام عوامی ٹیکس سے اپنی تنخواہ وصول کرنے کے باوجود کہیں نہیں دکھائی دیتا۔ آخر ''پیمرا'' جیسا ادارہ جب صدر، وزیراعظم، چیف جسٹس اور چیف آف آرمی اسٹاف کے خلاف نازیبا کلمات کہنے پر مختلف ٹی وی چینلز کو نوٹس بھیج سکتا ہے تو اسلام کی تضحیک اور مذاق اڑانے والے ٹی وی چینلز کے خلاف کیوں کارروائی نہیں کی جاتی؟

سوال یہ ہے پاکستان کی تاریخ میں آج تک کسی ٹی وی چینل کے خلاف کارروائی کی گئی؟ بے شمار ٹی وی چینل اخلاق کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں، لیکن آج تک ان کے خلاف کارروائی نہیں کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ غیر قانونی مغربی اور انڈین فلمیں اور فحش چینلز چلانے کا سلسلہ تاہنوز جاری وساری ہے۔ اگر یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا تو ہم سے ہماری شناخت اور

Marfat.com

مسلمانی تک چھین لے گا۔ ہماری نیک صالح اولادیں ہم سے چھن جائیں گی۔

اوریا مقبول جان ہمارے ملک کے مایہ ناز صحافی، دانش ور اور بیوروکریٹ ہیں۔ سرکاری ملازمت کا عرصہ انہوں نے بڑے دبنگ انداز اور صاف ستھرے ہاتھوں کے ساتھ گزارا اور اب فراغت کے بعد تقریر و تحریر سے مختلف انداز میں اپنے وقیع خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے حقوقِ نسواں کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا:

''دنیا بھر میں کسی بھی روشن خیال مفکر، جمہوریت پسند دانش ور، حقوق انسانیت کے علم بردار سماجی کارکن یا سیکولر سیاسی راہنما کو انسانی ترقی، معاشی خوش حالی اور تہذیبی ارتقا پر گفتگو کرتے دیکھیں تو ان سب کی نفرت کا نشانہ صرف ایسی عورت بنتی ہے جو لوگوں کی ہوس ناک نظروں اور لاشعور میں مچلتے غلیظ خیالات کی زد سے بچنے کے لیے اپنے چہرے اور جسم کو ڈھانپ کر باہر نکلتی ہے۔

میں ایک مرد ہوں، میں ان تمام ''مردانِ حر'' کی نظروں میں چھپی ہوس کو بخوبی جانتا ہوں جو کسی کم لباس خاتون کو بازار میں، کسی ماڈل کو فیشن شو میں، کسی گلوکارہ کو اسٹیج پر یا کسی جاذبِ نظر خاتون کو دفتر کے استقبالیہ کاؤنٹر پر دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ میں ان کے غلیظ جملے اور فقرے بھی تحریر کرسکتا ہوں، لیکن میں سعادت حسن منٹو نہیں کہ مجھے آزادیٔ اظہار کے نام پر معاشرے میں صرف جنس ہی نظر آئے۔

مردوں کی نظروں کی یہ ہوس ناکی، ان کی فقرے بازی اور اس کے نتیجے میں جنم لینے والے سنگین جرائم میرے ملک تک محدود نہیں بلکہ دنیا کے ہر ترقی یافتہ ملک میں یہ خطرناک حد تک پائے جاتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں دوپٹہ گلے سے سرکنے پر آنکھیں پھسلتی ہیں۔ مغرب میں مختصر ترین لباس مردوں کی گردنیں موڑتا ہے۔ کبھی کسی نے سوچا ہے کہ حقوق کی ساری تان عورت کو گھر کی چاردیواری سے باہر لاکر محفل کی

Marfat.com

زینت بنانے پر کیوں ٹوٹتی ہے؟

آپ کسی بھی مفکر، دانش ور، جمہوریت پسند انسانی حقوق کے ترجمان سے مل لیں۔ اسے اس بات پر کبھی اعتراض نہیں ہوگا کہ آپ نماز پڑھیں، روزے رکھیں، حج کریں، زکوٰۃ دیں، ڈاڑھی رکھیں، ٹخنوں سے اونچی شلوار پہنیں، دن رات قرآن پاک کی تلاوت کریں، لیکن جونہی کوئی خاتون اپنی اولاد کی تربیت اور گھر جیسے بنیادی ادارے کی دیکھ بھال کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتی ہے تو انگلیاں اُٹھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ پڑھ لکھ کر بربادی کر رہی ہے۔ فرسودہ، دقیانوس، ترقی کی دُشمن!۔ لیکن سب سے زیادہ غصہ اس خاتون پر آتا ہے جو باہر تو آ جاتی ہے، لیکن چہرہ اور جسم ڈھانپ کر نکلتی ہے۔

کیا یہ ایک مذہبی مسئلہ ہے؟ اگر یہ مذہبی مسئلہ ہوتا تو سب سے پہلے عیسائی راہبائیں (Nuns) اس نفرت کا شکار بنتیں، لیکن چونکہ انہوں نے حجاب کے لیے ترکِ دنیا کی شرط رکھ دی ہے۔ باقی معاشرے کو کھلی چھوٹ دے دی ہے، اس لیے گوارا ہے کہ چلو کتنی عورتیں راہبائیں بن جائیں گی، لیکن اگر حجاب معاشرے میں عام ہو جائے تو بڑا طوفان آئے گا، اس لیے کہ حجاب کے مقبول ہونے کی ایک بنیادی نفسیاتی وجہ ہوتی ہے۔ دنیا میں تمام نفسیاتی ماہرین اور معاشرتی محقق اس بات پر متفق ہیں کہ عورت سب سے زیادہ نفرت اور حقارت کسی غیر مرد کی آنکھوں کی ہوس ناکی اور بے حیائی سے کرتی ہے۔

عریاں ترین لباس والی عورت بھی، اگر وہ جنسی کاروبار کے لیے بازار میں نہ کھڑی ہو تو اسے بھی مردوں کی غلیظ نظروں سے نفرت ہوتی ہے۔ مردوں کی نظروں کی ہوس ناکی اور عورتوں کی بے حجابی کے درمیان جو رشتہ قائم ہوتا ہے، اس سے دنیا میں کئی سو بلین ڈالرز کا کاروبار چلتا ہے۔ عریانی کا تحفظ اسی کاروبار کی بقا کی جنگ ہے۔ یہ کاروبار آرائش حسن کے ساز و سامان سے شروع ہو کر فیشن انڈسٹری، میڈیا، ایڈورٹائزنگ اور لباس کی مخصوص تراش خراش کے فن سے ہوتا ہوا، مکروہ ترین فحش فلموں اور بدن فروشی کے عالمی

Marfat.com

مافیا تک جانکلتا ہے۔

آپ ذرا اس پوری انڈسٹری کا جائزہ لیں تو آپ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں۔ صرف سر کے بالوں کو سنوارنے کے لیے سیکڑوں ملٹی نیشنل کمپنیاں شیمپو سے لے کر بال سیدھا کرنے، رنگ کرنے، گھنگریالے بنانے اور ان کو جاذب نظر بنانے کے لیے طرح طرح کی ادویات اور لوشن بنا رہی ہیں۔ اگر ٹانگیں اور بازو دکھانا مقصود ہوں تو ان کی خوبصورتی اور دلکشی کے لیے علیحدہ ساز و سامان بنانے والی کمپنیاں اپنا کاروبار پھیلائے ہوئے ہیں۔

پاؤں کے ناخن سے لے کر سر کے بالوں تک کوئی مقام ایسا نہیں جسے کاروبار کا موضوع نہ بنایا گیا ہو اور اسے بازار میں نہ لا کھڑا کیا گیا ہو۔ اس سارے کاروبار کو میڈیا کی چکا چوند اور فیشن شوز کی بھرمار، ماڈلز کی جسمانی ہیئت اور ان کے خدو خال کو دنیا بھر کی عورتوں کے لیے ایک آئیڈیل بنا کر پیش کرنے سے مضبوط اور مستحکم کیا جاتا ہے۔ کبھی سائز زیرو آئیڈیل ہوتا ہے، چند سالوں بعد بھرے ہوئے جسم کی تعریفوں میں اخبارات کے صفحے کالے ہوتے ہیں۔ ان سب کی معراج عالمی مقابلۂ حسن ہے۔

کتنی حیرت کی بات ہے جس سال مغربی ممالک میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہوا، اس کے اگلے سال امریکا کے اٹلانٹک سٹی میں یکم مئی کے ساتھ دو ہفتہ وار چھٹیاں بھی مل گئیں۔ لوگوں کو مصروف رکھنے کے لیے ہوٹل مالکان نے تیراکی کے لباس میں ملبوس خواتین کا مقابلہ کروایا۔ ایک خاتون کے سر پر ملکۂ حسن کا تاج پہنا دیا۔ اس دن سے لے کر آج تک جنگ ہو، بدحالی ہو، سیلاب یا زلزلہ ہو، مقابلہ حسن نہیں رُکا۔

برطانیہ کے ایرک مور نے اسے قواعد وضوابط والا مقابلہ بنا دیا۔ دنیا کے ہر خطے سے مخصوص مفادات کے تحت ملکہ حسن منتخب کی گئی۔ پھر ہر خطے کی خواتین کو اس نمائش کی دوڑ

Marfat.com

میں مدہوش کر دیا گیا۔ بھارت میں جس سال ایشوریا رائے اور سشمیتا سین ملکہ عالم اور ملکہ دنیا کا اعزاز جیتیں، پورے بھارت میں صرف تین پلاسٹک سرجن تھے۔ صرف دو سال بعد ان کی تعداد 500 ہوگئی۔ آج ان کی تعداد 50 ہزار کے لگ بھگ ہے۔

ایک دفعہ خواتین کو زینتِ بازار بنانے کے بعد پورے معاشرے میں جو ہیجان پیدا ہوتا ہے، مردوں میں جو جنسی محرکات پیدا ہوتے ہیں ان کو آگ دکھانے اور اس کاروبار کو وسیع کرنے کے لیے فحش مواد کی ایک بہت بڑی انڈسٹری وجود میں لائی گئی جس سے ہر سال 70 ارب ڈالر کی آمدنی ہوتی ہے۔ ان میں سے 15 ارب ڈالر صرف امریکا سے کمائے جاتے ہیں۔ سالانہ 20 ارب ڈالر صرف فحش فلموں کی فروخت سے حاصل ہوتے ہیں۔

8 ارب ڈالر فحش رسالے اور میگزین بیچ کر حاصل کیے جاتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر فحش سائٹس سے 3 ارب ڈالر کمائے جاتے ہیں۔ ان میں سب سے مکروہ دھندہ 13 سال سے کم عمر بچیوں کی تصاویر اور فلموں کا ہے جس سے 3 ارب ڈالر کمائے جاتے ہیں۔ اس وقت انٹرنیٹ پر ان کی ایک لاکھ کے قریب ویب سائٹس ہیں جب کہ باقی فحش سائٹس کی تعداد 45 لاکھ اور فحش انٹرنیٹ پیجز کی تعداد 3 کروڑ 75 لاکھ ہے۔ دنیا بھر سے 3 ارب کے قریب افراد یہ تصویریں اور فلمیں اپنے کمپیوٹروں میں محفوظ کرتے ہیں۔ صرف امریکا کی 3 لاکھ 25 ہزار بچیاں ان فحش تصویروں اور فلموں کے لیے اپنے جسم کی نمائش کرتی ہیں۔

اس دھندے سے جو ہیجان پیدا ہوتا ہے، عورت کی ہر مقام پر عریاں موجودگی جس طرح ان معاشرے کے بھیڑیوں کو ہوس کے بازار میں لا کھڑا کرتی ہے، وہیں سے جسم فروشی کا دھندہ کبھی مساج پالروں کی شکل اور پھر کہیں Escort سروس کے نام پر پوری دنیا میں عام ہوتا ہے۔ پوری دنیا کے غریب ممالک سے لاکھوں کی تعداد میں کمسن بچیوں اور عورتوں کو ان مساج پارلروں اور طوائف گھروں میں لا بٹھایا جاتا ہے جن کی نگرانی تنومند غنڈے اور تربیت یافتہ کتّے کر رہے ہوتے ہیں۔ جنگ، بھوک، بیماری اور افلاس زدہ علاقوں کی لڑکیاں

Marfat.com

بھی اس کاروبار میں جھونکی جاتی ہیں۔

جہاں کہیں ورلڈ کپ یا کسی اور طرح کا عالمی اکٹھ ہوتا ہے ایسی عورتوں کا ایک سیلاب وہاں پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس ساری صورت حال سے جو معاشرہ جنم لیتا ہے اس میں ہر ایک سیکنڈ میں 2 خواتین جنسی تشدد کا شکار ہوتی ہیں۔ پوری دنیا میں ہزاروں سیریل کلر یعنی جنونی قاتل جنم لیتے ہیں جو عورتوں کو اغوا کر کے جنسی تشدد کے بعد قتل کرتے ہیں۔ ہر سال 10 لاکھ بچے صرف امریکا میں کمسن لڑکیاں جنم دیتی ہیں جو بغیر شادی کے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں اکثریت خیراتی اداروں کے سپرد ہو جاتے ہیں۔

ایک ہولناک اور بھیانک تصویر ہے جو دفتروں میں جنسی طور پر ہراساں کرنے سے شروع ہوتی ہے اور پُرتشدد قتل و غارت تک جاتی ہے، لیکن اب سے کئی سو ارب روپے کی انڈسٹری چلتی ہے۔ اسی لیے جو عورت حجاب پہننے کا اعلان کرتی ہے، وہ اس اربوں ڈالر کی آمدنی کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ وہ نمائش نہیں بننا چاہتی جو اس سرمایہ کمانے کے چکر کا آغاز ہے۔

ایسی مخالفت کو آغاز ہی میں کچلنے کے لیے یہ اخلاقیات سے محروم سرمایہ اور حقوقِ نسواں، جمہوری اقدار اور معاشرتی ترقی کے تیر ہاتھوں میں لیے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ان تیروں سے ہمیں خود بھی بچنا ہے اور اپنے بچوں اور بچیوں کا مستقبل بھی بچانا ہے۔ اس کی روک تھام کے لیے ہم جو کر سکتے ہیں، وہ کریں۔ اس کے خلاف آواز بلند کریں۔ مہم چلائیں۔

Marfat.com

2 / 6

بے پردگی اور فیشن/سنگل پیرنٹ کانسپٹ

یہ حقیقت ہے کہ فحاشی کے پھیلاؤ کا ایک بڑا سبب بے پردگی ہے۔ اس وقت بے پردگی کو فیشن کا درجہ مل چکا ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ بے پردگی کے خلاف بولنے والے کو یوں دیکھا جاتا ہے گویا وہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہوں۔ حکومت کی بھرپور کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طرح خواتین کو گھروں سے نکال کر ایوان میں لا بٹھایا جائے۔

تاوقتِ تحریر خواتین کے لیے اسمبلی میں مخصوص کوٹہ 22 فیصد نشستوں کا ہے۔ اس کوٹے پر تو خواتین منتخب ہوتی ہی ہیں، مگر اس کے علاوہ بھی عام انتخابات میں حصہ لے کر اسمبلی میں پہنچنے والی خواتین کی تعداد دو درجن تک پہنچ چکی ہے۔ اچنبھے کی بات یہ ہے دیگر سیاسی جماعتوں کی طرح مذہبی جماعتیں بھی اپنی خواتین کو ایوان میں لے آئی ہیں۔ ان جماعتوں کو بھی کوٹے کے نام پر اپنی باپردہ خواتین ایوان میں لانے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی، جبکہ اس وقت کوئی شرعی تقاضا بھی نہیں ہے۔

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اسلامی نظام کے لیے کوشش کرنے والی جماعتیں بھی اپنی خواتین کو گھرداری کے بجائے رموزِ سیاست سکھانے لگی ہیں۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ مذہبی جماعتوں کی قیادت ٹی وی ٹاک شوز میں اخلاق باختہ خواتین کے ساتھ بیٹھ کر بحث مباحثے کرتی ہے، قطع نظر اس بات کے کہ میزبان کوئی مرد ہے یا ''کاسیات عاریات'' کا سمبل بنی ہوئی کوئی ''مکشوفہ''!

مذہبی رہنماؤں کی اسی طرح کے مخلوط پروگراموں میں شرکت نے عام لوگوں کے

Marfat.com

ذہنوں سے شریعت کے دیے گئے محرم و نامحرم کے تصور کو نگاہوں سے مشکوک اور اوجھل کر دیا ہے۔ جب ایک مذہبی رہنما خاتون میزبان کے ساتھ ون ٹو ون بلکہ فیس ٹو فیس آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہا ہو تو نئی نسل اس سے کوئی اچھا تاثر لے گی؟ پردہ تو رہا ایک طرف۔ یہ تو بہت آگے کی بات ہے۔ اس پر ذرا غور و فکر ضرور کیجیے گا۔

4 ستمبر کو ہر سال پوری دنیا میں یومِ حجاب منایا جاتا ہے۔ اس دن ''مروی الشربینی'' کی شہادت ہوئی تھی۔ اس بہادر خاتون نے شعائر اسلام کی خاطر کفرستان میں اپنی جان دی تھی۔ پس منظر کے طور پر یاد رہے 4 ستمبر 2008ء میں مروی الشربینی کو حجاب کی پاداش میں شہید کیا گیا۔ جس دن کو مروی کو شہید کیا گیا، اس دن کو دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں اور خواتین تنظیموں نے ''یومِ حجاب'' کے طور پر منانے کا اعلان کیا۔

''مروی الشربینی'' مصر کے شہر اسکندریہ میں 1977ء میں پیدا ہوئی۔ 1995ء میں النور گرلز کالج سے گریجویشن کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد 2005ء میں اپنے شوہر کے ساتھ جرمنی چلی گئیں۔ ان کا شوہر مینوفیا یونیورسٹی میں لیکچرار تھا۔ 2008ء کی ایک شام وہ اپنے بچوں کے ساتھ میں ڈریسڈن پلے گراؤنڈ میں سیر و تفریح کر رہی تھیں کہ ان کا ٹاکرا ''ایلکس'' نامی شخص سے ہو گیا۔ مروی پردے میں تھی۔ وضع قطع شرعی تھی۔ مغربی معاشرے میں ایک مسلم خاتون کو شرعی لباس میں دیکھنا اس کو گوارا نہ گزرا۔

اس خبیث شخص نے مروی کو حجاب کرنے پر سخت ترین جملے کہے اور گندی گالیاں دیں۔ اسے ایک ''اسلامی دہشت گرد'' ہی نہیں کہا، بلکہ اس جنونی شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بھی گستاخیاں کیں۔ اس پر مروی نے جرمن عدالت سے رجوع کیا جس پر عدالت نے ایلکس پر 780 یورو جرمانہ کر دیا۔ پبلک پراسیکیوٹر نے معاملے کی سنگینی کے پیش نظر عدالت کو زیادہ جرمانہ کرنے کی درخواست دی۔ ایلکس نے پہلی پیشی پر مروی کو

Marfat.com

قتل کی دھمکی دیتے ہوئے کہا انہیں جرمنی میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے، وہ یہاں سے چلی جائے۔ یکم جولائی کو عدالت میں دوبارہ سماعت ہوئی۔ سماعت کے دوران ہی بدبخت ایلکس نے خنجر نکال کر نیک بخت مروی پر وار کر کے شہید کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ جب یورپ میں خواتین کی برہنگی پر تو کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا تو پھر مسلمان خواتین کو ستر ڈھانپنے اور حجاب استعمال کرنے پر تنقید اور نفرت کا نشانہ کیوں بنایا جاتا ہے؟ اگر امریکی صدر کی بیوی ''پوپ بینیڈکٹ'' سے ملاقات کے وقت سر پر ڈوپٹہ اوڑھ لے تو اس پر کوئی قدغن نہیں لگائی جاتی، لیکن اگر ترکی کے صدر کی بیوی اسکارف باندھ کر ایوانِ صدر میں قدم رکھتی ہے تو اس پر مغربی ادارے سیخ پا ہو جاتے ہیں۔ ایک یہودی، سکھ یا ہندو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی غرض سے ڈاڑھی رکھ سکتا ہے، لیکن جب ایک مسلمان یہی کام کرتا ہے یا اس کی ترغیب دیتا ہے تو وہ انتہا پسند کہلاتا ہے، کیوں؟

ایک عیسائی راہبہ اپنے ''خدا'' کی بندگی کے لیے خود کو سر سے پیر تک مکمل ڈھانپ سکتی ہے، مگر ایک مسلمان عورت باحجاب رہتی ہے تو وہ مظلوم کہلاتی ہیں۔ ایک مغربی عورت جب اپنے گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کی خاطر ملازمت یا تجارت سے گریز کرتی ہے تو اسے اپنے کیرئیر کی قربانی پر عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، لیکن ایک مسلمان عورت اپنی مرضی سے اپنے گھر اور بچوں کو اپنی زندگی کا محور بناتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اسے قید و بند کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور اسے اس غلامی سے نجات ملنی چاہیے اور پھر پردے کے خلاف مہم شروع ہوتی ہے۔

کوئی بھی مغربی لڑکی کسی بھی طرح کا لباس زیبِ تن کر سکتی ہے اور کسی بھی طرح کی آرائش سے مزین ہو کر اپنے تعلیمی ادارے میں آ سکتی ہے اور اسے شخصی آزادی کا نام دیا جاتا ہے، اس کے ٹیلنٹ کی قدر کی جاتی ہے، لیکن ایک مسلمان طالبہ حجاب پہن کر یونیورسٹی جاتی ہے تو اسے پسماندہ قرار دے کر داخلے سے روکا جاتا ہے۔ کوئی بچہ کسی خاص سبجیکٹ

Marfat.com

سائنس، کمپیوٹر سائنس، مصوری، رقص و موسیقی میں دلچسپی لیتا ہے تو اس کی صلاحیت کو سراہا جاتا ہے، لیکن ایک مسلمان بچہ خود کو دین اسلام کے علوم کے لیے وقف کرتا ہے تو اس کے مستقبل سے اس کے ملک و قوم اور عالمی برادری کو تشویش لاحق ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی یہودی اور عیسائی اپنے مذہب کی ترویج و اشاعت کے لیے رقم دیتا ہے تو اس کو مستحسن سمجھا جاتا ہے، اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، لیکن اگر کوئی مسلمان صاحب ثروت دو چار لاکھ مدارس اور اشاعت دین کے لیے دیتا ہے تو ان پر راتوں رات دہشت گردی کے مقدمے قائم کر کے عقوبت خانوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہودیوں کو گالی دے یا ہولوکاسٹ کو جھوٹ کہے تو ان پر مقدمے قائم کیے جاتے ہیں، لیکن برحق مذہب اسلام اور مسلمانوں کی مقدس ترین ہستی کے نازیبا کارٹون اور خاکے شائع ہوں تو اسے آزادیٔ اظہار رائے کا نام دے دیا جاتا ہے۔

مغرب میں عیسائی نوجوانوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ہر ہفتے باقاعدہ چرچ جایا کریں، لیکن اسلامی مراکز پر پابندیاں لگائی جارہی ہیں۔ نائن الیون کے بعد سے پوری دنیا میں خواتین کو حجاب سے روکنے کے لیے باقاعدہ تحریکیں چلائی گئیں۔ فرانس حکومت کا کہنا تھا ہم مسلم طالبات کو یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ اپنے مذہب کا پرچار کرتی پھریں۔

2007ء میں برطانیہ کے وزیر خارجہ نے ہرزہ سرائی کی تھی: ''مسلمان عورتوں کی طرف سے پہنا جانے والا نقاب باہمی تعلقات کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔'' جرمنی میں بھی حجاب سے متعلق ایک مہم جاری رہی۔ طالبات سے کہا گیا اگر وہ تعلیم جاری رکھنا چاہتی ہیں تو اسکارف اتار کر اسکول آیا کریں حالانکہ یہ وہی جرمنی ہے جس کے آئین کے مطابق جرمنی میں رہائش پذیر ہر شہری کو اس کے مذہبی شعائر کے مطابق آزادی سے زندگی بسر کرنے کی پوری پوری اجازت ہے۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ عریانی و بے حیائی کا جو طوفان مغرب نے آزادی اور روشن خیالی کے نام پر برپا کیا تھا۔ جسے شاید ہم اُن کی ترقی کا راز سمجھ کر دن رات اپنے ہاں درآمد کرنے میں مصروف ہوگئے۔ اس کی تباہ کاریوں کے عملی تجربے کے بعد مغرب کے پوپ پادری نہیں بلکہ حکومتی و سیاسی حلقے تک آج اس سے سخت پریشان ہیں۔

اب اس سے جان چھڑانا ان کے لیے محال ثابت ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن طاقتوں کے مفادات اور کھربوں کے کاروبار فحاشی کے کلچر سے وابستہ ہیں وہ اب اتنی منہ زور ہو چکی ہیں کہ ان کے خلاف کسی نتیجہ خیز اقدام کی کوشش اپنی شامت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

ایسی ہر کوشش آزادی اظہار پر حملہ قرار پا کر شدید منفی پروپیگنڈے کا ہدف بنتی ہے۔ اس پہلو سے گزرے ہوئے سال کے اہم واقعات کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے 27 ممالک پر مشتمل یورپی یونین کی پارلیمنٹ میں مارچ کے مہینے میں مغربی معاشرے خصوصاً الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں عورتوں کے حیا سوز انداز میں سامنے لائے جانے کو ان کی بے عزتی اور صنفی عدم مساوات پر مبنی رویہ قرار دیتے ہوئے، اس پر مکمل پابندی لگانے کی تجویز پر مشتمل ایک مفصل رپورٹ پیش کی گئی۔

اس تحقیقی رپورٹ تیار کرنے والی کمیٹی کا نام کمیٹی آن ویمنز رائٹس اینڈ جنڈر اکولٹی تھا۔ کمیٹی کی رپورٹ کا مسودہ خاتون ڈچ ممبر ''کارتیکا تمارا'' نے تیار کیا تھا۔ برطانوی اخبار ڈیلی ٹیلی گراف کے مطابق ''کارتیکا تمارا'' نے یورپی پارلیمنٹ میں مسودہ پیش کرتے ہوئے کہا وقت آگیا ہے کہ میڈیا کے ذریعے پھیلائی جانے والی ہر قسم کی فحاشی پر مکمل پابندی عائد کی جائے۔

برطانوی رکن پارلیمنٹ ''فلوایلا بنجامن'' کا کہنا تھا مرد خواتین کو اوچھی حرکتیں کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہاں عورت کو محض نمائش کی شے سمجھ لیا گیا ہے۔ ہمیں عورت کو شو پیس

Marfat.com

سمجھنے والوں کی سوچ کو بدلنا ہے۔ میرے پاس اس بات کا جواب موجود نہیں کہ ہم کس طرح عورت کو اس کی کھوئی ہوئی عزت واپس دلاسکیں گے یا اپنے بچوں کو بے حیائی کے اس چنگل سے کیسے آزاد کرا سکیں گے؟

اسی طرح ''وائس آف امریکا'' کا اندازہ تھا کہ اس مسودے میں اگرچہ ہر قسم کی فحاشی کی تشہیر پر پابندی کا مطالبہ شامل ہے، لیکن خیال ہے اس پابندی کا اطلاق پرنٹنگ اور تشہیر کے لیے استعمال کیے جانے والے عریاں مواد پر ہوگا۔ وائس آف امریکا کی خبر میں یہ اطلاع بھی شامل تھی کہ فروری 2013ء میں آئس لینڈ میں بھی عریانیت کی تشہیر پر مکمل پابندی کا قانون پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا جبکہ فحش مواد کی طباعت و تشہیر پر مکمل پابندی کا قانون اس سے دو سال پہلے ہی وہاں نافذ کیا جا چکا ہے۔

فحاشی و بے حیائی کی یلغار پر برطانیہ کے وزیر اعظم بھی گزشتہ سال چیخ اٹھے تھے۔ انہوں نے برطانیہ کے تمام گھروں میں تمام فحش ویب سائٹس پر پابندی اور اس مقصد کے لیے فیملی فرینڈلی فلٹرز سمیت مختلف تدابیر اختیار کیے جانے کا اعلان کیا۔ اسی طرح بی بی سی نے ایک رپورٹ میں بتایا تھا وزیر اعظم کی اپیل پر دو کلیدی سرچ انجنوں نے اس ضمن میں حکومت سے تعاون پر آمادگی ظاہر کی ہے، لیکن یورپی پارلیمنٹ میں صنفی مساوات کے لیے کام کرنے والی کمیٹی کی رپورٹ کے وہ حصے مسترد کر دیئے گئے جن میں میڈیا پر عورتوں کو مختصر لباس میں پیش کر کے ناظرین کے سفلی جذبات ابھارنے اور اس طرح خواتین کا بدترین استحصال کیے جانے پر مکمل پابندی لگانے کی تجویز دی گئی تھی، تاہم 27 یورپی ملکوں کی پارلیمنٹ میں ایسی رپورٹ کا تیار ہونا اور زیر غور آنا ہی غیر معمولی اہمیت کی بات ہے۔

اس سے اس حقیقت کا واضح اظہار ہوتا ہے بے حیائی کے کلچر نے مغربی معاشرے کو جس سنگین صورت حال سے دوچار کر رکھا ہے اس کا شدید احساس ابھرنے کے باوجود اس

Marfat.com

سے نجات پانا اب مشکل ثابت ہو رہا ہے۔ ہر معقول شخص سمجھ سکتا ہے کہ صنفی معاملات میں فطرت کے منافی رویّے معاشروں کو مکمل طور پر تباہ کر دیتے ہیں۔ بے حیائی ناجائز تعلقات کو فروغ دیتی ہے۔

نوع انسانی کی بقا ان تعلقات کا مقصود ہی نہیں ہوتا لہٰذا ضبط ولادت کے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں، پھر بھی اگر اولاد اس تعلق کے نتیجے میں دنیا میں آ ہی جائے تو وہ باپ کے لیے تو عموماً قابل قبول ہی نہیں ہوتی اور ماں کے لیے بھی ایک بوجھ ہی ہوتی ہے۔ معاشرے میں ایسے بچوں کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے جن کے پروان چڑھانے میں باپ کا سرے سے کوئی کردار نہیں ہوتا۔

سنگل پیرنٹ کی حیثیت سے یا تو صرف مائیں ان کی پرورش کرتی ہیں یا پھر بچوں کی دیکھ بھال کے سرکاری اور فلاحی ادارے ان کی پناہ گاہ بنتے ہیں جبکہ ایک ہی صنف کے افراد کے تعلقات تو نوع انسانی کے تسلسل کے خاتمے کا کھلا اعلان ہیں، لیکن اس تعلق کو مغربی دنیا میں بالعموم بنیادی انسانی حق کے طور پر قانونی تحفظ دیا جا چکا ہے۔ ان رویوں کے باعث آبادی میں اضافے کی شرح مغرب میں خطرناک حد تک گر چکی ہے۔ آبادی میں بوڑھوں کا تناسب مسلسل بڑھ رہا ہے اور کام کرنے کے لائق افراد کم ہوتے جا رہے ہیں۔

اس طرح مغربی تہذیب کے بارے میں اقبال کی یہ پیش گوئی حقیقت بنتی نظر آ رہی ہے کہ تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی۔ بے حیائی کے کلچر کی یہی تباہ کاری ہے جس کی بنا پر انسانوں اور کائنات کے خالق نے یہ مستقل حکم دے رکھا ہے کہ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں فحاشی پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں

دور اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ مغرب کے تجربے اور واضح تنبیہ اور ہدایت کی روشنی میں ہم دیکھیں کہ ایک معاشرے کی حیثیت سے ہم کہاں کھڑے ہیں؟ مغرب خود مول

خاندانی نظام ایسے بچائیں

Marfat.com

لیے ہوئے جس عذاب کے شکنجے سے نکلنے کی ناکام کوششیں کر رہا ہے، آخر ہم اس عذاب کو بخوشی اپنے اوپر مسلط کرنے کے لیے کیوں بے قرار ہیں؟ ہمارے ذرائع ابلاغ کے پالیسی سازوں، حکمرانوں، کاروباری طبقوں، ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں، خواص و عوام سب کو سوچنے اور غور وفکر کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

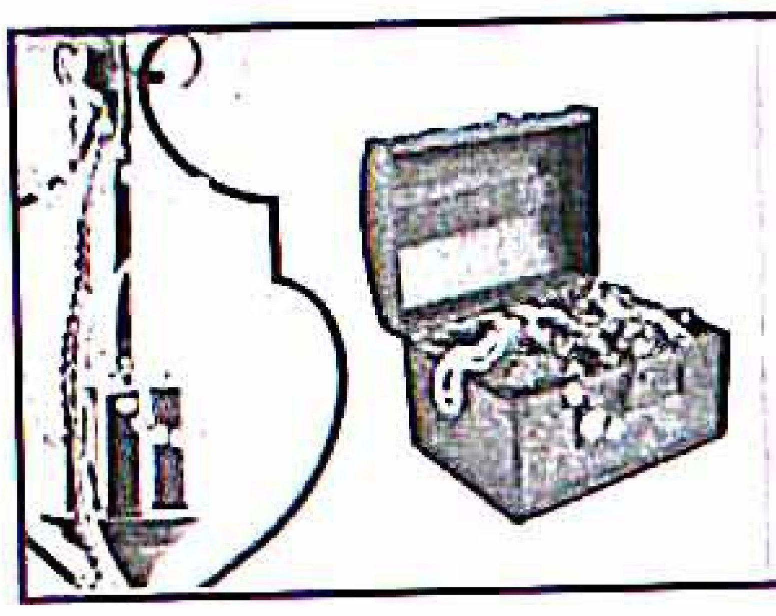

2 / 7

نفع کے تاجر بن جائیں/ بدنصیب کون؟

چند سال قبل ''نیوز ویک'' نے یہ بات لکھی تھی کہ مغرب میں جس تیزی سے شعائرِ اسلام اور اسلام پھیل رہا ہے۔ اگر یہ سلسلہ یونہی رہا تو اس پھیلاؤ کو کسی بھی طریقے سے روکنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس کے بعد مضمون نگار امریکی تھنک ٹینک، اسٹیبلشمنٹ، سی آئی اے کے منتظمین اور حکام کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ اسلام کی اصل تعلیمات کے بارے میں پروپیگنڈا کر کے اسلام اور مسلمانوں کا چہرہ مسخ کرنا ضروری ہے تاکہ اسلام کا وہ برانڈ فروغ پائے جسے مغربی سرپرستی اور تائید حاصل ہو، چنانچہ اس کے بعد بڑی تیزی سے اس پر کام شروع ہو گیا۔ ''ملالہ برانڈ'' اسی کمپنی کی پروڈکٹ ہے۔ اس پر کن کن طریقوں سے محنت کی گئی؟ کیسے کیسے حربے اور ہتھکنڈے استعمال کیے گئے؟ یہ سب کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے۔

نام نہاد حقوقِ نسواں بل، میراتھن ریس، نیو ایر نائٹ، لو میرج، ڈاڑھی، چہرے کا پردہ، شعائر کا کھلے عام مذاق، جہاد کو دہشت گردی کہہ کر اسکول کے نصاب سے قرآن کی آیات کا اخراج، شراب نوشی کا رواج، زنا کاری کے کھلے عام اڈے، نوجوانوں میں نشے کی لت، مخلوط تعلیم کی حوصلہ افزائی، ہر شعبے میں عورتوں بلکہ خوبرو لڑکیوں کی نمایندگی، فحاشی کے فروغ کے لیے مفت فیشن شو، بے ہودہ اشتہارات، ماڈلنگ کے نام پر بے حیائی، ثقافتی پروگرام کی آڑ میں برہنہ ناچ، میڈیا پر ہم جنس پرستی کی کھلے عام دعوت، غیروں کی ثقافت اپنانے کی ترغیب، رشوت، بدعنوانی، جسم فروشی، اسمگلنگ، اغوا جیسے کاموں کو برا نہ کہنا، نوجوانوں کے

Marfat.com

مابین مذاکروں کے نام پر دین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، نماز کو یوگا اور ورزش باور کروانا، کھڑے ہوکر اُلٹے ہاتھ سے کھانے کو اسٹیٹس سمبل، جانوروں کی طرح پیشاب کرنے کو مہذب طریقہ، سلام کی جگہ ہیلو، سؤر کے گوشت کو بہترین گوشت اور شراب کو روح افزا، دین دار عورتوں کی تضحیک اور فاحشہ اور رنڈیوں کا اکرام...... ایسی سیکڑوں چیزوں کو اپنے پروردہ حکمرانوں اور اپنی پالتو این جی اوز کے ذریعے متعارف بلکہ بھرپور تشہیری مہم چلانا......

نتیجے کے طور پر ہمارے ہاں فحاشی وعریانی، بے حیائی، رشوت، بدعنوانی، شراب نوشی، جسم فروشی، بلیک میلنگ، اسمگلنگ، اغوا اور قتل وغارت اب باعث شرم نہیں بلکہ فخر کا باعث بنتا جارہا ہے۔ اب تو اپنے بچوں کو کو یہ سکھانا بھی ناممکن ہوتا جارہا ہے کہ سچائی، اپنی تہذیب وثقافت، اسلامی اقدار اور دیانت داری کا راستہ عروج کی طرف لے جانے والا ہے۔

اسی کے نتیجے میں مسلمانوں میں ان کے بارے میں شکوک پیدا ہورہے ہیں۔ نوجوان نسل گمراہی کی طرف جارہی ہے۔ مسلمان گھروں کی لڑکیاں غیر مسلم آشناؤں کے ساتھ منہ کالا کروارہی ہیں۔ شریف گھرانوں کی باپردہ لڑکیوں اور لڑکوں نے بھی لو میرج شروع کردیے ہیں۔ بچہ بچہ مغربی تہذیب کا دلدادہ ہوتا جارہا ہے۔

مغربی ثقافت سے متاثر ہوکر نوجوان بوڑھے والدین کو اپنے لیے بوجھ سمجھ رہے ہیں۔ طلبہ اپنے اساتذہ کی پٹائی لگارہے ہیں۔ ہمارے وزرا غیر ملکی دوروں پر عوام کے پیسوں سے شراب وکباب سے لطف اندوز ہورہے ہیں۔ ناچنے والیوں پر پیسے نچھاور کررہے ہیں۔ شراب کو حلال قرار دینے کے بارے میں سوچا جارہا ہے۔

مغرب زدہ طبقے نے یہ سمجھ لیا ہے شاید ترقی کا سبب فحاشی وعریانی ہی ہے حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ انٹرنیٹ پر دنیا بھر کے کئی مشہور فیشن میگزینز اور تحقیقی ومطالعاتی اشاعتی

Marfat.com

اداروں کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ پوری دنیا میں فحش میگزینز اور اخبارات کے مقابلے میں تحقیقی رپورٹیں اور اعداد وشمار شائع کرنے والے میگزینز اور اخبارات ہی زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔

دنیا میں تحقیقی کام کرنے والے کسی بھی میگزین اور اخبار کے بارے میں پتا کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ کسی اشاعتی ادارے کی کامیابی کا اصل راز نازیبا اور فحش تصاویر شائع کرنا نہیں بلکہ اس کی کامیابی کے پیچھے تحقیقی کام اور اس کی طویل محنت کی کارفرمائی ہے۔

چند سال قبل ہندوستان کی سپریم کورٹ نے اخبارات میں نیم عریاں تصاویر اور ہیجان خیز مواد شائع کرنے پر مرکزی حکومت، خبر رساں ایجنسیوں اور کچھ اخبارات کو نوٹس جاری کیے تھے۔ مفادِ عامہ کی ایک عذرداری میں عدالت سے ایسے اصول وضوابط وضع کرنے کی گزارش کی گئی تھی جس سے بچوں کو ایسے مواد سے محفوظ رکھا جاسکے جو اخبارات میں فلمی ستاروں اور دوسری فحش تصاویر کی صورت میں چھاپی جاتی ہیں۔

درخواست گزار نے کہا تھا حکومت اور پریس کونسل آف انڈیا اس سلسلے میں کوئی اصول وضع کرنے سے قاصر رہی ہے جبکہ بچوں کو فوری طور پر ان کے اثرات سے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔'' کیونکہ ہندوستان میں اجتماعی زیادتی، ریپ اور کم بچوں کے ساتھ ناروا سلوک میں اضافہ ہورہا ہے۔

اس کی سب سے بڑی اور اہم وجہ فحش مواد، عریاں فلمیں، بے حیائی پر مشتمل میسجز ہیں۔ انہی دنوں نئی دہلی میں اسکول کی طالبہ کے ساتھ چلتی بس میں 4 لڑکوں نے اجتماعی زیادتی کرنے کے بعد بس سے باہر پھینک دیا تھا۔ جب عدالت میں ان درندوں سے اس کا محرک پوچھا گیا تو انہوں نے گندی فلمیں، ننگی تصاویر، فحش ڈرامے اور بے حیائی کے مناظر بتائے تھے۔ اس کے بعد انڈیا حکومت نے کئی ایسے اقدامات کیے جن سے فحاشی وعریانی اور

Marfat.com

بے حیائی میں کمی آسکے۔

پاکستان میں 15 لاکھ سیکس ورکرز ہیں، مگر اس کے خلاف جدو جہد کے لیے کسی کے دل میں آج تک کوئی خیال نہیں آیا۔ ملک کی اخلاقی بربادی پر نہ تو کوئی حکمران بولا نہ ہی اپوزیشن لیڈر، نہ مذہبی جماعتیں اور ان کے قائدین، جبکہ پارلیمنٹ بھی انتظامیہ کی طرح بے حس رہی۔ اعلیٰ عدلیہ اس پر سوموٹو ایکشن لینے سے کیوں قاصر ہے؟

پاکستان کے شہروں میں ایک بہت بڑی تعداد باشعور ہے، مگر کوئی ایک شخص بھی اس عریانیت پر پُرامن احتجاج کے لیے سڑک پر نہیں نکلا۔ اگر ہمارے سیاست دان، پارلیمنٹ، حکومت، عدلیہ، میڈیا اور عوام اسی بے حسی کا شکار رہے تو پھر مغرب کی طرح ہم بھی اخلاقی پستی کی حدوں کو چھو کر رہیں گے۔

اس کی روک تھام کے لیے سب سے بڑی ذمہ داری مذہبی رہنماؤں، دینی جماعتوں، ائمہ مساجد اور علماء پر عائد ہوتی ہے۔ معاشرے کو بچانے میں کسی بھی دوسری طاقت سے امید لگانا فضول ہے۔ ہمارے حکمرانوں اور میڈیا سے یہ امید ہرگز نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ ملک کو فحاشی وعریانی اور بے حیائی سے روکیں گے۔

یہ کام علماء اور مذہبی رہنما ہی کر سکتے ہیں، مگر آج یہ صورت حال ہے کہ کسی بھی مسجد میں فحاشی وعریانی کے سد باب کے لیے سنجیدہ گفتگو نہیں کی جاتی۔ کسی امام مسجد کو یہ فکر نہیں کہ ہمارے ملک میں کس تیزی سے طوفان بدتمیزی پھیل رہا ہے۔ علماء اور معاشرے کا رابطہ دن بہ دن کمزور ہورہا ہے۔ دیندار حضرات کو معلوم تک نہیں ہوتا کہ معاشرہ کس خوف ناک تباہی کا شکار ہورہا ہے۔

یہ موجودہ خاموشی اور یہ بے حسی انتہائی تکلیف دہ ہے۔ ہمیں احساس ہوجائے کہ اگر اس عریانیت اور فحاشی پر آج ہم اس لیے خاموش رہے کہ فیشن شوز اور واہیات ٹی وی چینلز

Marfat.com

پر کام کرنے والی لڑکیاں اور عورتیں ہماری اپنی بچیاں نہیں تو یاد رہے کہ کل ان لڑکیوں اور عورتوں کی جگہ آج کے تماش بینوں اور بے حس معاشرہ کے دوسرے افراد اور ذمہ داروں میں سے کسی کی بھی بیٹی، بیوی، بہن یا ماں نیم عریاں لباس میں ہزاروں لوگوں کے سامنے کیٹ واک کررہی ہوگی۔

آخر کیا وجہ ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں، جہاں 99 فیصد مسلمان رہتے ہیں، آج کل اخبارات وجرائد سے لے کر سائن بورڈز اور ہورڈنگز تک، تعلیم گاہوں سے لے کر تفریح گاہوں تک ہر جگہ فحاشی وعریانی کا سیلاب ہے حالانکہ آئینِ پاکستان کی رو سے یہ ممنوع ہے۔قرآن کی سورہ نور میں ہے: ''جولوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر فحاشی وعریانی عام ہوجائے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

ہم کیسے بدنصیب لوگ ہیں اپنے اللہ، رسول، مکہ، مدینہ، قرآن، اپنے شاندار ماضی اور بے مثال تہذیب وثقافت کو چھوڑ کر اپنے آپ کو نام نہاد مہذب، روشن خیال اور ماڈرن ثابت کرنے کے لیے گوروں کے رنگ میں رنگنے کے ہزار جتن کیے جارہے ہیں، حالانکہ مسلمانوں کو اللہ نے اپنے رنگ میں رنگنے کا واضح حکم دیا ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 138 کا ترجمہ ہے: ''اللہ کے رنگ سے بہتر رنگ کسی کا نہیں ہوسکتا۔'' دوسری جگہ ارشاد ہے: ''کفریہ طاقتیں تم سے اس وقت تک خوش نہیں ہوں گی جب تک تم ان کا مذہب اور تہذیب وثقافت قبول نہ کرلو اور یہ سراسر خسارے اور گھاٹے کا سودا ہے۔'' آیئے! خسارے کا یہ سودا چھوڑ دیں اور منافع کا سودا کریں۔

Marfat.com

2/8

ہر ایک سے پوچھا جائے گا / نئی نسل کو تباہی سے بچائیے

ہم سب ایک طرح سے ''چوکیدار'' ہیں اور جس طرح ''چوکیدار'' کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ اس سے یہ اُمید رکھی جاتی ہے کہ وہ اپنی ڈیوٹی بخوبی انجام دے گا، اسی طرح ہماری بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اپنی ''چوکیداری'' ٹھیک سے کریں۔

ہر آدمی اپنے حلقۂ احباب، متعلقین، رشتہ داروں اور اپنے گھر کی حد تک ضرور کچھ نہ کچھ اثر رکھتا ہے۔ اپنے زیر اثر حلقے میں برائی کے خلاف آواز اٹھانے کا ہر شخص مکلّف بھی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! اپنے اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔''

اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، اَلْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِيْ مَالِ سَيِّدِهٖ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ قَالَ وَحَسِبْتُ أَنْ قَدْ قَالَ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ مَالِ أَبِيْهِ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ.» (صحیح بخاری: 853)

''تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا

Marfat.com

جائے گا۔ بادشاہ نگہبان ہے اور اس سے اس کی عوام کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اپنے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ خادم اپنے مالک کے مال کا حفاظت کرنے والا ہے، اس کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا۔ روای کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ بھی کہا تھا کہ آدمی اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے، اُس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ گویا ہر آدمی نگہبان ہے، اور اُس سے اپنے ماتحت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"

گھر کی بیٹی، بہن، بیٹے، بھائی اور افرادِ خانہ کو نئی تہذیب کی اس سڑاند سے محفوظ رکھنا، گھر کے ہر باشعور بڑے کی ذمہ داری بنتی ہے۔ افراد معاشرے سے اور معاشرہ افراد سے بنتا ہے۔ ایک صالح معاشرہ، فرد کی ذمہ داری کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا۔ جب تک فرد میں برائی روکنے کا احساس پیدا نہ ہوگا۔ جب تک اس کے دل میں معمارانِ ملت کے مستقبل کے لیے اس زہر قاتل تمدن پر کڑھن پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک انسداد فحاشی و بے دینی کا صحیح سد باب نہیں ہوسکتا۔

برائی کے عام ہونے میں ایک بڑی رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ ہاتھوں ہاتھ قبول کرنے کے بجائے، معاشرہ اس کو یکسر رد کردے اور وہ اسے اسی وقت رد کرے گا جب معاشرے کے افراد کو اپنے دین، اپنی تہذیب اور اپنی روایات اور تعلیمات کی فکر ہوگی۔ شہروں کے اندر خیر و بھلائی کی قوتیں ہی لوگوں میں یہ فکر و احساس پیدا کرسکتی ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو "امر بالمعروف اور نہی المنکر"، یعنی "نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔" ان کاموں اور اُمور سے روکنا جن سے عوام کا مالی، جانی اور اخلاقی کسی بھی قسم کا نقصان ہو رہا ہو یا اس کا اندیشہ ہو، حکمرانوں پر

Marfat.com

لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے ممالک کے حکمران اور برسر اقتدار لوگ اپنے عوام کی خیر و بھلائی کے لیے ایسا کرتے رہتے ہیں اور قانون سازی کرتے رہتے ہیں۔

یہ خبر تو قریب ہی کی ہے کہ جب انڈونیشیا کے حکمرانوں نے دیکھا کہ فحاشی و عریانی کی وجہ سے عوام کے اخلاق تباہ ہو رہے ہیں تو انہوں نے کئی ایسے اقدامات کیے جن سے بہتری آئی۔ اس کے بعد انڈونیشیا کے صوبے ''آچے'' میں مسلمان خواتین کے لیے تنگ پینٹس پر پابندی عائد کر دی گئی۔ حکام کے مطابق صوبے کی تجویز کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ پابندی لگائی گئی ہے جس پر عملدر آمد کیا جائے گا۔

صوبے کے مغربی ضلع کے منتظم رالمی منصور نے کہا کہ خواتین کے لیے تنگ پینٹس کے علاوہ مردوں کے لیے شارٹ پینٹ بھی ممنوع قرار دے دی گئی۔ ان کا کہنا تھا اگر کسی خاتون یا کسی مرد نے اس حکم کی پابندی نہیں کی تو پولیس اس کے لیے سزا کا تعین کرے گی۔ تنگ پینٹ پہننے سے جسم کے اعضا کی نمائش ہوتی ہے جو اسلام میں قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔ انڈونیشیا کے مقامی ذرائع ابلاغ کے مطابق ''آچے'' کے عوام میں ان قوانین کے نفاذ کے بارے میں زبردست جوش و خروش پایا جاتا ہے۔ مقامی مذہبی اور عوامی رہنماؤں نے ان نئے ضابطوں کا خیر مقدم کیا ہے اور ان کی مکمل حمایت کی یقین دہانی کرائی ہے۔''

کیا ہمارے ملک پاکستان میں ایسا نہیں ہو سکتا؟ یقیناً ہو سکتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں اگر پوری دل سوزی کے ساتھ فواحش و منکرات اور بے حیائی کے دنیاوی اور اخروی نقصانات لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ صحافی و اہل قلم مجلّات و اخبارات کے صفحات پر ''ہوشیار باش'' کی صداؤں کو عام کرنے لگیں تو اس سے عام لوگوں میں انسداد فواحش کا جذبہ بیدار ہوگا۔

بے دینی اور فحاشی کی روک تھام کے لیے ان اداروں پر دباؤ ڈالنا بھی بہت ضروری ہے جو اس کے پھیلانے اور عام کرنے میں سرگرم ہیں۔ قطع نظر اس بات کے کہ پس منظر میں کون سی قوتیں کارفرما ہیں، جن اداروں سے براہ راست شر پھوٹ رہا ہے۔ ان کی سرکشی کو

Marfat.com

لگام دیئے بغیر یہ وبا رکے گی نہیں اور یہ کام حکومت کے کرنے کا ہے۔

ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ شہر کے معززین، اہم اداروں کے ذمہ داروں سے مل کر انہیں اپنے جذبات سے آگاہ کریں۔ قانون ہاتھ میں لیے بغیر جمہوری طریقے سے ان اداروں کے سامنے اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا جائے۔

یہ کام وہ اسلامی جماعتیں بہت آسانی کے ساتھ کر سکتی ہیں جن کے پاس ایک منظّم صورت میں کارکن اور رضا کار ہیں۔ اسمبلیوں میں دینی ذہن رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ بے حیائی اور بے دینی کی موجودہ لہر کے خلاف اس قومی پلیٹ فارم سے بھی موثر آواز بلند کرنے کی اَشد ضرورت ہے۔ ایک تو پالیسی ساز ذہن وہاں کے صدائے احتجاج کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ دوسرے وہاں کی آواز ملک بھر میں سنائی بھی دیتی ہے۔

دردِ دل رکھنے والے حضرات و خواتین! اس بڑھتی ہوئی فحاشی و بے حیائی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔ ہر شخص اپنا ایک حلقہ اثر رکھتا ہے۔ اپنے گھر، اپنے محلّہ، اپنے قبیلہ، اپنی مسجد، اپنی جماعت میں اس آگ کو بجھانے کے لیے آواز بلند کرے۔ ہم سب کو یہ حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ جس مسلم معاشرے میں برائی کے خلاف آواز اٹھانے والے نہ رہیں۔ قدرت کی طرف سے اس کی تباہی میں پھر زیادہ دیر نہیں لگتی۔ قرآن پاک اور تاریخ میں میں ایسی قوموں کے بیسیوں واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔

اگر چند ادارے اور جماعتیں فحاشی وعریانی کے خلاف مہم چلائیں۔ یہ شعور اُجاگر کریں کہ یہ سائن بورڈز جن پر خواتین کی نیم برہنہ اور فحش تصاویر اور بے حیائی پر مشتمل ذومعنی جملے لکھے ہوئے ہوتے ہیں یہ ہماری اسلامی روایات اور اقدار کے منافی ہیں۔ ان سے نوجوان نسل کے اخلاق تباہ ہو رہے ہیں۔

حکومت وقت ہیجان انگیز اشتہارات پر پابندی عائد کر دے تو کوئی وجہ نہیں کہ فحاشی وعریانی سے پاک معاشرہ وجود میں نہ آئے۔ ایسا ممکن ہے۔ کئی ممالک نے ایسا کیا ہے۔

Marfat.com

جب سعودی عرب میں جرائم کی شرح بڑھنے لگی تو سعودی حکومت نے ایسا ہی کیا تھا۔

اسی طرح انٹرنیٹ پر موجود تمام توہین آمیز اور فحش مواد کو بلاک کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے جدید اور موثر ترین فلٹریشن سسٹم استعمال کیے جائیں، لیکن اس بات کو بھی یقینی بنایا جائے کہ معلومات کے حصول کی آزادی متاثر نہ ہو۔ توہین آمیز اور فحش مواد کو روکنے اور مسلسل نگرانی کو یقینی بنایا جائے۔

ایسی پابندیاں عاید کی جائے جو اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں ہو۔ حکومت پاکستان اور پاکستان ٹیلی کام اتھارٹی انتہائی سرگرمی کے ساتھ توہین آمیز اور فحش مواد کو روکنے کے لیے اقدامات کرے۔ یہ بات یقینی بنائی جائے قراردادِ مقاصد اور آئین کے آرٹیکل 19 اور 31 میں وضع کردہ شہریوں کی آزادی متاثر نہ ہو اور اسے سیاسی مفاد کے لیے بھی استعمال نہ کیا جا سکے۔

بے شک مساجد اس وقت اصلاح کا سب سے بڑا مرکز ہیں۔ ائمہ مساجد کو چاہیے کہ اس مسئلے کے خلاف رائے عامہ ہموار کریں۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ تو ''کوٹھوں'' میں بیٹھی خواتین کو دعوت دیتے تھے، مگر آج کے مذہبی حلقے ایسے کسی بھی اقدام کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ روایت پسندی کے خول سے نکل کر معاشرے کے تمام افراد کوشش کریں۔ بڑھتی ہوئی فحاشی و عریانی اور بے حیائی کا راستہ روکیں۔ اس سے پہلے کہ یہ اس قدر عام ہو جائے کہ لوگوں کے دل سے اس کی نفرت تک نکل جائے۔

سب سے اہم اور آخری بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ماتحتوں کو، اپنی اولاد کو، اپنے بہن بھائیوں کو، اپنے خاندان کو، اپنے رشتے داروں کو، اپنے متعلقین اور جاننے والوں کو ان مہلک امراض سے بچانے کی پوری کوشش کرے، ان کی اصلاح کرے۔ آپ سب جانتے ہیں اس وقت نوجوان نسل تیزی سے بد اخلاق ہوتی جا رہی ہے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت اور مشرقی روایات کو چھوڑ کر مغربی تہذیب و تمدن اور طرزِ زندگی کو پسند کرنے لگی ہے۔ اسی

Marfat.com

کی دلدادہ ہے۔

جس طرح وہ لباس اور تراش خراش کرتے ہیں اسی طرح ہمارے نوجوان بھی کرنے لگے ہیں۔ جس طرح مغربی میں والدین اور بڑوں کے ساتھ بدسلوکی ہو رہی ہے اسی طرح ہماری نئی نسل بھی اپنے بڑوں، بزرگوں اور بوڑھے والدین کو بوجھ تصور کرنے لگی ہے۔ جس طرح امریکا و یورپ میں نوجوان اپنے والدین کو بائی پاس کر کے از خود ''گرل فرینڈ'' سے، اپنی ''پارٹنر'' سے شادی کر لیتے ہیں اسی طرح یہ وبا ہمارے یہاں سرایت کر چکی ہے۔ اس کے نتیجے میں جو خاندانی و معاشرتی تباہی آ رہی ہے، وہ سب کے سامنے ہے۔

نوجوان نسل کے بگاڑ میں اہم کردار فحش پروگراموں، عریاں تصاویر، بے حیائی پر مشتمل موبائل میسجز، ویڈیو کلپ اور انٹرنیٹ کا ہے۔ بے پردگی، فحاشی و عریانی اور آزادانہ میل جول نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ چند دن پہلے ایک شخص نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا۔ جب تفتیش کی گئی تو پتا چلا اس قتل کی وجہ اُس کے موبائل پر آنے والا ایک میسج تھا۔ ہوا کچھ یوں کہ کسی آدمی نے اس کی بیوی کے نمبر پر کال کی۔ اس عورت نے فون اُٹھایا۔

دوسری طرف سے کال کرنے والے نے ہیلو کے بعد ''فری'' ہونے کی کوشش کی تو اس نے سختی سے ڈانٹ کر فون بند کر دیا۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ اس منحوس آدمی نے شام کو کسی وقت اس عورت کے نمبر پر میسج بھجوا دیا۔ اس میسج میں پیار و محبت کی کوئی بات تھی اور صبح والی فون کال کا حوالہ بھی تھا۔ یہ گھریلو عورت تھی۔ پورا دن اپنے گھر کے کام کاج میں لگتی رہی۔ میسج پڑھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ اگر وہ پڑھ لیتی تو یقیناً ڈیلیٹ کر دیتی۔

دوپہر کو بچے اسکول سے آئے تو انہیں کھانا دیا۔ چار بجے اپنے بچوں کو ٹیوشن بھجوایا۔ 5 بجے اس کا شوہر دفتر سے لوٹا۔ اس کی بیوی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ سلام کیا۔ اس کا بیگ لے کر الماری میں لٹکایا۔ جلدی جلدی اپنے شوہر کے مزاج کے مطابق چائے بنائی۔

Marfat.com

پلیٹ میں کیک کا پیس اور نمکین بسکٹ رکھے۔ اتنی دیر میں اس کا شوہر ڈریس تبدیل کر کے صوفے پر بیٹھا ستا رہا تھا۔ اچانک اس کی بیوی کے موبائل پر گھنٹی بجنے لگی۔ جب کافی دیر بجتی رہی تو اُس نے اُٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا تو کال ختم ہو چکی تھی۔ موبائل چونکہ اس کے ہاتھ میں تھا، یونہی وقت پاس کرنے کے لیے ''اِن بکس'' کھول کر میسج پڑھنے لگا۔ پہلا ہی میسج پڑھا تو آگ بگولہ ہو گیا۔

شاید یہ شکی مزاج تھا۔ اس نے غصے کے عالم میں موبائل زمین پر دے مارا۔ اتنی دیر میں اس کی بیوی چائے کی ٹرے دونوں ہاتھوں میں تھامے کمرے میں داخل ہوئی۔ اپنے شوہر کو دیکھ کر بولی: ''خیر تو ہے، کیا ہوا؟'' بس پھر کیا تھا؟ قیامت بپا ہونے لگی۔ شوہر نے پوچھا کہ سچ سچ بتاؤ! اس آدمی کے ساتھ تمہارا کیا ''معاملہ'' چل رہا ہے؟ پہلے تو وہ سمجھی نہیں، پھر جب اس نے میسج دکھایا تو اس نے انکار کیا اور قسمیں کھانے لگیں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، آپ اس سے فون کر کے معلوم کر لیں۔ میں بے قصور ہوں، لیکن وہ اپنی بات پر اَڑا رہا کہ نہیں ''تم دونوں میں افیئر چل رہا ہے۔''

پہلے اس نے گالی دینا شروع کیں، پھر تھپڑ اور گھونسے مارنے لگا اور آخر میں دراز سے پسٹل نکال کر قتل کر ڈالا۔ دو گھنٹے بعد اس کے بچے گھر آئے تو ماں کی لاش کو خون میں لت پت پایا۔ دو دن بعد جب تفتیش ہوئی۔ تحقیقات ہوئیں تو وہ عورت بے قصور نکلی۔ دیکھیں اس ایک گندے اور بے حیائی پر مبنی غلط میسج نے پورا گھر تباہ کر دیا۔ شوہر سے اس کی بیوی اور چار بچوں سے ان کی ماں چھین لی۔

غالباً اسی واقعے کو برادرم جاوید چوہدری صاحب نے اپنے کالم میں کوڈ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''وہ دونوں میاں بیوی صوفے پر بیٹھ کر ٹیلی ویژن دیکھ رہے تھے۔ بیوی کا موبائل درمیان میں پڑا تھا۔ فون کی گھنٹی بند تھی۔ خاوند کی نظر اچانک فون پر پڑی تو اسکرین پر ایک نام جل بجھ رہا تھا۔ یہ کسی خاتون کا نام تھا۔

Marfat.com

خاوند نے بیوی سے کہا: ''تمہارا فون آرہا ہے۔'' بیوی نے اسکرین پر نظر ڈالی اور فون سنے بغیر کال کاٹ دی۔ خاوند نے پوچھا: ''کس کا فون تھا؟'' بیوی نے جواب دیا: ''میری پرانی سہیلی ہے۔'' خاوند نے پوچھا: ''تم نے فون کیوں نہیں اٹھایا؟'' بیوی نے جواب دیا: ''میں ٹی وی دیکھ رہی ہوں۔ بعد میں اسے خود فون کرلوں گی۔'' خاوند بیوی کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ اس نے بیوی کے ہاتھ سے فون چھینا اور اس نمبر پر کال کر دی۔ بیوی نے خاوند کے ہاتھ سے فون چھیننے کی کوشش کی، لیکن خاوند صوفے سے اُٹھ کر دور کھڑا ہوگیا۔ فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ کال ملی اور دوسری طرف سے ایک پُر جوش مردانہ آواز سنائی دی: ''واہ! آج ہمارا مقدر ہی جاگ گیا۔''

مردانہ آواز سن کر خاوند کے ماتھے پر پسینہ آگیا، جبکہ بیوی پریشانی کے عالم میں صوفے پر بیٹھ گئی۔ خاوند نے غصے سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' دوسری طرف چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ خاوند نے اس سے دوسری مرتبہ پوچھا: ''تم کون ہو؟'' دوسری طرف سے ایک لمبی سانس کی آواز آئی اور وہ بولا: ''آپ اپنی بیوی سے پوچھ لیں، یہ مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔'' خاوند کے غصے میں اضافہ ہوگیا اور اس نے فون پر موجود شخص کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ دوسری طرف کبھی خاموشی ہو جاتی اور کبھی قہقہوں کی آواز آنے لگتی۔ یہ گفتگو دس پندرہ منٹ تک جاری رہی۔ اس کے بعد خاوند نے فون بند کیا اور بیوی کو مکوں اور ٹھڈوں سے مارنا شروع کر دیا۔ بیوی چیختی چلاتی رہی۔

خاوند سے بات سننے کی درخواست کرتی رہی، لیکن خاوند کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ اس دوران بیوی نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی۔ اس کا پاؤں رپٹا، وہ شیشے کی میز پر گری، میز ٹوٹی اور شیشے کا بارہ انچ کا ایک ٹکڑا اس کے سینے میں پیوست ہوگیا۔ خاوند بیوی کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ اس نے بیوی کو اٹھایا۔ گاڑی میں ڈالا اور ہسپتال کی طرف دوڑ پڑا، لیکن بیوی راستے میں دم توڑ گئی۔ دوپہر کو بچے اسکول سے واپس آئے تو ان کی ماں دنیا

Marfat.com

سے رخصت ہو چکی تھی اور والد تھانے میں بند تھا۔

خاتون کے مرنے کے بعد جب اس ٹیلی فون کال کے بارے میں تحقیقات ہوئیں تو معلوم ہوا وہ نمبر مقتولہ کی ایک سہیلی بشریٰ کا تھا۔ بشریٰ ایک سال کے لیے ملک سے باہر چلی گئی۔ اس دوران وہ نمبر بند رہا۔ سفر کے دوران بشریٰ کی سم بھی گم ہوگئی۔ اس سال میں موبائل کمپنی نے یہ نمبر کسی دوسرے شخص کو الاٹ کر دیا۔ بشریٰ واپس آئی تو اس نے نیا نمبر لے لیا۔ اس خاتون کی سہیلی نے اسے بشریٰ کی واپسی کی اطلاع دی تو اس نے بشریٰ کے پرانے نمبر پر فون کر دیا۔

خاتون کا فون کسی مرد نے اٹھایا۔ اس نے بشریٰ کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا: ''میں بشریٰ کا خاوند ہوں۔ وہ باتھ روم میں ہے۔ وہ باہر آ جاتی ہے تو آپ کی اس سے بات کرادوں گا۔'' یہ بات چیت دس پندرہ منٹ تک جاری رہی۔ اس دوران خاتون جب بھی بشریٰ کے بارے میں پوچھتی وہ اسے بتاتا وہ ابھی باتھ روم سے باہر نہیں آئی۔

وہ ایک آدھ منٹ میں آجائے گی۔ آپ اپنے بارے میں بتایئے اور گفتگو کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ پندرہ منٹ بعد ان صاحب نے ان سے کہا: ''وہ ابھی تک باتھ روم میں ہے۔ وہ باہر آتی ہے تو میں آپ کی بات کرادوں گا۔'' یوں فون بند ہو گیا۔ آدھ گھنٹے بعد اسی صاحب کا فون آیا۔ اس نے بشریٰ سے بات کرانے کا کہا اور کوئی بہانہ بنا کر خاتون سے گفتگو شروع کر دی۔ اس گفتگو کے دوران خاتون کو معاملہ مشکوک محسوس ہوا اور اس نے سختی سے اس شخص سے کہا: ''بشریٰ کو بلائیں۔'' صاحب نے قہقہہ لگایا اور بولا: ''یہاں کوئی بشریٰ نہیں ہوتی۔ آپ بشیر سے بات کرلیں۔'' خاتون نے فون بند کر دیا، لیکن وہ صاحب باز نہ آئے۔ وہ دن میں دس پندرہ مرتبہ فون کرتے۔ خاتون فوراً ''اگنور'' کرتی رہتی، لیکن دن میں ایک آدھ فون اٹھا کر اس صاحب سے جان چھڑانے کی کوشش کرتی، لیکن وہ صاحب باز نہ آئے۔

Marfat.com

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے اس خاتون نے اپنے خاوند کو اعتماد میں کیوں نہیں لیا، اس کی دو وجوہات تھیں۔ پہلی اس کا خاوند ذرا شکی مزاج تھا۔ خاتون کا خیال تھا وہ اپنے خاوند سے بات کرے گی تو وہ الٹا اس پر شک شروع کر دے گا۔ دوسری بیوی کو خطرہ تھا اس کا خاوند کہیں اس سے موبائل واپس نہ لے لے اور یہ فون اس کی بیمار ماں اور اس کے درمیان واحد رابطہ تھا۔

اس کی والدہ دوسرے شہر میں رہتی تھی اور شدید علیل تھی۔ وہ فون کے ذریعے اس کے ساتھ مسلسل رابطے میں رہتی تھی۔ خاتون موبائل کمپنی کو فون کر کے وہ نمبر بھی بلاک کرا سکتی تھی، لیکن فون اس کے خاوند کے نام پر تھا اور موبائل کمپنیاں اس وقت تک اپنے گاہکوں کی شکایت پر عمل نہیں کرتیں جب تک موبائل کا اصل مالک ان سے رابطہ نہیں کرتا چنانچہ خاتون کے پاس خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

موبائل میں یہ نمبر بشریٰ کے نام سے ''سیو'' تھا اور پھر وہ دن آ گیا۔ اس دن اس کا خاوند دفتر نہیں گیا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی بچوں کو اسکول بھجوا کر ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ اس دوران اس شخص نے فون کر دیا اور یوں یہ حادثہ ہو گیا۔ اس حادثے کے بعد جب اس شخص سے رابطہ کیا گیا تو پتا چلا وہ یونیورسٹی کا ایک عام سا طالب علم ہے۔ اس نے یہ نمبر کسی سے خریدا تھا۔ فون استعمال کرنے کے چند دن بعد اسے یہ کال ریسیو ہو گئی اور اس نے چانس لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے بتایا یونیورسٹی کے زیادہ تر طالب علم یہی کرتے ہیں۔

یہ مختلف نمبر ڈائل کرتے رہتے ہیں۔ اس دوران اگر ان کا رابطہ کسی خاتون یا لڑکی سے ہو جائے تو یہ مختلف بہانوں سے اس سے گفتگو شروع کر دیتے ہیں۔ کبھی انہیں لون پر گاڑی خریدنے کی ترغیب دیتے ہیں اور کبھی اکاؤنٹ کھولنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ مشوروں کے دوران خواتین کے ساتھ فری ہونا شروع کر دیتے ہیں۔

یہ کبھی کسی میک اپ برانڈ کا نمائندہ بھی بن جاتے ہیں اور کبھی کچن کی مشینری بیچنے والی

Marfat.com

کمپنی کے ترجمان بھی۔ یوں گفتگو کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ان کے موبائل پر اگر کبھی کسی خاتون کی رانگ کال آجائے تو بھی یہ پورا پورا چانس لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس چانس کے دوران بعض اوقات ان کا کام بن جاتا ہے اور یہ ''کام'' بعدازں بے شمار لفنگے طالب علموں کے لیے ترغیب کا باعث بنتا ہے۔

اس قسم کی سرگرمیوں میں طالب علموں کے علاوہ بے شمار مرد بھی ملوث ہیں۔ یہ بھی دن میں دس، بیس، پچاس ''ایس ایم ایس'' پھینکتے ہیں۔ یہ ان ایس ایم ایس کو ''کنڈیاں'' کہتے ہیں اور اگر کسی ایک کنڈی میں کوئی مچھلی پھنس جائے تو یہ بھی کامیابی کی ایک لمبی چوڑی کہانی بن جاتی ہے۔ اس کہانی کی بنیاد پر بعدازاں دوسرے مرد بھی کنڈیاں پھینکنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ کام اس وقت سائنسی بنیادوں پر چل رہا ہے۔ ملک میں بلیک میلرز کے بے شمار گینگز کام کر رہے ہیں۔

یہ لوگ چار پانچ سو سمیں خریدتے ہیں۔ یہ سمیں پڑھے لکھے مردوں اور عورتوں میں تقسیم کر دی جاتی ہیں۔ یہ عورتیں اور مرد کنڈیاں ڈالتے ہیں۔ ان کنڈیوں میں مچھلیاں پھنس جائیں تو ان خواتین اور مردوں کو ملاقات کے لیے بلایا جاتا ہے۔ اس ملاقات کے دوران ''مچھلیوں'' کی تصویریں اور فلمیں بنالی جاتی ہیں اور اس کے بعد بلیک میلنگ کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس کے آخر میں تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

وہ بیچاری خاتون بلاوجہ اس مسئلے میں اُلجھ گئی۔ وہ خاوند سے ڈرتی تھی اور اس ڈر کے دوران یہ حادثہ پیش آگیا۔ اگر خاتون اپنے خاوند کو اعتماد میں لے لیتی یا پھر خاوند فون پر گفتگو کے بعد اس سے آرام سے پوچھ لیتا تو شاید اتنا بڑا حادثہ پیش نہ آتا، لیکن ہم لوگ بعض اوقات اپنے شک اور اپنے خوف کو اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ یہ آخر میں ہماری جان لے لیتا ہے۔

یہ واقعہ آپ کے ساتھ بھی پیش آسکتا ہے کیونکہ اب موبائل کے مضر اثرات ہمارے معاشرے میں دکھائی دینے لگے ہیں، لیکن آپ سے درخواست ہے اگر یہ واقعہ آپ کے

Marfat.com

ساتھ پیش آئے تو آپ دوسرے فریق کو اپنی صفائی کا موقع ضرور دیجیے۔ ہوسکتا آپ کے گھر کی خاتون واقعی بے گناہ ہو۔ وہ آپ کی مدد کی طلب گار ہو، مگر آپ محض شک کی وجہ سے اپنا گھر برباد کر بیٹھیں۔''

روزانہ نجانے کتنے منحوس لوگ ہیں جو دوسروں نے نمبروں پر غلط میسج اور فحش ویڈیو سینڈ کر کے ان کے گھروں میں آگ لگا رہے ہیں۔ خدارا! ایسے کاموں سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی روکیں۔ اپنے اپنے گھروں، دفتروں میں سخت چیک رکھیں۔ ٹی وی، کیبل، انٹرنیٹ اور موبائل پر فحاشی وعریانی اور بے حیائی پر مبنی پروگرام، ڈرامے، میسج اور ویڈیو کو نہ چلنے دیں۔ والدین اپنے بچوں خصوصاً نوجوان پر سخت اور کڑی نظر رکھیں۔

عورتیں اپنے اور خصوصاً اپنی بچیوں کے لباس اور تراش خراش کو اسلامی طریقے کے مطابق بنائیں۔ اپنی بیویوں اور اپنی نوجوان لڑکیوں کو پردہ کروائیں یا کم از کم پورا لباس پہننے پر مجبور کریں۔ پردے میں کس قدر راحت اور سکون ہے؟ بے پردگی سے پردے کی طرف آنے والی ایک خاتون کے ذاتی تاثرات ملاحظہ کیجیے: ''جب کعبہ اور قرآن پاک کو دیکھا کہ وہ غلاف میں لپٹا ہوا ہے تو میں سمجھ گئی کہ پردے کی حقیقت کیا ہے؟ تمام مقدس چیزوں کو پردے اور غلاف میں لپیٹ کر ہی رکھا جاتا ہے۔''

دوسری بات یہ ہے کہ اپنی نوجوان بچیوں کی جلد از جلد شادیاں کروائیں۔ اپنے اردگرد کے ماحول اور گھروں کو اسلامی بنانے کی کوشش کریں۔ اپنے گھروں میں دینی کتب کی تعلیم کریں۔ نامحرم لڑکوں کو اپنی بچیوں سے دور رکھیں۔ آزادانہ اور مخلوط محافل اور مجالس میں آنے جانے سے پرہیز کریں۔ اپنے بچوں خصوصاً بچیوں کو موبائل نہ دیں۔

اللہ والوں سے خصوصی تعلق رکھیں۔ گندے اور فحش اخبار اور رسائل کو گھروں میں نہ لائیں۔ اپنی اولاد کو دینی تعلیم اور دینی ماحول فراہم کریں۔ مغربی تہذیب وثقافت سے کوسوں دور رکھیں۔ اسی میں ہماری، آپ کی اور آنے والی نسلوں کی حفاظت، بقا اور سلامتی ہے۔

Marfat.com

باب 3

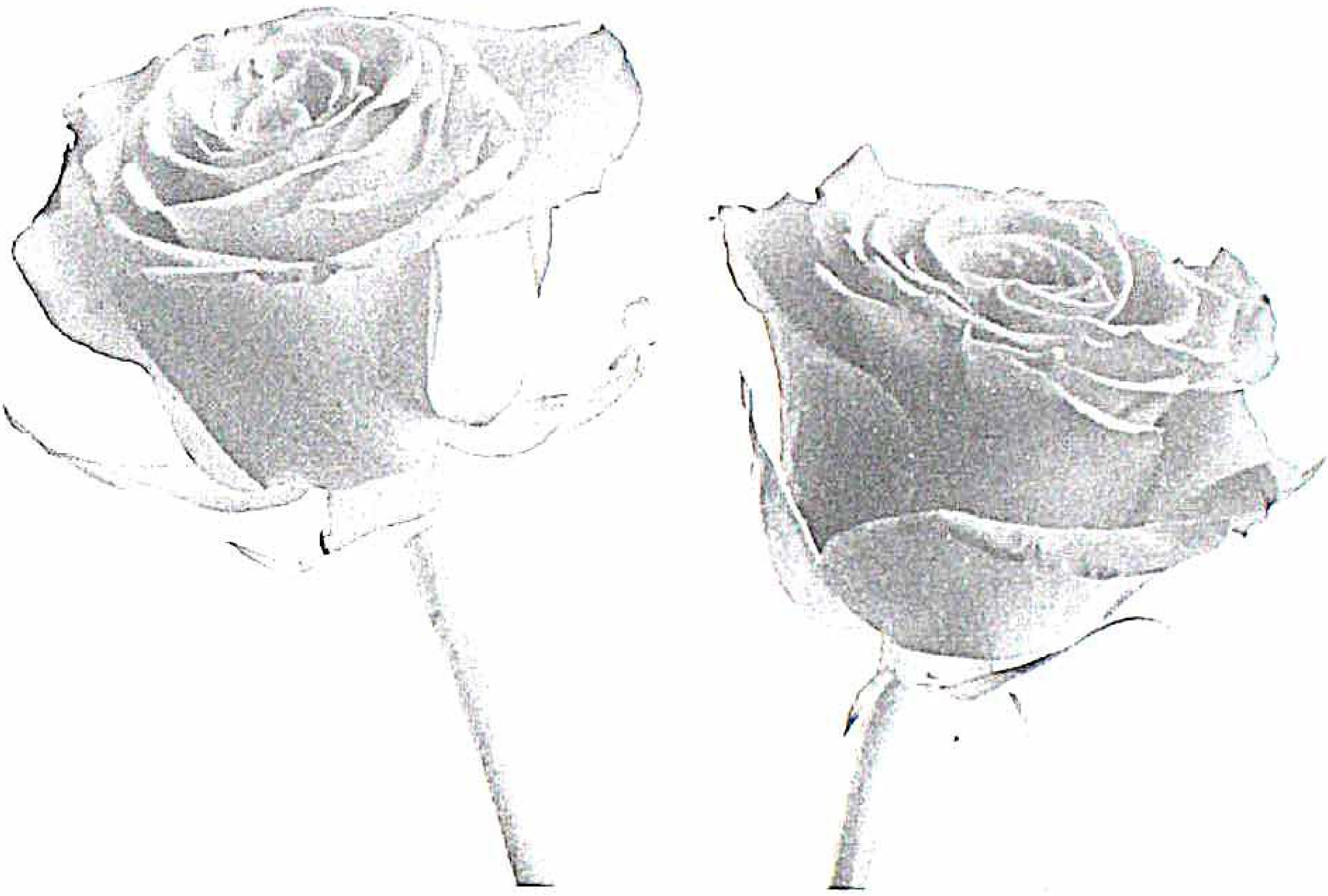

شادیاں ایسے کریں

Marfat.com

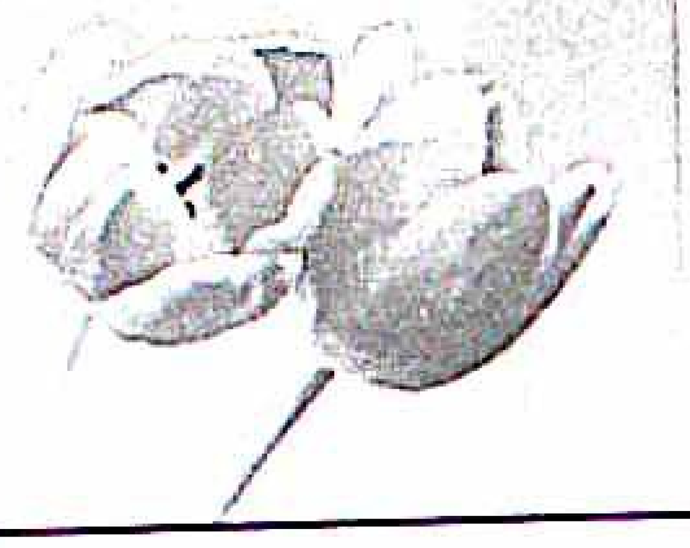

3 / 1

شادیاں یوں ہوتی ہیں/ شاندار تاریخ، روشن مثالیں

''شادیاں کیسے کریں؟'' آج کے زمانے میں یہ ایک اہم ترین موضوع ہے۔ نکاح کے بارے میں قرآن پاک کی سورۂ نور کی آیت نمبر 32 ہے: «وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ» ترجمہ: ''تم میں سے جن (مردوں یا عورتوں) کا اس وقت نکاح نہ ہو، اُن کا بھی نکاح کراؤ، اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے قابل ہوں، اُن کا بھی۔ اگر وہ تنگ دست ہوں تو اللہ اپنے فضل سے اُنہیں بے نیاز کردے گا۔ اور اللہ بہت وسعت والا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔''

مفسرین نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ جو بالغ مرد و عورت نکاح کے قابل ہوں، تمام متعلقین کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اُن کا نکاح ہو جائے، اور یہ اندیشہ نہ کرنا چاہیے کہ اگرچہ اس وقت تو وسعت موجود ہے، لیکن نکاح کے نتیجے میں بیوی بچوں کا خرچ زیادہ ہونے کی وجہ سے کہیں مفلسی نہ ہو جائے بلکہ جب اس وقت نکاح کی وسعت موجود ہے تو اللہ کے بھروسے پر نکاح کر لینا چاہیے۔

پاک دامنی کی نیت سے نکاح کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ آیندہ اِخراجات کا بھی مناسب انتظام فرمادے گا۔ البتہ اگلی آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جن کے پاس اس وقت بھی

Marfat.com

نکاح کی وسعت نہیں ہے۔ اُن کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان میں وسعت پیدا کرے، اُس وقت تک وہ پاک دامنی کے ساتھ رہیں۔

نکاح میں مسنون تقریبات دو ہیں۔ انہی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ ایک تو عقد نکاح کی تقریب جو جامع مسجد میں بعد جمعہ یا بعد عصر ہو تو افضل ہے۔ دوسرے ولیمہ کی تقریب جس میں حاضرین بھی محدود ہوں اور ماحضر بھی محدود ہو۔ ان دونوں تقریبات میں جتنا کم خرچ ہوگا، اتنا ہی زیادہ نئے جوڑے کی زندگی خیر و برکت کے ساتھ گزرے گی۔ جتنی زیادہ فضول خرچی ہوگی جو ان دو تقریبات کے علاوہ ہو ہی جاتی ہے، اتنا ہی غیبی برکتوں اور روحانی راحتوں سے محرومی کا سامان ہوگا۔

ہم نے اپنی زندگی میں سیکڑوں خاندان کی شادیوں میں شرکت کی۔ بیسیوں نکاحوں میں موجود رہے، لیکن شادی کی ایک تقریب کئی اعتبار سے انوکھی اور مثالی تھی۔ سادگی میں بھی حسن تھا۔ یہ شادی اور نکاح کا منظر خیر القرون کی یادیں تازہ کر رہا تھا۔ آج کل نمود و نمائش کی وباء اچھے خاصے دین داروں اور علماء میں بھی پھیلتی چلی جا رہی ہے۔

وہ تمام رسم و رواج اور خرافات ان کے بیٹوں بیٹیوں کی شادیوں میں بھی ہوتی ہیں جو متکبر مالداروں کے ہاں پائی جاتی ہیں۔ مہنگے ترین زرق برق لباس، پُر تکلف دعوت نامے، بے تحاشا اخراجات، چھ چھ دعوتیں، بڑے بڑے عالی شان شادی ہالوں میں نکاح اور ولیمے کی تقریبات، لاکھوں لاکھوں روپے کے مہر، جہیز کی لعنت، اسراف و تبذیر، بے پردگی و بے حیائی، منگنی کے نام پر فحاشی و عریانی کا سیلاب، سیکڑوں افراد پر مشتمل باراتیوں کا ٹولہ......

لڑکی پسند کرنے سے رخصتی تک اور رخصتی سے ولیمے تک کی بیسیوں خرافات ہیں جو مسلمان اپنائے ہوئے ہیں۔ ان کی تقریبات اور چال چلن دیکھ کر اپنے اور غیر سب ہی شرما جاتے ہیں۔ ''یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود'' والا معاملہ ہوتا ہے، مگر یہ شادی

Marfat.com

سادگی اور خیر القرون کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔ نہ دعوت نامے اور نہ ہی تقریبات کی تیاریاں، نہ خرچ اور نہ ہی اخراجات۔ دُلہے کو بھی معلوم نہ تھا کس دن اور وقت نکاح ہوگا؟

نہ دوستوں کا ٹولہ اور نہ ہی باراتیوں کا ریوڑ۔ دُلہے نے بتایا کہ اباجان نے مجھے اپنی شادی کی تیاری، اخراجات کے لیے کل چالیس ہزار دیے۔ ان میں سے بھی آٹھ ہزار بچ گئے ہیں۔ آج کل تو چالیس ہزار کا دُلہے کا صرف ایک جوڑا کپڑوں کا آتا ہے اور یہاں پر شادی کی تیاری اس سے کم میں ہوگئی۔ دُلہے مولانا محمد نے شادی کے وقت یہی کوئی چھ سو روپے کا سوٹ پہنا اور سر پر پگڑی باندھی۔ اللہ اللہ کیا سادگی کا منظر تھا۔

جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد امام صاحب نے مسنون خطبہ پڑھا۔ نکاح کے بعد سنت کے مطابق چھوارے تقسیم کیے اور بس! اگلے دن سادگی سے ولیمہ ہوگیا۔ نہ شامیانے لگے اور نہ ہی شادی ہال بک کروائے گئے۔ ادھر گھر میں بھی قریبی رشتہ دار مدعو تھے۔ خواتین کی تعداد دس سے زیادہ نہ تھی۔ دادی، تین بہنیں اور چار بھابھیاں۔

اس کے علاوہ کوئی بھی مدعو نہ تھا۔ ایک چھوٹے سے دسترخوان پر کھانا سب گھر والوں نے مل کر کھایا۔ دُلہن کو مبارک باد دی اور سب اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔ دو گھنٹوں کے اندر اندر پوری تقریب کو سمیٹ لیا گیا۔ جب میں نے اس مبارک شادی کی روداد سنی تو حیران رہ گیا اور انجانے میں خیر القرون اور اکابر علمائے دیوبند کی شادیوں کے واقعات یاد آنے لگے۔

جب آپ کو عقدِ نکاح یا ولیمہ کی دعوت دی جائے تو وہاں ضرور جائیں، کیونکہ اس میں حاضری سنت ہے جبکہ اس میں کوئی شرعی محرمات نہ ہوں۔ شریعت نے نکاح اور شادی کو عبادت اور اطاعت میں شمار کیا ہے۔ اسی لیے مستحب یہ ہے کہ نکاح مسجد میں ہو، جیسا کہ فقہائے کرام نے اس کی تصریح کی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح میں عورتوں کو دف بجانے کی اجازت دی ہے جس میں

Marfat.com

کسی کا اختلاف نہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مردوں کے لیے بھی اجازت ہے تاکہ شادی کی شہرت ہو اور اس کا اعلان ہوتا کہ اپنے اور غیر سب کو معلوم ہو کہ یہ شادی ہوئی ہے۔ اس اعلان اور تشہیر میں شریعت کے اونچے مقاصد ہیں۔

ایک تو یہ کہ پاکیزہ اور حلال نکاح اور حرام اور خبیث جوڑ میں فرق کرنا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے: ''آواز سے مراد نکاح کا اعلان ہے اور لوگوں میں اس کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح عورتوں اور مردوں کی اس موقع پر خاص آواز جیسے بعض عرب ملکوں میں ہوتا ہے۔ آپ کا عقدِ نکاح کی مجلس میں شریک ہونا اس مطلوب اعلان کو ثابت کرتا ہے اور نکاح پر گواہی میں قوت حاصل ہوتی ہے اور ایک مومن بھائی یا مومن بہن کے نیک عمل میں آپ شریک ہوتے ہیں، جس کے ذریعے ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنا نصف دین محفوظ کرلیا ہے، اب ان کو چاہیے کہ باقی نصف میں اللہ سے ڈرتے رہیں۔

اس شرکت سے دلہا اور دلہن دونوں کی تکریم بھی ہے کہ ان عزیز واقارب اور نیک دوست ان کی اس خوشی میں شریک ہیں۔ ان دونوں کے لیے صلاح، کامیابی، برکت اور توفیق کی دُعا مانگتے ہیں۔ اس کا تعلق مسلمانوں میں اسلامی اخوت کے حقوق میں سے ہے۔

جب آپ کو شادی میں بلایا جائے تو دعوت کے قبول کرنے میں آپ کی نیت یہ ہونی چاہیے آپ ایک مبارک دعوت میں شریک ہو رہے ہیں۔

ایک ایسی خوشی کی تقریب میں شرکت کر رہے ہیں جو شرعاً مطلوب ہے۔ اس میں شرکت کرنے کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ اس میں ان تمام آداب کا خیال رکھیں جن کی طرف پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے۔ آپ اس پاکیزہ تقریب کے لیے شریعت کے دائرے میں رہ کر زیب وزینت اختیار کرسکتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ جب ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے جاتے تو ظاہری زینت اختیار کر کے جاتے تھے۔

جب آپ کوئی بات شروع کریں اور کسی بات میں حصہ لیں تو اس محفل اور خوشی کی مناسبت

Marfat.com

سے کریں۔ ایسی بات نہ کریں جس سے حاضرین کو غم اور پریشانی ہو یا جس سے سامعین کی سمع خراشی ہو۔ مومن کو عقلمند اور ہوشیار ہونا چاہیے۔ مستحب یہ ہے جب آپ زوجین کو مبارک باد دیں تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے مبارک باد دیں: «بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، وَبَارَكَ لَكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا بِخَيْرٍ.» ''اللہ تجھے برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے اور تم دونوں کو خیر پر جمع فرمائے۔''

نیز یہ دعا بھی ہے: «بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمْ، وَبَارَكَ عَلَيْكُمْ.» ''اللہ آپ کو برکت دے اور آپ پر برکت نازل فرمائے۔'' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جب میری شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تو میری ماں آئیں اور مجھے ایک گھر میں پہنچادیا۔ وہاں انصار کی کچھ خواتین موجود تھیں، انہوں نے کہا: «عَلَى الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ، وَعَلٰى خَيْرِ طَائِرٍ.» ''خیر اور برکت ہو اور خوش بختی اور خوش نصیبی ہو۔''

شریعت نے عورتوں کو اجازت دی ہے۔ شادی میں ایسے گیت گائیں جو مباح ہیں اور اچھے اشعار اور اچھے اقوال کو دف کے ساتھ گائیں۔ جن اشعار میں محبت، جمال یا حسن کے مظاہر اور بے حیائی کا ذکر نہ ہو بلکہ ایسے پاکیزہ اور عمدہ اقوال ہوں جن میں اس بابرکت شادی پر خوشی کا اظہار ہو۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے ایک دلہن کو ایک انصاری کے گھر پہنچایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عائشہ! تم لوگوں کے ہاں مشغولیت کا کوئی سامان نہ تھا، کیونکہ مدینے والے انصار کو اس قسم کی چیز پسند ہے۔'' یہاں ''لہو'' سے مراد گیت اور دف بجانا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے، طبرانی نے ''الاوسط'' میں ام المومنینؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم نے اس دلہن کے ساتھ کسی بچی کو نہیں بھیجا جو گاتی اور دف بجاتی؟'' تو میں نے عرض کیا: ''وہ کیا گاتی؟''

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ یوں کہتی: أَتَيْنَا كُمْ أَتَيْنَاكُمْ، فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ۔ وَلَوْلَا الذَّهَبُ الْأَحْمَرُ، مَا حَلَّتْ بِوَادِيْكُمْ۔ وَلَوْلَا الْحِنْطَةُ السَّمْرَاءُ۔ مَا سَمُنَتْ عَذَارِيْكُمْ۔» ترجمہ: ''ہم تمہارے پاس آئے۔ ہم تمہارے پاس آئے۔ ہم بھی زندہ رہیں اور تم بھی زندہ رہو۔ اگر یہ سرخ سونا نہ ہوتا تو دلہن تمہاری وادی میں نہ آتی اور اگر سرخ گندم نہ ہوتی تو تمہاری دوشیزائیں موٹی نہ ہوتیں۔'' اس طرح کے پاکیزہ اشعار جن کو عورتیں پڑھ سکتی ہیں، مگر عشق بازی، محبت اور بے حیائی کے اشعار اور گانے حرام اور منع ہیں۔

ہماری روشن تاریخ میں اس طرح کی اتنی شاندار مثالیں ہیں کہ الگ سے کتاب بن جائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ مہاجر صحابہ میں سے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا دور کا رشتہ بھی ہے۔ عشرہ مبشرہ میں ہیں، لیکن اپنے نکاح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں بلایا، بلکہ نکاح کے بعد آپ کے پوچھنے پر بتایا میں نے نکاح کرلیا ہے۔ پھر یہ بھی سوچیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شکایتاً یہ نہیں کہا تم نے اکیلے اکیلے نکاح کرلیا ہمیں بلایا بھی نہیں، بلکہ برکت کی دُعا دی: «بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَعَلَيْكَ» البتہ یہ فرمایا ولیمہ کرلینا، چاہے اس کے لیے ایک بکری ہی ذبح کرنی پڑے۔''

اب دیکھیے نکاح کی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک کو دعوت دینے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ وہ صحابہ کرامؓ جو ایک ایک عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پوچھ کر کرتے ہیں۔ اتنی سادگی کے ساتھ نکاح فرمالیا۔ آج اگر کوئی شخص اس طرح کا نکاح کرلے کہ اپنے خاص لوگوں کو بھی نہ بلائے تو پھر دیکھیے گا اس سے لوگوں کو کتنی شکایتیں ہوں گی۔ کتنے شکوے اور کتنے گلے ہوں گے۔ کہیں گے یہ صاحب تو اکیلے اکیلے نکاح کر کے بیٹھ گئے، ہمیں پوچھا تک نہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شکایت نہیں کی۔

اسی طرح کا دوسرا واقعہ ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے ''غزوہ بنی مصطلق'' میں

Marfat.com

جانے سے پہلے مدینہ منورہ میں نکاح کیا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ منورہ میں ہی تھے، لیکن حضرت جابرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا نہیں، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا تو آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ کو خیر و برکت اور اُلفت و محبت کی دُعا دی۔ صحیح بخاری شریف کی روایت ہے۔ آپ نے فرمایا: ''بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَعَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا بِخَيْرٍ'' ''اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اور اُلفت و محبت کے ساتھ تم دونوں کو جمع کرے۔''

آپ اندازا لگائیں حضرت جابرؓ نے غزوہ میں جانے سے پہلے منورہ میں نکاح کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ہی تشریف فرما ہیں۔ اس کے بعد غزوہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ پھر جب اس غزوہ سے واپس ہوئے تو آپ کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا میں نے ایک عورت سے نکاح کرلیا ہے۔ انہوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلس نکاح میں بلائیں نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت کی تم نے چپکے چپکے نکاح کرلیا، مجھے کیوں نہیں بلایا؟

یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین وغیرہ کا مبارک دور تھا۔ زمانہ قریب کے کئی اکابر اور بزرگوں نے بھی اس روایت کو برقرار رکھا۔ انہوں نے انتہائی سادگی سے شادی کی۔ کسی بھی قسم کی رسم اور بدعت کو قریب نہ پھٹکنے دیا۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے لے کر مولانا انور شاہ کشمیریؒ تک اور عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفیؒ سے لے کر فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ تک ایک دو نہیں سیکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

قارئین وقاریات مزید معلومات کے لیے مولانا اشرف علی تھانویؒ کا رسالہ ''اسلامی شادی''، مفتی رشید احمدؒ کا رسالہ ''نفس کے بندے'' اور ''شادی مبارک'' اور مفتی عبدالرؤف سکھروی کا رسالہ ''شادی بیاہ کے احکام'' پڑھیں اور غور وفکر کریں۔ اور پھر اس اچھے طریقے پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

سب سے زیادہ حیرت اور افسوس اس بات پر ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں میں عموماً اور دین دار اور علماء میں خصوصاً عبادات کے بجائے رسم ورواج اور نمود ونمائش کی طرف بڑھتا ہوا رجحان خطرناک حد تک پہنچ چکا ہے۔ نماز، روزہ جیسی اہم ترین عبادات میں غفلت کے باوجود جن پیشانی پر بل تک نہیں آتا، وہ بے ہودہ رسم ورواج کی پیروی کا اس قدر اہتمام کرتے ہیں کہ کئی کئی دن اور رات جاگنا ان کے لیے معمولی بات ہوتی ہے۔

دراصل حالات کے دھارے یکسر بدل چکے ہیں۔ سوچ کے زاویوں میں تبدیلی آئی ہے۔ رہن سہن اور اندازِ معاشرت مغربی ہوتے جارہے ہیں۔ ان سب کے نتیجے میں آج یہ امتیاز بھی باقی نہیں رہا کہ کون سا کام شریعت اور سنت کے مطابق ہے اور کون کون سے کام خلافِ شرع ہیں؟ دین دار گھروں میں بھی اب شرعی پردوں کا اہتمام نہ رہا۔

نکاح کے موقع پر حضرت مفتی صاحب نے اس موضوع پر جامع بیان فرمایا کہ علمائے کرام، طلبہ اور دین دار طبقے کو چاہیے وہ اپنے اپنے گھروں میں شرعی پردے کا خوب خوب اہتمام کریں۔ ان رشتہ داروں کی فہرست سن لیجیے جن سے پردہ فرض ہے، مگر دینداری کے بلند بانگ دعوے کرنے والے لوگ بھی اس کبیرہ گناہ کے مرتکب ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس بارے میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی علانیہ بغاوت کررہے ہیں۔

(1) چچازاد (2) پھوپھی زاد (3) ماموں زاد (4) خالہ زاد (5) دیور (6) جیٹھ (7) بہنوئی (8) نندوئی (9) پھوپھا (10) خالو (11) شوہر کا چچا (12) شوہر کا ماموں (13) شوہر کا پھوپھا (14) شوہر کا خالو (15) شوہر کا بھتیجا (16) شوہر کا بھانجا۔ حاصل یہ ہے کہ ہر اس شخص سے پردہ لازمی ہے، جس سے شادی ہوسکتی ہو۔ لہٰذا علمائے کرام اور دیندار حضرات اپنے گھروں میں شرعی پردے کا خصوصی اہتمام کروائیں۔ اپنے گھروں اور خاندان کو مثالی بنائیں تاکہ دوسرے بھی پیروی کریں۔

Marfat.com

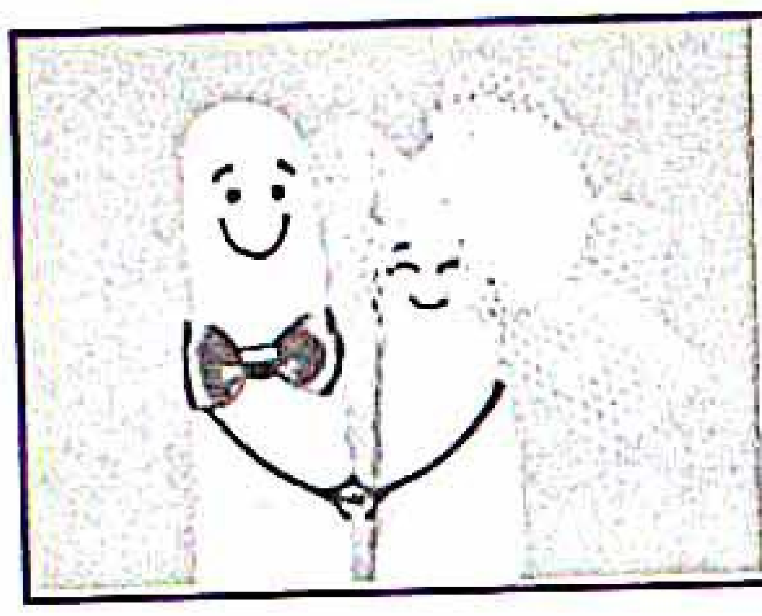

3 / 2

کچھ تلخ حقائق / لو میرج یا لو افٹر میرج؟

بچیوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت پر خصوصی توجہ دیں۔ آج کل یہ ہو رہا ہے بچیوں کو زیادہ سے زیادہ پڑھانے کی طرف ساری توجہ دی جا رہی ہے۔ پہلے میٹرک، اس کے بعد عالمات کا کورس۔ آپ خود سوچیں! اگر ایک بچی 5 سال کی عمر میں اسکول جاتی ہے۔ 15 سال میں میٹرک کرے گی۔ 6 سال میں عالمات کا کورس کرے گی یا پھر ایم اے کرے گی تو اس کی عمر کم از کم 25 سال ہو چکی ہوگی۔

اب آپ بتائیں جب یہ بچی پیا گھر جائے گی تو وہاں جا کر شوہر کی خدمت، کھانا پکانا، مہمانوں کی تواضع، ساس سسر سے ڈیلنگ، سلائی کڑھائی، صفائی ستھرائی...... پورے گھر کی ذمہ داری کس طرح نبھائے گی؟ پہلے زمانے میں تعلیم سے زیادہ بچوں اور بچیوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔

بچیوں کو خصوصی طور پر گھریلو معاملات سکھائے جاتے تھے۔ دادیاں اور نانیاں اپنی پوتیوں اور نواسیوں کی تربیت پر خصوصی نگاہ رکھتی تھی۔ جب یہ بچیاں بیاہ کر جاتیں تو گھر جنت بن جاتے تھے۔ دینی و دنیاوی اعتبار سے مثالی گھرانے ہوتے تھے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ صبر و تحمل سے بھی کام لیتے ہیں۔

دونوں ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ مال و دولت، حرص و ہوس نہ ہونے کے برابر تھا۔ غربت کو کبھی بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں آڑ نہ سمجھا جاتا تھا۔ صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے غمگسار اور ساتھی ہوتے تھے، لیکن آج سب کچھ ہونے کے باوجود

Marfat.com

ناشکری ہے۔لڑائی جھگڑے ہیں۔نفرت ہے۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کی دھجیاں اُڑائی جاتی ہیں۔ایک دوسرے پر لعن طعن کی جاتی ہے۔

ہمارے ایک دوست بتا رہے تھے میں عرصہ دس سال سے جب سے شادی ہوئی ہے، اپنی بیوی کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی نہیں کھا سکا۔روٹی ہمیشہ ہوٹل اور تندور سے آتی ہے۔ بیگم کو آٹا گوندھنا آتا ہی نہیں ہے۔جس بچی کو والدین نے کبھی استری کرنا، کپڑے دھونا، آلو تلنا، کوفتے بنانا، آملیٹ بنانا نہ سکھایا ہو وہ پیا گھر جا کر کس طرح گزارا کرے گی؟ کس طرح اپنے شوہر کے مزاج کے مطابق خدمت کرے گی؟ کس طرح ساس، سسر، نندوں اور بھابھیوں کے ساتھ گزارا کرے گی؟ کس طرح حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھے گی؟

چونکہ گھر کا سارا ماحول عورت کے گرد ہی گھومتا ہے، لہٰذا اس کا بہترین طریقہ یہ ہے خواتین کو دورانِ تعلیم ہی ایک دو سال اس کام کے لیے مختص کر دیے جائیں۔کم از کم دینی مدارس بنات میں ایک سال اس کے لیے لازمی مختص کرنا چاہیے۔

◆ ◆ ◆

بالغ ہونے کے بعد بچیوں کی شادی جلد کرنی چاہیے اور سادگی سے کرنی چاہیے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”سب سے برکت والا نکاح وہ ہے جس میں مشقت کم سے کم ہو۔“ افسوس کی بات یہ ہے شریعت نے نکاح اور شادی کو جتنا آسان بنایا تھا، ہم نے اس کو اتنا ہی زیادہ مشکل بنا دیا ہے۔

آج شادی کرنا ایک عذاب بن چکا ہے۔غریب والدین اپنی لختِ جگروں کے ہاتھ پیلے کرنا چاہتے ہیں۔اپنی ذمہ داریوں سے جلد از جلد عہدہ برآ ہونا چاہتے ہیں، لیکن سماج اور معاشرے کی بے ہودہ اور ہندوانہ رسم ورواج کی وجہ سے وہ نہیں کر پا رہے۔دیکھیں! آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر اور پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کی شادی کس طرح سادگی سے کی تھی؟ حضرت فاطمہؓ کی شادی کے واقعے میں ہم مسلمانوں کے لیے

Marfat.com

بڑی ہدایات اور تعلیمات ہیں۔ یہ طریقہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

سب سے پہلی بات جو اس نکاح سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب لڑکے اور لڑکیاں بالغ ہو جائیں۔ نکاح کے قابل ہو جائیں اور مناسب رشتہ مل جائے تو بغیر کسی عذر کے ان کے نکاح میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ جلد ہی نکاح کر دینا چاہیے۔ بلا وجہ یا بلا عذر لڑکے یا لڑکی کو بغیر نکاح کے رکھنا مناسب نہیں، البتہ اگر کوئی معتبر عذر ہو تو الگ بات ہے۔

کئی حدیثوں میں اس کی تاکید و ترغیب ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جب ان کا وقت آجائے تو ان میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ ان میں سے ایک نکاح بھی ہے۔ پھر جب مناسب رشتہ مل جائے تو تاخیر نہ کرو۔ اگر تاخیر کرو گے تو فساد پھیل جائے گا۔ معاشرے میں تباہی اور بربادی رونما ہوگی اور اس کے اندر جو دینی اور دنیاوی نقصانات ہیں، وہ ہر عاقل و بالغ شخص کے اوپر واضح اور روشن ہیں۔

لڑکیوں کی شادیوں کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو آپ کو ہر دوسرے گھر میں بن بیاہی لڑکیاں ملیں گی جن میں سے بہترین رشتے کے انتظار میں بعض کے بالوں میں چاندی چمکنے لگی اور بعض کی عمر خواب دیکھتے گزر گئی۔ ایک رپورٹ کے مطابق 40 لاکھ لڑکیوں کے بالوں میں چاندی آ گئی ہے۔ ایک کروڑ پاکستانی لڑکیاں شادی کی منتظر ہیں۔ ہر چوتھے گھر میں دو سے چار لڑکیاں شادی کے قابل ہیں، مگر ہندوانہ رسم و رواج اور فضول مطالبات کی بنا پر ان کے غریب والدین ان کی شادیاں نہیں کر سکتے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ بے شمار لڑکے بھی اس مسئلے سے دوچار ہیں، لیکن لوگوں کی ہمدردیاں صرف اور صرف لڑکی والوں کے ساتھ ہیں۔ لوگوں کی اکثریت آنکھ بند کر کے صرف اور صرف لڑکے کے والدین کو نشانہ بناتی ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اور ان تلخ حقائق کا تعلق سول سوسائٹی کے مہذب گھرانوں سے ہے جبکہ جہاں تعلیم نہیں ہے یا پس ماندہ علاقے ہیں وہاں واقعی جہیز کا مطالبہ بھی کیا جاتا ہے۔ بعض دیہات ایسے بھی ہیں

Marfat.com

جہاں بہو کا جہیز بیٹی کو دے دیا جاتا ہے۔ اسی لیے گاؤں، گوٹھوں اور قبائلی علاقوں میں ادلے بدلے کی شادیاں ہوتی ہیں جسے یہاں وٹہ سٹہ بھی کہا جاتا ہے۔

قبائلی روایات کے پروردہ علاقوں میں بہو کے جہیز پہ سسرال والوں کا حق سمجھا جاتا ہے۔ ویسے یہ کوئی معیوب بات نہیں۔ جب آنے والی نئے گھر کا حصہ بنتی ہے تو دونوں ایک دوسرے کی اشیاء استعمال کرتے ہیں، لیکن شہری علاقوں میں تعلیم یافتہ خاندان اول تو جہیز کی ڈیمانڈ کو معیوب سمجھتے ہیں۔ دوسرے بہو کے سامان کو استعمال بھی نہیں کرتے۔

ماں باپ جو کچھ دیتے ہیں وہ اپنی بیٹی کو دیتے ہیں اور وہی اسے استعمال بھی کرتی ہے، بلکہ میں نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ جہیز کا سامان برسوں کھلتا ہی نہیں یا پھر آہستہ آہستہ دوسری بہنوں کے جہیز کے لیے خاموشی سے واپس میکے پہنچا دیا جاتا ہے۔ یا پھر اسے آثارِ قدیمہ میں شمار کرنے کے لیے ہمیشہ ڈبوں یا الماری میں بند رکھا جاتا ہے۔

◆ ◆ ◆

''لو میرج نے ہمارے معاشرے کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ ہم نہ مشرقی روایات کی پاسداری کر رہے ہیں اور نہ ہی مغربی معاشرے کی تقلید۔ معاشرہ کھچڑی بن چکا ہے۔ گھر سے بھاگ کر شادی کا انجام لڑائی، مارکٹائی اور پھر طلاق ہوتا ہے۔'' یہ وہ آبزرویشن ہے جو لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس محمد فرخ عرفان خان نے دی۔ انہوں نے وہ حقائق بیان کیے ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر اس حوالے سے سروے کیا جائے تو پتا چلے گا جو شادیاں بزرگوں کی مرضی سے ہوتی ہیں، ان کے نتائج جو لو میرج کے حوالے سے جسٹس صاحب نے بیان کیے ہیں ان میں کوئی نسبت و تناسب ہی نہیں۔ انہوں نے مشرقی روایات کی جو بات کی ہے اس کی جگہ وہ اسلامی تعلیمات کی اصطلاح استعمال کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا، کیونکہ اگر بزرگوں کی مرضی سے ہونے والی شادیوں کے حوالے سے جو اس قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں اور

Marfat.com

جن کی تعداد بد قسمتی سے دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ وہ اس لیے ہے کہ مشرقی روایات میں ہندوانہ معاشرے کے اثرات ہمارے ہاں در آئے ہیں۔

دراصل دونوں قسم کی شادیوں میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ نکاح کے حوالے سے ہماری ناواقفیت کا نتیجہ ہیں۔ آیئے! ذرا اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ نکاح کے حوالے سے جو ہمیں پہلی تعلیم ملتی ہے وہ یہ ہے کہ بچوں کے بالغ ہوجانے کی صورت میں ان کی فوری شادی کی فکر کرنا ہے۔ اس تاکید کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جاتا ہے اگر نکاح میں تاخیر کی بناء پر خدانخواستہ اولاد بے راہ روی کا شکار ہوتی ہے تو اس کا ذمہ دار والدین کو ٹھہرایا گیا ہے۔ دین کے اس حکم پر بالعموم عمل کیا جاتا ہے، لیکن اس کا کیا کیجیے ہمارا خاندانی نظام جو اللہ کے فضل سے اب تک بچا ہوا ہے اس میں دراڑیں ڈالنے کے لیے مغرب کوشاں ہے اور کسی حد تک اس میں کامیاب ہوتا نظر آ رہا ہے۔

پسند کی شادی اس دینی تعلیم سے انحراف کا نتیجہ ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ سلم کے ارشاد کے مطابق ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں محدثین نے فرمایا ہے حدیث کا مقصد و مدعا بظاہر یہ ہے کہ نکاح ولی ہی کے ذریعے ہونا چاہیے۔ عورت کے لیے ٹھیک نہیں کہ وہ خود اپنا نکاح کرے۔ یہ اس کے شرف اور مقامِ حیا کے بھی خلاف ہے اور اس سے خرابیاں پیدا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے۔

نکاح کو آسان بنانے کے ضمن میں صرف مندرجہ ذیل باتوں کی ہمارے دین نے تعلیم دی ہے: (1) مہر: سورۂ نساء آیت میں فرمایا گیا: ''اپنی بیویوں کے مہر خوشدلی سے ادا کیا کرو۔'' مہر کی ادائیگی کے بارے میں تاکید کا اندازہ حضورؐ کے اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے جس کے مطابق جس شخص نے کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں اس حق مہر کی ادائیگی کا ارادہ نہیں ہے تو قیامت میں اللہ کے حضور زناکار کی حیثیت سے پیش ہوگا۔ (طبرانی)

اس حدیث سے یہ واضح ہے مہر کی کوئی مخصوص رقم مقرر نہیں کی گئی ہے۔ (2) نکاح: جو

Marfat.com

گواہان کی موجودگی میں منعقد ہو۔اس میں بھی آسانی کے لیے مسجد میں نکاح کی ترغیب دی گئی ہے۔ (3) دعوت ولیمہ: آیئے دیکھیں کہ حضورؐ نے دعوت ولیمہ میں کیا کیا پیش کیا؟ حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہؐ نے اپنی کسی بیوی کے نکاح پر ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا کہ حضرت زینت بنت جحشؓ کے نکاح کے موقع پر کیا۔ پوری ایک بکری کا ولیمہ کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اور سب بیویوں سے نکاح پر آپؐ نے جو ولیمہ کی دعوت کی تھی وہ اس سے مختصر اور ہلکے پیمانے پر کی تھی، چنانچہ صحیح بخاری میں صفیہ بنت شیبہؓ سے روایت ہے آپؐ نے بعض بیویوں کے نکاح پر جو ولیمہ کی دعوت کی تو صرف دو سیر جو کام آئے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہؐ نے جب حضرت صفیہؓ کو نکاح میں لیا۔ دعوت ولیمہ کے موقع پر دستر خوان پر گوشت روٹی کچھ نہیں تھا۔ کچھ کھجوریں تھیں اور کچھ پنیر اور مکھن تھا۔

ولیمہ کے لیے باقاعدہ کھانے کی دعوت بھی ضروری نہیں۔ کھانے پینے کی جو بھی مناسب اور مرغوب چیز میسر ہو، رکھ دی جائے، لیکن ہم نے جہیز کی طرح ولیمہ کو بھی ایک مصیبت بنا لیا ہے، جبکہ جہیز کا اسلامی تعلیمات میں کوئی تذکرہ ہی نہیں۔ حضرت فاطمہؓ کے نکاح پر جو سامان حضورؐ نے انہیں فراہم کیا تھا وہ حضرت علیؓ کے وکیل کے طور پر اور انہی کی فراہم کردہ رقم کے ذریعے خرید کیے گئے تھے جو ان کی زرہ کے فروخت کے عوض ملی تھی۔

اگر اسے جہیز کا نام دیا جائے تو سوال یہ ہے حضورؐ کی دوسری صاحبزادیوں کے نکاح کے مواقع پر کوئی جہیز کی روایت کیوں دستیاب نہیں؟ اسی طرح ہم نے بارات کی رسم ایجاد کر لی اور اس موقع پر لڑکی والوں کی جانب سے کھانے کی دعوت کو لازم کر لیا۔ اس کے علاوہ ہم نے شادی کے موقع پر رسومات کا ایک طوفان ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لڑکیوں کی شادی ایک بڑا مسئلہ بن کر رہ گئی ہے۔

ہمارے دین نے کسبِ معاش کی ذمہ داری مرد پر رکھی تھی۔ اب یہ ذمہ داری بھی لوگوں نے بڑی ہوشیاری بلکہ عیاری سے خواتین کو منتقل کر دی ہے۔ وجہ حبِ دنیا کے علاوہ اور کچھ

Marfat.com

نہیں۔ دنیوی ترقی اور معیار زندگی کو بلند کرنے کی خاطر جب خواتین کو گھر سے باہر نکالا گیا تو جو اس کی اصل ذمہ داری تھی وہ پس منظر میں چلی گئی۔ اس کے جو بُرے اثرات پیدا ہوئے اس پر تو کوئی گفتگو کرنے کے لیے تیار نہیں کیونکہ دنیوی زندگی کی چکا چوند نے ان کی بینائی اس لائق رہنے ہی نہیں دی جو وہ اس جانب نظر ڈالیں۔

اگر آپ دنیوی ترقی میں پیچھے نہیں رہنا چاہتے تو کم از کم خواتین کے لیے باہر ایسے مواقع پیدا کریں کہ وہ شرعی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے کسبِ معاش کرسکیں۔ دفاتر میں انہیں مخصوص ماحول فراہم کریں کہ انہیں اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے مردوں سے رابطہ کی ضرورت نہ رہے۔ اور ان کی ہوس ناکیوں اور غلیظ نگاہوں سے محفوظ ہوسکیں

عورتوں اور مردوں کی مخلوط معاشرت کی ہمارے دین میں اس طرح کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے برعکس ہم نے اپنے دفاتر میں، تعلیم گاہوں میں حتیٰ کہ سماجی تقریبات میں عورتوں اور مردوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ ایسے میں ان کے لیے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ ستر و حجاب کی پابندی کرسکیں۔ ایک طرف لڑکیوں کی شادی کی مشکلات اور دوسری جانب عورتوں اور مردوں کے اختلاط کے نتائج ہی تو ہیں جو لڑکیوں کو گھر سے بھاگ کر پسند کی شادی پر اکساتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک طرف وہ اپنے گھر والوں سے کٹ جاتی ہیں تو دوسری طرف اس کے سسرال والے اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ نوبت لڑائی، مار کٹائی اور طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔

اس صورتِ حال سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ دین کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے بچوں کی بروقت شادیوں کا اہتمام کریں۔ موجودہ معاشرے میں ایسا ہونا امر محال نظر آتا ہے، تاہم عزیمت کی راہ اختیار کی جائے تو یہ ناممکن بھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا آپ برادری سے کٹ جائیں گے۔ دین سے جڑے رہنے کی قیمت برادری کے بائیکاٹ کی صورت میں بہت ہی کم ہے جو ہمیں ادا کرنی پڑے گی۔

Marfat.com

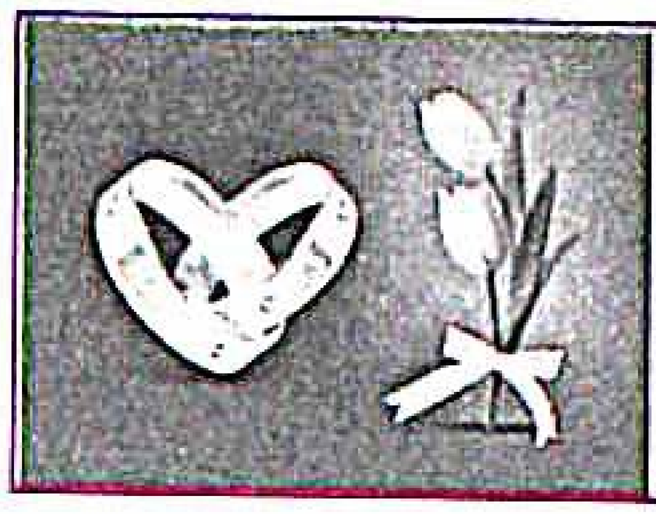

3 / 3

اُن کا لباس اور تمہارا لباس / میں تیرا اور تُو میری

قرآن کی سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 187 میں ہے: «هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ.» ترجمہ: ''تمہاری بیویاں تمہارا لباس اور تم ان کا لباس ہو۔'' بیوی کو خاوند کا اور خاوند کو بیوی کا لباس قرار دیا ہے۔ اس اسلوب سے ہمیں جو باتیں سمجھ میں آسکتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

سب سے پہلی بات یہ کہ خاوند بیوی کی اور بیوی خاوند کی ضرورت ہے، چنانچہ ضرورت میں ایک جیسے ہونا ایک وجہ ہے تشبیہ کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ضرورت ایسی ضرورت ہے جیسے لباس۔ تیسری بات یہ ہے اس ضرورت واہمیت میں دونوں برابر ہیں۔

ایسے نہیں کہ خاوند کی اہمیت زیادہ ہو یا بیوی کی، دونوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر اور اہم ہیں، اس لیے ایک دوسرے پر احسان جتلانا اور اپنی اہمیت زیادہ باور کرانا خلافِ شرع و عقل ہے۔ ان دونوں پر ایک بڑے کام یعنی انسانی نسل کی بقا کا فریضہ ڈالا گیا ہے، ساری دنیا مردوں یا صرف عورتوں سے بھر جائے تو ایک بچہ پیدا نہیں ہوسکتا۔

ایک بات یہ سمجھ آتی ہے لباس انسان اپنی پسند کا پہنتا ہے، یہ نہیں کہ پسند کوئی اور کرے اور پہنے کوئی اور۔ چاہے پہننے والے کو پسند آئے یا نہ آئے، اس لیے کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ خاوند بیوی کو پسند کرے اور بیوی خاوند کو۔ شادی کے معاملے میں شادی

Marfat.com

سے پہلے جانبین کی مرضی ضرور معلوم کی جائے، بزرگ صرف اپنی بزرگی کو مسلط نہ کریں۔

اس سے پانچویں بات یہ بھی معلوم ہوئی لباس وہی بہتر، خوش نما، کمیونٹی میں چلنے والا اور آرام دہ ہوتا ہے جس کے لیے کپڑے کا انتخاب آدمی سوچ سمجھ کر کرے۔ اپنے ناپ کے مطابق سلوائے نہ کہ ریڈی میڈ خریدے۔ کوئی بھی ریڈی میڈ کپڑا سو فیصد اپنے ناپ کے مطابق نہیں ہوسکتا۔ نہ اس کے بارے میں یہ یقین ہوتا ہے پہلی ہی دھلائی میں اس کا رنگ نہیں اُترے گا اور بخیے نہیں اُدھڑیں گے۔

اسی طرح شادی بھی سوچ بچار اور طے شدہ ترتیبات سے ہو، یعنی ارینجڈ میرج ہو۔ یہ راہ چلتی میرج اگرچہ ریڈی میڈ کپڑے کی طرح دکان پر بہت دیدہ زیب لگتی ہے، مگر اکثر اوقات پہلی ہی دھلائی میں یعنی شبِ عروسی میں جدائی کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

چھٹی بات یہ معلوم ہوئی کہ کپڑے سلوانے میں اگر آدمی کپڑے کی پہچان رکھنے والے تجربہ کار آدمیوں سے مشورہ نہ کرے، اسی طرح سلوانے میں کسی ماہر درزی کے بارے میں مشورہ نہ کرے تو اس بات کا امکان رہتا ہے کہ ایسا کپڑا خرید لے جس پر میڈ اِن جاپان لکھا ہو۔ بعد میں پتہ چلے کہ وہ تو میڈ اِن گوجرانوالہ تھا۔

معاملہ تو جب کھلا جب بیوٹی پارلر کی طرف سے کی گئی لیپا پوتی کا رنگ اُترا۔ دو گز لمبی زبان منہ سے باہر نکلی، اس لیے جانبین اپنی پسند و ناپسند کو بھی دیکھیں، لیکن بزرگوں کے مشوروں اور مرضی کو نظرانداز کرنا بھی درست نہیں...... ورگرنہ عمر بھر رونا پڑے گا۔

لباس والی تشبیہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ لباس بذاتِ خود کتنا اچھا اور قیمتی ہو، مگر کمیونٹی میں اگر چلنے والا نہیں ہے تو صاحبِ لباس کو راحت و آرام پہنچانے کی بجائے اس کو تکلیف و اذیت اور شرمساری سے دوچار کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ پاکستان میں کپڑے سے بہت اچھا اور قیمتی سوٹ سلوا کر لاطینی امریکا کے کسی دور افتادہ گاؤں میں جائیں تو جتنا وہ سوٹ یہاں اچھا لگے گا اتنا ہی وہاں بُرا لگے گا۔ جہاں جہاں

Marfat.com

سے گزریں گے، لوگ گھور گھور کر دیکھیں گے۔ مضحکہ خیز قسم کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔

اس طرح وہ قیمتی سوٹ آپ کے وقار اور آرام کا ذریعہ بننے کی بجائے بے عزتی اور بے آرامی کا سبب بن جائے گا، اسی لیے شریعت نے شادی میں ''کفو'' ہونے یعنی ہمسر و مثل ہونے کی ترغیب دی ہے۔ اگر کوئی سید زادہ کسی خاکروب کی لڑکی سے شادی کرے تو یہ شادی شرعاً ناجائز تو نہیں ہوگی، لیکن اس سے کئی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

''عشق نہ پچھے ذات'' والا نعرہ عاشقوں کی بڑ ہو سکتی ہے۔ خاندان کی بنیاد رکھنے کے لیے کوئی مضبوط اصل تو کیا سرے سے اصل ہی نہیں ہو سکتی۔ ''عشق نہ پچھے ذات'' والے فلسفے کی بنیاد پر کی ہوئی شادیاں کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتیں۔ اگر ظاہری طور پر قانونی نباہ ہوتا ہوا بھی نظر آئے تو خیر و برکت اور چین و آرام کا ذریعہ کبھی نہیں ہوتیں۔

آٹھویں بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ میاں بیوی کا تعلق انتہائی قرب کا تعلق ہے۔ جیسے کہ لباس جسم کے اتنے قریب ہوتا ہے کہ کسی آدمی کے لباس اور اس کے درمیان کوئی اور چیز حائل نہیں ہوتی۔ میاں بیوی میں اگر یہ قربت و ہم آہنگی نہیں تو رشتۂ ازدواج اتنا ناقص ہے کہ اس پر رشتۂ ازدواج کا اطلاق ہی صحیح نہیں۔ وہ مرد و عورت جن کے درمیان کوئی اور چیز حائل ہو، میاں بیوی کہلانے کے مستحق نہیں۔ جیسا لباس اگر جسم سے فاصلے پر ہو تو اسے آپ سائبان، پردہ، چھتری جو کچھ بھی کہیں کہہ سکتے ہیں، مگر وہ لباس کہلانے کا مستحق نہیں، اس لیے جن میاں بیوی میں دوری ہو وہ صحیح معنوں میں میاں بیوی کہلانے کے مستحق نہیں، اگرچہ وہ شرعی و قانونی طور پر رشتۂ ازدواج میں بندھے ہوئے ہوں۔

یہ قرب دو طرح کا ہے۔ ایک قرب جسمانی ہے اور دوسرا ذہنی و فکری قرب ہے۔ یہ دونوں قرابتیں اپنی اپنی جگہ اہم ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک نہ ہو تو نہ صرف یہ کہ رشتۂ ازدواج کی لذت سے جانبین محروم رہتے ہیں، بلکہ یہ دوری زندگی میں زہر گھولنے کا ذریعہ

Marfat.com

بن جاتی ہے۔ پھر ان دونوں میں ذہنی وفکری قرب بلکہ اتصال اتنا ضروری ہے کہ دونوں میں یکجان ہونے کا گماں گزرے۔ شاعر کا یہ قول ان پر صادق آئے ؎

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگرے

''انتہائی قرب ووصال کی وجہ سے یہ صورتحال پیدا ہوگئی ہے کہ میں، تو ہوگیا یا ہوگئی، اور تو، میں ہوگیا یا ہوگئی۔ ایسا قرب وہم آہنگی اس لیے ہے کہ کسی کو یہ کہنے کی جسارت نہ ہوسکے کہ میں کوئی اور چیز ہوں اور تو کوئی اور چیز ہے۔''

اگر دین ودنیا کے بارے میں میاں بیوی کی فکروں میں مکمل ہم آہنگی ہو تو بُعد جسمانی کسی حد تک برداشت کیا جاسکتا ہے۔ وقتی طور پر بیوی پاکستان میں اور میاں کینیڈا میں ہو۔ ان کے درمیان ذہنی ہم آہنگی اور فکری یکسانیت اگر ہے تو وہ غمِ ہجراں کا کچھ نہ کچھ مداوا کرلیتا ہے۔ اگرچہ فرقت وہجراں کی گھڑیاں قیامت سے کچھ کم نہیں ہوتیں۔ وہ جو کسی نے کہا ہے ؎

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت میں کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ لذاتِ ازدواج سے آشنا ہیں، ان کے لیے ایک دوسرے سے بچھڑنا قیامت سے کم نہیں۔ وصل کی لذت، وقت کی رفتار کو تیز کر دیتی ہے۔ اتنا تیز کہ وقت ہوا کے دوش پر سوار ہوتا ہے۔ ہجر کا غم وقت کی رفتار کو سست کر دیتا ہے۔ اتنا سست کہ وہ کچھوے کی چال چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے ؎

مہینے وصل کے گھڑیوں کی مانند اُڑتے جاتے ہیں
اور گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

Marfat.com

ذہنی ہم آہنگی کے ساتھ قرب جسمانی بھی بہت ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے جو میاں بیوی ایک دوسرے سے کسی مجبوری کی وجہ سے دور رہتے ہیں۔ اس دوری کا اثر نہ صرف یہ کہ ان دونوں کی زندگی پر پڑتا ہے، بلکہ ان کی اولاد کی تربیت بھی ناقص رہتی ہے۔ اولاد کی تربیت کے لیے جہاں ماں کی گود کی ضرورت ہے، وہاں باپ کی شفقت بھری نگاہ کا اس پر پڑنا اور محبت بھرے ہاتھ کا اس کے سر پر پھرنا فصل کے لیے کھاد کا کام دیتا ہے۔

ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے بیوی خاوند کی حفاظت اور خاوند بیوی کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جیسے لباس جسم کو سردی اور گرم کے اثرات سے بچاتا ہے۔ اسی طرح میاں بیوی اور بیوی میاں کی عزت وعصمت کو بچانے اور گناہوں سے دور رکھنے کا ذریعہ ہے۔ نکاح مرد و عورت کو کئی گناہوں سے بچانے کا یقینی ذریعہ ہے۔ ایسا مرد اور عورت جن کی طبیعتوں میں فساد کا غلبہ نہ ہو۔ نہ صرف گناہوں بلکہ غیر ضروری مشغلوں سے بچانے کا بھی ذریعہ ہے۔

تجربہ یہ ہے کہ بہت سے غیر ذمہ دار اور شریر لڑکے بھی شادی کے بعد ذمہ دار اور سنجیدہ ہو جاتے ہیں، مگر نکاح ہوگا کیسے؟ نکاح تو اتنا مہنگا کر دیا گیا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنی شادی دوربین سے بھی نظر نہیں آتیں۔ نکاح کی اس مہنگائی کا نتیجہ یہ ہو گیا گناہ سستا ہو گیا۔ پاکستان میں جب سب سے پہلے ٹی وی آیا تو ہمارے بزرگ فرمایا کرتے تھے: ''اس بلا کے آنے سے جو معاشرتی خرابیاں آئیں گی، ان میں سے ایک خرابی یہ ہوگی کہ نکاح مہنگا اور گناہ سستا ہو جائے گا۔'' آپ ہی بتائیں! ٹی وی پر جو ڈرامے اور فلمیں دکھائی جاتی ہیں اور جو گانے سنائے جاتے ہیں، ان میں کیا دکھایا جاتا ہے۔ اب اندازہ لگائیں لڑکا اور لڑکی سات سات سال کی عمر میں ٹی وی اور انٹرنیٹ وغیرہ کی مدد سے ''جوان'' ہو جاتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تین کاموں میں دیر نہ کرو: «عَنْ عَلِیٍّ ؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَا: ثَلٰثٌ لَاتُؤَخِّرْھَا الصَّلٰوۃُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَۃُ اِذَا

Marfat.com

حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدتَّ لَهَا كُفُوًا.» ترجمہ: ''حضرت علیؓ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے علی تین (کام) مؤخر نہ کرو۔ (ایک) نماز جب (اس کا وقت) آ جائے۔ جنازہ جب حاضر ہو جائے۔ (کنواری) عورت جب آپ اس کے لیے کفو (برابر) پالیں۔'' (مشکوٰۃ شریف)

جو لوگ اس فلسفہ پر یقین رکھتے ہیں وہ نکاح کے بارے میں اتنے حساس تھے کہ ان کے واقعات اگر آج سنیں تو افسانے کا گمان ہوتا ہے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ ایک دن طلبہ کو پڑھانے کے بعد گھر آئے۔ ان کی اہلیہ نے کہا ''آج آپ کی فلانی بیٹی بالغ ہوگئی ہے۔'' کھانا تیار تھا۔ انہوں نے اسی حال میں کھانا چھوڑا۔ واپس طلبہ کے پاس گئے۔ ان میں سے ایک طالب علم جن پر نظرِ انتخاب یقیناً پہلے سے پڑی ہوئی ہوگی ممکن ہے پہلے بات بھی ہوئی ہو۔ اس بات کا بھی قوی امکان ہے بچی کی ماں کے ساتھ مشورہ لڑکے کے سرپرستوں کی طرف سے درخواست اور مشورہ پہلے سے ہوا ہو، صرف بلوغ کا انتظار ہو، چنانچہ طالب علم کو بلایا اور خطبہ پڑھا۔ ایجاب وقبول ہوا اور نکاح ہو گیا۔

آپ کہیں گے یہ پرانے دور کی بات ہے۔ اب معاشرتی ضرورتیں مختلف ہیں۔ جو آدمی دین کے تقاضوں پر عمل کرنے کا ارادہ کرلے، اللہ آج بھی اس کے لیے عمل کرنا آسان کر دیتا ہے۔ میں آج کے دور میں بذات خود ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو اپنے قبیلے، اپنی برادری اور اپنے حلقے میں کافی مشہور ہیں۔ انہوں نے تمام رسوم و رواجات کو چھوڑ کر شادی کو بالکل آسان بنا دیا ہے۔ انہوں نے ہی گذشتہ دنوں 50 اجتماعی شادیاں کروائی تھیں۔ 50 غریب لڑکیوں اور لڑکوں کا سارا ضروری خرچ اپنی جیب سے ادا کیا۔ قارئین! اس فتنے کے دور میں اگر ہم اسی طریقے پر عمل کریں گے تو ہماری عزت وعفت محفوظ رہ سکے گی۔ نکاح کو آسان اور سستا بنانے سے ہی گناہوں کے سامنے بند باندھا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

3 / 4

پُرشکوہ جوانی اور ڈھلتی عمریں/ شادیاں یا بربادیاں

اب سنیے وہ حقائق جن کی بنا پر بے شمار پڑھی لکھی اور بن بیاہی خواتین آپ کو کالجوں، یونیورسٹیوں، اسکولوں، دفاتر اور ملٹی نیشنل کمپنیوں میں نظر آئیں گی۔ ان سے بہت سی ایسی ہیں جن کی عمریں چالیس سے آگے نہیں نکلیں اور کچھ وہ جو بہاروں کے انتظار میں خزاؤں کو گلے لگا بیٹھی ہیں۔ قصوروار کون؟ والدین یا خود لڑکی؟

اس بات کو اس درج واقعے کے ذریعے سمجھیں۔ ایک لڑکی کو پڑھنے کا شوق تھا۔ جب انہوں نے بی اے کر لیا تو جو رشتے آئے وہ یوں تو ہم پلّہ تھے، لیکن تعلیمی لحاظ سے کم تر تھے، لہٰذا انکار کر دیا گیا۔ پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ ایم اے کرنے کے بعد پھر وہی صورتِ حال درپیش تھی۔ خوش قسمتی سے گریڈ 17 کی لیکچرشپ مل گئی۔ اب کیا تھا؟ اب کوئی نظروں میں سماتا ہی نہ تھا۔ والدین اور بہن بھائیوں کا اصرار تھا کہ کوئی کوہِ قاف سے اتر کر آئے۔

ان کے بھائی اور بھابیاں چاہتے تھے کہ جو رشتہ آئے وہ مالی لحاظ سے بہت مستحکم ہو، کم از کم 240 گز کے گھر میں رہتا ہو کیونکہ خود 400 گز کے بنگلے میں رہتے ہیں۔ اس انتظار میں عمر نکل گئی۔ 2003ء میں جب ریٹائر ہوئیں تو انہوں نے ایک ایسے شخص سے شادی کر لی، جن کی بیگم وفات پا چکی تھیں، تمام بچوں کی شادیاں ہو چکی تھیں اور ان کے بچوں نے یہ شادی خود کروائی تھی کہ باپ اکیلے رہ گئے تھے۔

Marfat.com

ایک معروف مجسمہ ساز خاتون نے اپنے ایک انٹرویو میں برملا اعتراف کیا کہ وقت پر شادی نہ کر کے انہوں نے بہت غلط کیا۔ آج سب بہن بھائی اپنے اپنے گھروں کے ہیں اور یہ اکیلی رہ گئیں۔ صرف اور صرف معیار اور خود پرستی کے چکر میں......لیکن کچھ اور بھی حقائق ہیں جو بہت تکلیف دہ ہیں، دراصل جو لڑکیاں کمانے لگتی ہیں ماں باپ اور بھائی بہنوں کا سہارا بن جاتی ہیں ان کی شادی کی طرف سے ماں باپ آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ سگے ماں باپ اس حد تک خود غرض ہو جاتے ہیں کہ وہ کماؤ بیٹیوں کے رشتے آنے ہی نہیں دیتے۔

میں ایسی کئی خواتین کو جانتا ہوں جو اپنے گھر والوں پر قربان ہو گئیں بلکہ کر دی گئیں۔ صرف اس لیے کہ وہ اچھا کما رہی تھیں۔ اب ان کا نصیب بھی صرف تنہائی، ان میں سے ایک نے چند سال پہلے ایک بچے کو اڈاپٹ کر لیا ہے۔ کیا آپ اس بات کا یقین کریں گے کہ یہ تینوں خواتین اپنے ماں باپ کو اچھے الفاظ میں یاد نہیں کرتیں، ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے انہیں اپنی آسائش کی بھینٹ چڑھا دیا۔

اب ایک اور بنیادی مسئلے کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جو لڑکیاں اعلیٰ تعلیم بغیر کسی پلاننگ اور مقصد کے حاصل کر رہی ہیں اس نے سارا نظام بگاڑ کر دیا ہے۔ یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیاں عموماً شادی کے بعد گھر بیٹھ جاتی ہیں، لیکن اس طرح مستحق لڑکوں کا حق مارا جاتا ہے۔ لڑکوں کو جاب کی تلاش ہوتی ہے۔ دورانِ تعلیم جیسے ہی انہیں کوئی اچھی جاب آفر ہوتی ہے وہ اسے چھوڑتے نہیں۔ چنانچہ تعلیم کا سلسلہ رک جاتا ہے۔

کچھ نوجوان بعد میں بڑی مشکلوں سے اعلیٰ تعلیم مکمل کر پاتے ہیں۔ دوسری مشکل لڑکوں کے ساتھ یہ ہے کہ تعلیمی اداروں میں پروفیشنل تعلیم کے لیے لڑکے اور لڑکیوں کا کوٹہ مختص نہیں ہے، لہٰذا زیادہ تر سیٹیں لڑکیاں لے جاتی ہیں اور لڑکے مجبوراً کسی اچھی جاب کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ اس طرح معاشرے کا سماجی ڈھانچہ غیر متوازن ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا مفہوم ہے کہ عورت سے چار چیزوں کی بناء پر نکاح کیا جاتا ہے: ''نمبر ایک: حسب ونسب۔ نمبر دو: حسن وخوبصورتی۔ نمبر تین: مال و دولت۔ نمبر چار: دین داری'' اور بہتر رشتہ وہ ہے جو دین داری کی بنیاد پر ہو۔ اس حدیث کو پڑھ کر آج کے حسب ونسب اور دولت کی بنیاد پر ہوتے رشتے ذہن میں گھوم گئے۔ ہزاروں رشتے ہوتے ہیں جن میں چند ہی دین داری کی بنیاد پر ہوتے ہیں بلکہ ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی کی دین داری کا سن کر فوراً رشتے سے انکار کر دیا جاتا ہے کہ بھئی ہم شرعی پردہ نہیں کرواسکتے یا ہم ٹی وی کے بغیر نہیں رہ سکتے، پھر ہم نماز کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں کر سکتے ایسا نہ ہو بعد میں مشکل ہو، اس لیے پہلے ہی سے ناں کیے دیتے ہیں۔

ایسے جملوں اور باتوں کو سن کر آٹھ آٹھ آنسو بہانے کا جی چاہتا ہے کہ یہ کیسے مسلمان ہیں؟ دین دار بچیاں بوڑھی ہو رہی ہیں اور بے دینی کی آگ ہر سمت لگی ہوئی ہے۔

آج کل تو اس طرح کے مکالمے ہوتے ہیں جب کسی کو پسند کرنے جانا ہو۔ ایک فرضی مکالمہ ملاحظہ کیجیے:

''ہاں بہن! کہیے لڑکی پسند آئی؟''

''ہاں! لڑکی تو پسند ہے۔ شکل وصورت کی بھی اچھی ہے۔ تعلیم یافتہ ہے۔''

''گھربار کیسا لگا؟''

''کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ دیکھنے میں بھی شریف لگ رہے تھے۔''

''تو پھر آپ کی طرف سے ہاں سمجھوں۔'' رشتے کرانے والی خاتون نے لڑکی کی والدہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''نہیں بہن! میں نے رشتہ نہیں کرنا۔''

''کیوں؟ ذرا کھل کر بات کریں!''

''دراصل باقی تو سب کچھ ٹھیک ہے، لیکن ان کی لڑکی شرعی پردہ کرتی ہے۔''

Marfat.com

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔لڑکی نیک ہوگی تو آپ کی خدمت بھی کرے گی۔حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا خیال رکھے گی۔''

''ناں جی ناں! ایسی لڑکی کو گھر لا کر میں نے چوروں اور ڈاکوؤں کو دعوت نہیں دینی۔''

''کیا مطلب ہے؟ میں آپ کی بات نہیں سمجھی۔''

''اب دیکھو نا! جو لڑکی شرعی پردہ کرے گی اسے تو معلوم ہی نہیں ہوگا کون ہمارا رشتہ دار ہے اور کون نہیں؟ وہ تو ہر آنے والے کو گھر بلا لے گی۔ چاہے وہ چور، ڈاکو، رشتہ دار بن کر آجائیں اور سب کچھ لوٹ مار کر چلتے بنیں۔''

قارئین! پردے کی اہمیت سے انکار کرنے والوں کی طرف سے اس قسم کی بے سروپا باتیں اور مکالمے اکثر سننے کو ملتے ہیں۔ بظاہر دین داری کا دعویٰ کرنے والے لوگ بھی اس معاملے میں جہالت کا ثبوت دیتے ہیں۔اپنے بچوں کے رشتے تلاش کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو بھول جاتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرمادیا:''کسی عورت سے چار وجوہ کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے۔اس کے مال کی بنا پر۔ اس کے حسن وجمال کی بنا پر۔اس کے حسب ونسب کی بنا پر۔اس کے دین کی بنا پر۔پس تو دین دار عورت کو اختیار کر۔''

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ صرف دین داری ہی دیکھی جائے، بلکہ اگر دین داری کے ساتھ ساتھ باقی چیزیں بھی حاصل ہوں تو ''نور علیٰ نور'' ہے۔اگر ایک میں دین داری ہے، دوسری میں باقی چیزیں ہیں تو اب دین داری والی کو مقدم کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، لیکن افسوس! آج ہم نے اپنا معیار بدل لیا ہے۔ دین داری کی جگہ مادیت پرستی ہمارے اندر رچ بس گئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے دعوے تو کرتے ہیں، لیکن ان کی تعلیمات سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ میں ان نام نہاد دین داری کا دعویٰ کرنے والوں سے پوچھتا ہوں

Marfat.com

بتائیے! آج تک کتنے گھر باپردہ خواتین کی وجہ سے ڈاکوؤں اور چوروں کے ہاتھوں لٹے ہیں؟ شاید تاریخ میں کوئی ایک واقعہ بھی اس قسم کا نہ ملے گا۔

ہم نے دین داری کو چھوڑ کر باقی چیزوں کو اپنا معیار بنایا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے جب ایسی بہو آتی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کا پاس نہیں ہوتا تو وہ سسرال والوں کے حقوق کیا ادا کرے گی؟ آپ خود سوچیے! جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی پروا نہیں وہ سسرال والوں کی باتوں کو کیسے برداشت کرے گی؟ اسی لیے ہمارے معاشرے میں طلاق کی شرح روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔

ذرا سوچیے تو سہی! جو چیز اللہ کے نزدیک حلال ہونے والی چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے، ہم اسی کی طرف کیوں بڑھتے جارہے ہیں؟ کاش! ہم نے رشتوں کی تلاش میں دین داری کو بنیاد بنایا ہوتا تو اس قسم کی پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

ہمارے اسلاف تو رشتوں کی تلاش میں دین داری کو مقدم رکھتے تھے۔ سیدنا حضرت عمرؓ ایک لڑکی کی یہ بات سن کر کہ "ماں میں دودھ میں پانی نہیں ملاؤں گی، عمر نہیں دیکھ رہا، لیکن اس کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔" سمجھ جاتے ہیں کہ یہ لڑکی تقویٰ طہارت والی ہے۔ اسے اپنی بہو بنالیتے ہیں، لیکن ایک ہم ہیں کہ اپنے اسلاف کا طرزِ عمل فراموش کر چکے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں بے دینی اور بے حیائی اس قدر عام ہوچکی ہے کہ ہمیں پردہ فرسودہ اور دقیانوسی لگتا ہے۔ اگر کوئی بچی اس ماحول میں پردہ کرنا چاہے تو ہم بجائے اس کی حوصلہ افزائی کے، اُلٹا اس کے راستے میں کانٹے بچھاتے ہیں۔ اپنی زبان کے زہریلے تیروں سے اس کا دل زخمی کرتے ہیں۔

اللہ کرے وہ بھولا ہوا سبق ہمیں دوبارہ یاد آجائے۔ کسی کے دل میں میری بات اُتر جائے اور وہ اپنا معیار تبدیل کرلے۔ اگر ہر بات میں دین کو معیار بنالیا جائے تو ہمارے گھر امن وسکون کا گہوارہ بن جائیں۔

Marfat.com

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ جو رشتے دین داری کی بنیاد پر ہوتے ہیں وہ واقعتاً طمانیت والی زندگی گزارتے ہیں۔ وہ جوڑے جو تہجد کے وقت ایک دوسرے کو نمازِ تہجد کے لیے بیدار کرتے ہوں، ان پر اللہ کی رحمت کیوں نہ برسے گی؟ ہاں! جو فقط حسب ونسب یا دولت کی بنیاد پر رشتے طے پاتے ہیں ان میں سے بیشتر طمع، لالچ اور ہوس کے ہاتھوں برباد ہوتے ہیں اور جو آباد رہتے ہیں وہ بھی سکون اور طمانیت کی دولت سے خالی ہوتے ہیں۔

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ خواتین کی 90 فیصد سے زیادہ تعداد امیر شخص سے شادی کی خواہش مند ہوتی ہے۔ لندن اسکول آف اکنامکس میں ''میری اپ'' کے عنوان سے مکمل کی جانے والی تحقیق کے مطابق خواتین چاہتی ہیں کہ ان کا شوہر اتنا کمائے کہ ان کی ہر جائز اور ناجائز خواہش پوری ہو۔ بے شک ان کی خواہش تو پوری ہو جائے گی، لیکن زندگی میں اطمینان اور سکون نصیب نہ ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مفہوم ہے: ''نیک بیوی ایک عمدہ نعمت ہے'' بعض اوقات شوہر تو نیک و پرہیزگار ہوتا ہے، مگر اس کی بیوی دنیا کی ہوس وحرص میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ آج کے دور میں آنے والی نسلوں میں ایمان اور اسلام کے تحفظ کی خاطر رشتے کرتے وقت دین داری کو ترجیح دیں کہ یہی وقت کی اہم ضرورت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور فرمان بھی ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نکاح کے اندر لڑکے اور لڑکی کی عمروں کے درمیان تناسب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ لڑکے کی عمر لڑکی سے کچھ زیادہ ہونی چاہیے۔ جیسے حضرت علیؓ کی عمر اکیس سال اور حضرت فاطمہؓ کی عمر اس وقت ساڑھے پندرہ سال تھی۔ اس کے برعکس نہیں ہونا چاہیے۔

اگرچہ کم زیادہ عمر کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے، کیونکہ نکاح تو باہمی رضامندی کے ساتھ ہوتا ہے۔ باہمی رضامندی میں چھوٹی عمر والی لڑکی بڑی عمر کے لڑکے سے نکاح کرلے یا چھوٹی عمر والا لڑکا کسی بڑی عمر کی عورت سے نکاح کرلے تو جائز ہے۔

Marfat.com

قارئین! سو باتوں کی ایک بات یہ ہے اگر مسلمان یہود ونصاریٰ کے طور طریقے چھوڑ کر اور ہندوانہ رسم ورواج کو اپنے گھروں سے نکال کر سنت اور سادگی کو شعار بنالیں تو ہمارے آدھے مسائل اور جھگڑے اپنے آپ ختم ہوجائیں گے۔ آج جو ملک میں لاکھوں بن بیاہی لڑکیاں بیٹھی ہیں۔ ان کی عمریں ڈھل رہی ہیں۔ اس کی اصل وجہ بھی یہی ہے۔ کاش! ہر شخص بدعات اور رسومات کے خلاف اس مہم میں شامل ہوجائے۔ نکاح کو آسان بنانے کی اس مہم میں اپنا کردار ادا کرے۔

پسند اور محبت کی شادی سے بچنے بچانے کی بھرپور کوشش کریں۔ محبت کی شادیاں درحقیقت بربادیاں ہوتی ہیں۔ محبت دیوانگی ہے...... جنون ہے...... بے خودی ہے...... جانبازی ہے...... سرفروشی ہے...... وارفتگی ہے...... محبت حماقت ہے...... اندھا پن ہے...... ناعاقبت اندیشی ہے...... بے وقوفی اور بے عقلی ہے......

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی چیز کی محبت تجھے (انسان کو) اندھا اور بہرا بنادیتی ہے۔'' جب کسی چیز کی محبت کسی وجہ سے دل میں بیٹھ جائے تو سوچنے سمجھنے اور نفع و نقصان کا تخمینہ کرنے کی صلاحیت مفلوج ہوجاتی ہے۔ انجام کا صحیح ادراک مشکل ہوجاتا ہے اور انسان بے دھڑک کسی خیالی منزل کی طرف سرپٹ دوڑ لگادیتا ہے، جس کا انجام عموماً ناکامی، مایوسی، ذلت، خواری، نقصان اور پشیمانی ہوتی ہے۔

ہماری نوجوان نسلوں کو بھی محبت کی اسی وبا کا سامنا ہے جو دیوانگی ہی نہیں بے وقوفی اور بدعقلی بھی ہے۔ حماقت اور سفلہ پن بھی ہے۔ محبت کی شادیاں وبائی شکل اختیار کررہی ہیں، جن کی لپیٹ میں آکر نوجوان اپنی زندگیاں برباد کررہے ہیں۔ لاہور ہائی کورٹ کے فاضل جج نے محبت کی ایک ناکام شادی کا قضیہ نمٹاتے ہوئے کہا کہ گھروں سے بھاگ کر، کی جانے والی شادیوں نے ہمارے معاشرے کو اُلجھنوں میں مبتلا کیا ہے۔ محبت کی اکثر

Marfat.com

شادیوں کا انجام طلاق، نفرت، عدالتی چارہ جوئی، جھگڑوں اور فسادات کی شکل میں نکلتا ہے۔ ہم نہ پوری طرح مشرقی روایات کی پاسداری کررہے ہیں، نہ ہی مغربی روش کی۔ معاشرے میں ایک کھچڑی بنتی جارہی ہے۔

محبت کی شادیاں ناکام کس طرح ہوتی ہیں؟ اس کی دردناک تفصیل جس اخلاص اور نکتہ رسی کے ساتھ اس مصیبت میں مبتلا جوڑے بیان کرسکتے ہیں، کوئی اور نہیں بیان کرسکتا۔ ہزاروں کی تعداد میں ایسے واقعات معاشرے میں ہیں جن کی وجہ سے ''پریمی جوڑوں'' کے ساتھ ساتھ ان کے متعلقہ خاندان اور رشتہ دار اذیت سہتے ہیں۔ ان کے جھگڑے نمٹانے میں وقت برباد کرتے ہیں، مگر نوجوان نسل کو یہ سمجھانا مشکل ہورہا ہے کہ محبت کی شادی اندھے پن میں کی گئی شادی ہے۔ حماقت کا ایک قدم ہے۔ بے عقلی اور ناعاقبت اندیشی کا ایک عمل ہے جس میں صرف اور صرف پشیمانی اور ناکامی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اتنے سارے واقعات میں محبت کی شادیوں کی رُسوائی کے باوجود ایسے واقعات میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے...... کیوں؟

اس سوال پر میڈیا کے کارندے بھی سوالیہ نشان کی طرح تن کر کھڑے ہوجاتے ہیں، حالانکہ بات واضح ہے کہ ذرائع ابلاغ میں محبت کے جتنے فسانے چل رہے ہوتے ہیں ان کا اس کے علاوہ کیا مقصد ہے کہ نوجوان نسل کو دوستیاں لگانے کی ترغیب دی جائے۔ صرف فلم، ڈرامے ہی نہیں، یہاں بہت سی این جی اوز اور تعلیمی اداروں تک میں دوستیاں لگانے کی مہم ادارتی سطح پر اہتمام کے ساتھ چلائی جاتی ہے۔ پسند کی شادی کرنے والے جوڑوں کے حق میں کچھ دانشور قسم کی مخلوق اور کچھ سول سوسائٹی کے نام سے نامعلوم ہاتھوں کے کارندے ہمدردی پیدا کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں۔ اس کو آزادی اور حقوق کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی حوصلہ شکنی کرنے والوں کو مطعون کیا جاتا ہے۔

یہ ساری محنتیں اندھی محبت پیدا کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ کبھی کسی نے نہیں سنا کہ کسی فلم

Marfat.com

میں میاں بیوی کو ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوئے دکھایا گیا ہو۔ گھروں کو برباد کرنے کے لیے، بیوی کو شوہر سے متنفر اور بیزار کرنے کے لیے، خاندانی نظام کو تباہ و برباد کرنے کے لیے دھڑا دھڑا ڈرامے، فلمیں، پروگرام چلائے جائیں گے تو اس کا کوئی نہ کوئی اثر تو معاشرے پر ہوگا۔

جب پوری محنت کے ساتھ نوجوانوں کو یہ سمجھایا جائے گا کہ تمہیں اپنی زندگی کا ہر فیصلہ خود کرنا ہے، تم آزاد ہو، تم اپنی پسند اور ناپسند کی بنیاد پر اپنی زندگی تشکیل دے سکتے ہو، والدین اور بزرگوں کو حق نہیں ہے کہ وہ تمہیں روکیں، تمہاری مرضی میں مداخلت کریں، تمہیں کوئی رائے یا مشورہ دیں تو نوجوان کیوں نہ اپنی مرضی چلائیں۔ اپنے اپنے خیالی نقشوں کے پیچھے چلیں۔ نوجوان نسلوں کی آوارگی اور کچے فیصلوں کا سب سے بڑا سبب میڈیا ہے۔

میڈیا اس بات کا ذمہ دار ہے کہ معاشرے میں صحیح رویوں کو عام کرنے کے اپنی صلاحیتیں استعمال کرے۔ اگر کہیں کوئی بگاڑ، فساد یا غلط معاشرتی رویہ پیدا ہو رہا ہو، نوجوان نسلیں اس کی طرف راغب ہو رہی ہوں تو اپنے ڈراموں اور پروگراموں کے ذریعے ذہنوں کو موڑنے کا کام میڈیا ہی کی ذمہ داری ہے۔ اگر میڈیا نئی نسلوں کی صحیح خطوط پر ذہن سازی نہیں کرتا تو معاشرے میں میڈیا کی افادیت اور ضرورت کیا رہ جاتی ہے؟

یہ سوال میڈیا سے ہر فرد کا ہے اور اس کا ہر مرحلہ اور مناسبت سے زوردار اعادہ لازمی ہے کہ پاکستان کا میڈیا ایک مسلم معاشرے کا نمائندہ میڈیا ہے۔ اس میڈیا نے اسلامی اقدار کی ترویج کو اپنے فرائض کی فہرست سے خارج کیوں کر دیا ہے؟ کیا معاشرے کی ایک ضرورت یہ نہیں کہ یہاں کی نئی نسلیں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات ہی کے مطابق اپنی زندگی کے نقوش ترتیب دیں۔ میڈیا اس کے لیے کیا کر رہا ہے؟

Marfat.com

مارچ 2014ء میں اقوامِ متحدہ کے خصوصی ایلچی اور برطانیہ کے سابق وزیراعظم گورڈن براؤن پاکستان آئے۔ انہوں نے جاتے ہوئے کہا کہ ہماری خواہش ہے پاکستان میں کم عمری میں لڑکیوں کی شادی پر پابندی عائد کی جائے۔'' گورڈن براؤن کے اس بیان پر کافی لے دے ہوئی۔ بقول برادرم اوریا مقبول جان کہ کاش! اس ملک کے رہنماؤں، حکمرانوں، دانشوروں اور صاحبانِ علم میں سے کوئی ہوتا جو اقوامِ متحدہ کے خصوصی ایلچی اور برطانیہ کے سابق وزیراعظم گورڈن براؤن کو آئینہ دکھاتا۔ اسے یاد دلاتا تم لوگوں نے اپنے گھر تو تباہ کر لیے، اپنے معاشروں میں شادی کو ایک معاشرتی اور معاشی بوجھ بنا کر پیش کیا۔

اس مقدس ادارے کی بنیادوں اور ہیئتِ ترکیبی کو مذاق بنایا، عورت کو گھر سے محبت چھڑا کر کیریئر کی سیڑھیوں پر چڑھا دیا، جنسی تلذذ کو پورے تعلقات کا محور بنا کر اولاد کی پرورش کو ثانوی بلکہ ادنیٰ حیثیت پر پہنچایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مفکرین، نفسیات دانوں اور ماہرینِ معاشرت نے شادی کو معاشی طور پر مستحکم، معاشرتی طور پر ذمہ دار اور ذہنی طور پر بلوغت کی معراج پر پہنچنے سے منسلک کر دیا۔ ہر کسی نے دیر سے شادی کو کامیابی کی ضمانت قرار دیا۔

''برٹرینڈ رسل'' جیسے فلسفی نے 35 سال سے قبل شادی کرنے کے نقصانات پر دلائل کے انبار لگا دیے۔ شادی کی تیاریوں میں ایک دوسرے کو جاننے، قربتوں کے سفر پر نکلنے اور ہو سکے تو جسمانی تعلق سے بھی ایک دوسرے کی چاہت کو پرکھنے کو لازمی قرار دیا گیا بلکہ شادی کے لیے لکھی جانے والی رہنما کتابوں میں اس دور کو ایک سنہرا دور قرار دیا گیا ہے جسے وہ ''Courtship'' کہتے ہیں۔ اس کی یادوں کو ایسا افسانہ بنایا گیا جو شادی کے تلخ ایام میں بھی رہ رہ کر یاد آئے۔ اس سارے ماحول میں عین عالمِ سباب میں شادی کو ایک احمقانہ فعل بنا کر رکھ دیا گیا۔ آدمی کو معاشی جدوجہد اور معاشرتی مقام کے جھنجھٹ میں اُلجھا کر ایک انفرادی دوڑ میں لگا دیا۔ مرد ہو یا عورت، ہر کوئی پہلے کیریئر کی بلندیوں پر پہنچنے، معاشی طور پر مضبوط ہو اور

Marfat.com

اپنے مستقبل کو محفوظ کرنے پر توجہ مرکوز کرے۔

جب یہ منزلیں طے ہوجائیں تو شادی کی طرف آئے۔ اس دوران اس کی جسمانی ضروریات کے لیے وہ تمام اخلاقی معیارات ختم کر دیے گئے جو انسانی تہذیب نے صدیوں سے اپنائے ہوئے تھے۔ کم سنی یا نوجوانی کی شادی تو ختم ہوگئی بلکہ بہت حد تک شادی ایک معمولی سا تعلق بن کر رہ گئی، مگر اس طرح ان معاشروں کے ساتھ جو بیتی، وہ ایک تاریخی انسانی المیہ ہے۔ انسان کی جبلی خواہشات پر پابندی کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا مغرب ایسی ماؤں سے آباد ہوگیا جو کم سن تھیں۔ انہوں نے شادی نہیں کی تھی، مگر ان کی گود میں بچے تھے۔

امریکا کے شہر نیویارک میں اقوام متحدہ کا ہیڈکوارٹر ہے۔ اس ادارے کا خصوصی ایلچی گورڈن براؤن یہ اعلان کرتا ہے ہم پاکستان میں ایسے علاقے مخصوص کریں گے جہاں کم عمری کی شادیاں نہ ہوں۔ اسی امریکا میں ان کم سن ماؤں کے اعداد و شمار پر نظر دوڑائیں تو روح کانپ اُٹھتی ہے۔ صرف ایک سال کے اعداد و شمار پورے معاشرے کی کیفیت کا احاطہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ یہ سرکاری طور پر اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ The alan Guttmacher Institute اسے ہر سال اَپ ڈیٹ کرتا ہے۔ اس وقت 2002ء کے اعداد و شمار میسر ہیں۔ اس سال امریکا میں 7 لاکھ 50 ہزار بچیاں یعنی جن کی عمر 18 سال سے کم تھی، حاملہ ہوئیں۔ ان میں سے 4 لاکھ 25 ہزار بچیوں نے اولاد کو جنم دیا۔ 2 لاکھ 15 ہزار نے اسقاطِ حمل کروایا۔

رپورٹ کے مطابق ایک لاکھ 10 ہزار کے حمل ضائع ہوگئے۔ ان کم عمر کی بچیوں میں سے 20 فیصد ایسی تھیں جو اس سے پہلے ایک بچے کی ماں بن چکی تھیں۔ 25 فیصد ایسی تھیں جو اس عمر سے پہلے 2 بچے جنم دے چکی تھیں اور یہ تیسرا تھا۔ ان میں سے 90 فیصد بچیاں وہ تھیں جن کے ہاں اولاد شادی کے مقدس بندھن میں بندھے بغیر ہوئی اور غیر شادی مائیں سب 17 سال سے کم تھیں۔ ان میں سے 75 فیصد ماؤں کے عشاق نے انہیں 5 سال سے

Marfat.com

کم عرصے میں چھوڑ دیا۔ بچہ پیدا کرنے کی وجہ سے یہ تعلیم چھوڑ کر گھر آ بیٹھی تھیں، اس لیے ان کو ریاست کی رفاہی امداد کا سہارا لینا پڑا۔ ان کم سن ماؤں کے خاوند عموماً ناکام عاشق، بے کار یا بہت کم کمانے والے ہوتے ہیں۔

صرف ایک ریاست ''کیلیفورنیا'' کا ان کم سن ماؤں کو مستقل مدد دینے پر سالانہ ڈیڑھ ارب ڈالر خرچ آتا ہے۔ پوری ریاست میں ان ماؤں اور بچوں کے پیدائش کے خرچے، ہسپتال کے اخراجات اکٹھے کیے جائیں۔ جن میں ان ماؤں کی نوکری چھوٹنا بھی شامل ہے تو کل سالانہ خرچہ ساڑھے 3 ارب ڈالر بنتا ہے۔ صرف ایک چھوٹے سے شہر اورنج کاؤنٹی کا بوجھ 2 کروڑ 23 لاکھ ہے۔ میں اعداد و شمار سے تحریر کو بوجھل نہیں کرنا چاہتا، ورنہ یورپ کے کسی بھی ''مہذب'' اور ترقی یافتہ کہلانے والے ملک کے سرکاری ذرائع سے حاصل کی گئی معلومات اُٹھا لیں تو نقشہ امریکا سے مختلف نہ ہوگا۔ خود گورڈن براؤن کا اپنا ملک برطانیہ کم سن ماؤں اور خصوصاً غیر شادی شدہ ماؤں کے معاملے میں پورے یورپ میں سرفہرست ہے۔

آپ نے قانون بنا دیے۔ آپ کے ہاں قانون پر سختی سے عمل بھی کروایا جاتا ہے، لیکن انسان کی جبلّی ضروریات نے تو راستہ نکالنا تھا۔ اس نوجوان نسل نے شادی کے مقدس، اہم اور معاشرتی طور پر تسلیم شدہ ادارے پر لعنت بھیجی اور بغیر شادی بچے پیدا کرنا شروع کر دیے۔ کیا ان سے اخراجات میں کمی آ گئی؟ کیا ان سے صحت کے معیارات بلند ہو گئے؟ کیا اس سے انسانوں میں معاشرتی ذمہ داری بڑھ گئی؟ نہیں جناب نہیں! بلکہ ہوا یہ کہ وہ سب کچھ ہوا جو شادی سے وابستہ تھا، لیکن بقول مغربی دانشوروں کے ''وہ شادی کے نفسیاتی، معاشی اور معاشرتی ذمہ داریوں کے بوجھ سے آزاد رہا، کیونکہ وہ اُسے اُٹھانے کے قابل نہ تھا۔''

حیرت ہے ان مسلمان معاشروں کے معاشی، طبی اور معاشرتی ماہرین پر جو اسلام کا

Marfat.com

بنیادی فلسفہ نہیں سمجھ پائے۔ اسلام اس معاشرے میں ایک احساس ذمہ داری کے تصور کو اُجاگر کرتا ہے اور پورے معاشرے کو اس کا پابند بناتا ہے۔ اس کے نزدیک ہر جنسی تعلق شادی کے رشتے سے وابستہ ہے تاکہ پوری دنیا کو علم ہو کہ سب تمہاری ذمہ داری ہے۔ اسلام اگر عدل کے ساتھ دوسری شادی کی اجازت دیتا ہے تو معاشرے میں چوری چھپے آشنائیوں، طوائفوں اور رکھیلوں سے خفیہ تعلقات سے منع کرتا ہے۔ پھر مرد کو ذمہ داری کے طوفان میں لاکھڑا کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ اتنے مرد بنتے ہو تو لاؤ اپنی معشوق کو اپنے گھر، شادی کرو اور پھر انصاف بھی کرو اور تم نے انصاف نہ کیا تو قیامت کے دن تمہیں آدھے دھڑ سے اُٹھایا جائے گا۔

اسلام نے اگر جنگ میں لونڈی رکھنے کی اجازت دی تو وہ بھی اس لیے کہ جس اللہ نے مرد کو پیدا کیا ہے، وہ جانتا ہے کہ اس کی جبلت کیا ہے۔ دنیا کی کون سی ایسی جنگ ہے جس میں لاکھوں کروڑوں عورتیں جنسی تشدد کا نشانہ بنی ہوں۔ پھر دنیا بھر میں طوائفوں کی طرح بیچی نہ گئی ہوں۔ صرف جنگِ عظیم دوم کے بعد کی تعداد گن لی جائے تو انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ جنگ میں جو عورت تمہارے ہاتھ آئے، نہ تم اس سے جنسی زیادتی کرسکتے ہو اور نہ ہی اسے طوائف کی زندگی گزارنے پر مجبور کرسکتے ہو۔

اتنا شوق ہے تو لاؤ اسے اپنے گھر اور پھر شرائط دیکھو: جو خود کھاتے ہو وہ اُسے کھلاؤ، جو خود پہنتے ہو اُسے پہناؤ، لیکن اس کے باوجود بھی ہم کس قدر ظالم ہیں کہ والدین کم سن بچوں کی بے راہ روی برداشت کرتے ہیں، لیکن شادی نہیں کرتے، بیویاں اپنے خاوند کی گرل فرینڈ اور رکھیل برداشت کرتی ہیں، سوکن نہیں اور جنگوں کی تباہی سے جنس کے بازار سجاتے ہیں، گھر لاکر اسے پناہ نہیں دیتے۔

Marfat.com

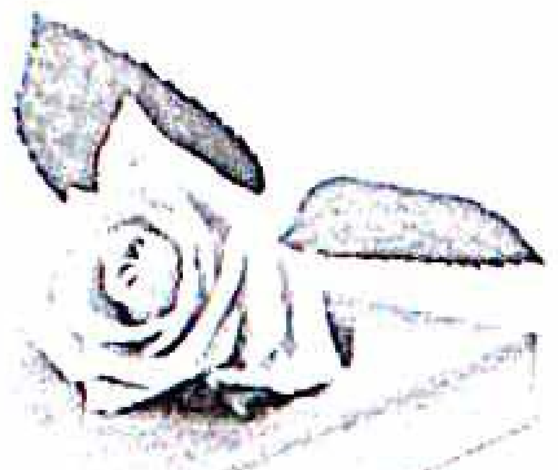

3 / 5

نکاحِ بیوہ گان...... کتنا مشکل، کتنا آسان؟

اپریل 2014ء کی یہ خبر واقعتاً عجیب ہے۔ بھارت جیسے ملک میں جہاں بیواؤں کو بہت ہی بُرا سمجھا جاتا ہے۔ بیواؤں سے نکاح کو نہایت ہی معیوب اور منحوس تصور کیا جاتا ہے، وہاں پر حکومت نے بیوہ سے شادی کرنے والوں کو بھاری بھرکم مراعات دینے کا اعلان کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بھارت کے صوبہ ''چھتیس گڑھ'' میں گورنمنٹ نے بیوہ سے شادی کرنے پر مردوں کو سہولتیں دینے کا اعلان کردیا ہے۔ رائے گڑھ میں ایک تنظیم کی سفارش پر صوبائی حکومت نے یہ اقدام اُٹھایا ہے۔ حکومت نے بیوہ کو عزت واحترام دینے اور ان سے شادی کرنے پر جوڑے کے لیے فری ہنی مون ٹور پیکیج دینے کا فیصلہ بھی کیا ہے۔ جوڑے کو ان کی مرضی کے مطابق ایشیا بھر میں 45 مختلف مقامات کی تفریح کے لیے اسپانسر کرے گی۔ اس تنظیم نے حکومت سے یہ بھی سفارش کی ہے کہ بیوہ سے شادی کرنے والے مردوں کو سرکاری نوکری بھی دی جائے۔

یہ خبر پڑھ کر ہمیں حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ خوشی اس بات پر ہوئی کہ چلو دیر سے ہی سہی بیواؤں کے بارے میں بُرے نظریات اور توہمات کے خاتمے کے لیے راہ تو ہموار ہوئی۔ اس مظلوم طبقے کو بھی سہولت اور راحت ملنے کی امید ہونے لگی ہے۔ گزشتہ دنوں اسی حوالے سے ہمارے دوست عبدالرحمٰن مدنی نے یوں تبصرہ کیا تھا: ''ہم سب ہندوؤں کو کوستے ہیں کہ ان میں بہت ساری بری رسومات ہیں۔ ان کا مذہب اور معاشرہ رواج کی پابندیوں میں بری طرح جکڑا ہوا ہے۔ ان میں سے جس معاشرتی برائی اور ظالمانہ رواج کو

Marfat.com

ہمارے ہاں بہت بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، وہ ہے اس مذہب اور معاشرے کا بیواؤں کے ساتھ رویہ اور سلوک۔ ہندو معاشرے میں شادی کے بعد اگر شوہر پر کوئی مصیبت آجائے تو کہا جاتا ہے کہ نئی آنے والی کی نحوست ہے یا اسے کاروبار میں نقصان ہوجائے تو یہ الزام بھی اس عورت کے سر منڈھ دیا جاتا ہے۔ اگر شوہر مرجائے، اس کا انتقال ہوجائے پھر تو اس عورت پر نحوست کی پکی مہر لگ جاتی ہے۔ عورت سے یہ تقاضا بھی ہوتا ہے کہ وہ شوہر کی چتا کے ساتھ زندہ جل کرستی ہوجائے۔ اگر وہ ایسا نہ بھی کرے تب بھی اس کا اگلا جیون تو بہرحال نرکھ بنا ہی دیا جاتا ہے۔ اسے منحوس قرار دے کر سفید ساڑھی ہمیشہ کے لیے اس پر لازم کردی جاتی ہے۔ بناؤ سنگھار کا حق ہمیشہ کے لیے اس سے چھین لیا جاتا ہے۔ اسے معاشرے کا بہت ہلکا فرد بنا دیا جاتا ہے۔

عورتیں اپنے بچوں اور خاص طور پر بچیوں کو اس سے دور رکھتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ یہ ڈائن ہے جو اپنے شوہر کو کھا گئی اور اس کی نحوست کہیں ہمارے بچوں پر بھی نہ پڑ جائے۔ آسمانی فیصلے کو زمینی مخلوق کی بدنصیبی بنا دیا جاتا ہے۔ بیوہ عورت کو کسی خوشی میں اور کسی تقریب میں نہیں بلایا جاتا۔ عورت چاہے شادی کے دوسرے دن بیوہ ہوجائے اسے ساری عمر تنہائی کا سنجوگ لینا پڑتا ہے جو اس کی زندگی کا روگ بن جاتا ہے۔

نوجوانوں پر ان کے گھر والے بطورِ خاص کڑی نظر رکھتے ہیں کہ وہ کسی بیوہ لڑکی کے قریب پھٹکنے بھی نہ پائیں۔ وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ اس بات سے خائف ہوتے ہیں کہ لڑکا کہیں اس بیوہ سے شادی کی ضد نہ کر بیٹھے۔ بیوہ عورت سے شادی کا تصور بھی اس معاشرے میں نہیں کیا جاسکتا۔ بیوہ عورت کو نہ اس کا میکا قبول کرتا ہے نہ اس کا سسرال۔ وہ کہیں کی نہیں رہتی۔ گھر کی نہ گھاٹ کی۔ عموماً بیوہ عورتیں کسی مندر اور آشرم میں جا کر پناہ لیتی ہیں اور پجاریوں اور مندروں کے پروہتوں کی ہوس اور ان کے ظلم کا نشانہ بنتی ہیں۔

بازارِ حسن اور جسم فروشی کی منڈیاں ان کی پناہ گاہیں ٹھہرتی ہیں۔ جہاں یہ جیتی ہیں نہ

Marfat.com

مرتی ہیں۔ یہ سب اس معاشرے میں ہوتا ہے جو خود کو جمہوریت کا علمبردار اور انسانی حقوق کا چیمپئن قرار دیتا ہے۔ یہ رسم و رواج، قبیح عادات اور ظالمانہ طرزِ عمل ہندو مذہب سے ہی معاشرے میں پھیلا ہے۔ وہ مذہب جس کی بنیاد اصنام پرستی پر ہے۔ جس کے بنیادی دیوتاؤں اور بھگوانوں کی تعداد دو کروڑ سے زائد ہے۔

اس مشرکانہ مذہب کی بری رسومات اور ظالمانہ ریتی رواج پر ہم بہت تنقید کرتے ہیں۔ ہم اس کے مقابلے میں اسلام میں عورت کے مقام اور بطورِ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے اسلام نے اسے جو حقوق دیے ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے عورت کو عزت دی، حقوق دیے، لیکن عملی طور پر ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ سارے حقوق ہم مسلمان بھی عورت کو دے رہے ہیں یا نہیں؟ بیوہ عورتوں کے مسئلے کو ہی لے لیا جائے۔ کیا زبانی سلوک کے علاوہ عملی سلوک میں ہمارا معاشرہ بیواؤں کے معاملے میں ہندو معاشرے سے کچھ الگ ہے؟ کیا ہمارے ہاں بھی بیوہ عورت کو منحوس نہیں سمجھا جاتا؟ خاص طور پر خواتین کا رجحان بیواؤں کے معاملے میں کیا ہے؟

ہمیں اس کا جائزہ لینا ہوگا۔ اسے ڈائن کہنا، منحوس کہنا اور سمجھنا اور بطورِ خاص دوسری شادی۔ عورت بیوہ ہو جائے تو اس کی دوسری شادی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس طرف توجہ ہی نہیں دی جاتی۔ صرف چند دین دار گھرانے ہی ایسے ہوں گے جو اس طرف توجہ کرتے ہوں گے ورنہ بیوہ کو یا تو مصیبت سمجھا جاتا ہے یا پھر غیرت کا معاملہ قرار دے کر اسے دوسری شادی کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ابھی تو دوسری کنواریاں بیٹھی ہیں اور یہ ہمارے سروں پر پھر آ کر بیٹھ گئی ہے۔ اور تو اور ماں باپ کے گھر میں بھی اسے وہ محبت نہیں ملتی اور وہ اپنے ہی گھر میں پرائی ہو جاتی ہے۔ غیر شادی شدہ بہنیں ہی اس کا جینا حرام کر دیتی ہیں۔ طعنے مار مار کر اس کا جگر لہو کر دیا جاتا ہے۔

اگر وہ صاحبِ اولاد ہو، ایک یا دو بچے بھی ہوں تو بس...... پھر کوئی اس کا بوجھ اٹھانے کو

Marfat.com

تیار نہیں ہوتا اور اسے کہا جاتا ہے کہ تمہارا بوجھ تو جیسے کیسے اٹھا ہی لیتے اب ان کا کیا کریں۔ خود ماں بیٹی سے کہہ رہی ہوتی ہے کہ تمہارے ابو کا ہاتھ تنگ ہے، وہ بہت پریشان ہیں، تم باہر نکلو کوئی چھوٹی موٹی نوکری کرلو، خود اپنے بچے پالو۔ بہنیں کہتی ہیں کہ اب ہمارے رشتے مشکل ہو جائیں گے۔ اگر لڑکی خوبصورت ہو تو اور زیادہ مصیبت ہو جاتی ہے۔ ہر فرد اسے مفت کا مال سمجھنے لگتا ہے۔ اس کی خوبصورتی ہی اس کی بدنصیبی بن جاتی ہے ۔

اچھی صورت بھی کیا بری شے ہے
جس نے بھی ڈالی، بری نظر ہی ڈالی

ایسے میں اگر گھر میں آیا ہوا کوئی رشتہ غلطی سے اس کی طرف مڑ جائے تو بہنیں قیامت کھڑی کر دیتی ہیں۔ گھر میں رشتے کے لیے مہمان آئیں تو اسے چھپا دیا جاتا ہے، مبادا کوئی اس کا نہ پوچھ لے۔ یہ سب ہمارے مسلمان معاشرے میں ہمارے اپنے گھرانوں میں ہو رہا ہے ۔

وضع میں نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ ہیں مسلمان جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

آخر یہ بیوہ لڑکیاں اور یہ بیوہ عورتیں کہاں جائیں؟ اگر کسی سہاگن کا سہاگ چلا جاتا ہے تو اس سے بڑا دکھ اس کے لیے بھلا اور کیا ہوگا؟ اسے تو مزید توجہ، ہمدردی اور محبت کی ضرورت ہے۔ سسرال والوں کی کوشش ہوتی ہے کہ پہلی فرصت میں اس سے بچے چھین لیں۔ شادی سے پہلے میکے میں لڑکی سے کہا جاتا ہے کہ اپنی خواہشات دبا کر رکھو، شادی کے بعد اپنے ارمان پورے کرنا اور شادی کے بعد اگر میاں بیوی کی بن جائے اور لڑکا اپنی دلہن کے ناز اٹھائے تو کہا جاتا ہے کہ زن مرید اور رن مرید ہو گیا ہے۔

لڑکی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے تو ہمارا لڑکا ہم سے چھین لیا اور شوہر کو پلو سے باندھ رکھا ہے اور اس بے چاری کی خوشی کے یہ دن بھی بعد میں اس کے لیے مصیبت بن

خاندانی نظام ایسے بچائیں

Marfat.com

جاتے ہیں۔ کیونکہ ان ابتدائی دنوں میں ہی اس سے کدورتیں پال لی جاتی ہیں۔ اس کی طرف سے من میلا کرلیا جاتا ہے اور خدانخواستہ جیسے ہی اس کے سر کا سائیں اٹھتا ہے سب کے دل کے پھپھولے پھوٹتے ہیں۔ اس پر دنیا تنگ کردی جاتی ہے اور سسرال میں اس کے بچے چھیننے کی پلاننگ شروع ہوجاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو اور وہ سسرال میں رہ ہی جائے تو آہستہ آہستہ مفت کی نوکرانی بنالی جاتی ہے۔

اگر ایک آدھ بچہ ہو تو میکہ کہتا ہے بچہ دادی اور چچاؤں کو دے دو، ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے، ہم تمہاری دوسری شادی کردیں گے، بچہ کے ساتھ تو کوئی بھی قبول نہیں کرے گا۔ چار بچوں والے مرد بھی چاہتے ہیں کہ کنواری لڑکی سے شادی کریں، کنوارے لڑکوں کی تو بات ہی کیا ہے۔ مرد کے بچے تو لڑکی آکر سنبھالے، مگر لڑکی کے بچے کو کوئی بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔ کیسا دوہرا معیار ہے، کیسی دوہری پالیسی ہے؟ کیسا ظلم اور کیسی سفاکی ہے۔ اگر کوئی دین دار لڑکا یہ ارادہ کر بھی لے کہ وہ کسی بیوہ سے شادی کرے گا تو گھر والے ہی اسے ایسا کرنے نہیں دیتے۔ بہنیں کہتی ہیں کہ ہمارے بھی کچھ ارمان ہیں۔

ماں کہتی ہے اس نے ایک نگل لیا، میرے چاند کو بھی نگل لے گی۔ معصوم ماں یہ نہیں جانتی کہ یہ چاند خود کتنے تارے گل کر آیا ہے۔ اس کا کسی کو پتہ نہیں۔ اگر یہ محاورہ ہمارے ہاں عام ہے کہ......عورت ہی عورت کی سب سے بڑی دشمن ہے، تو ضرور اس میں کچھ نہ کچھ سچائی بھی ہے۔ یہاں نہ عورت، عورت کو جینے دے رہی ہے اور مرد؟......مردوں کے تو کیا کہنے۔

مسلم معاشرے کا بھرکس نکل رہا ہے۔ دوسری طرف مسلم امہ میں ہر طرف ظلم کا بازار گرم ہے اور مرد صبح شام درجنوں کے حساب سے مارے جارہے ہیں۔ قتل کیے جارہے ہیں۔ اغوا کیے جارہے ہیں۔ شہید کیے جارہے ہیں۔ زندہ جلائے جارہے ہیں۔ ذبح کیے جارہے ہیں۔ جوان لڑکیاں بیوہ ہورہی ہیں۔ شام کی بیوہ عورتوں اور لڑکیوں سے شادی پر مصر میں طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ ہمارے ہاں ہر تیسرے گھر میں ایک بیوہ یا مطلقہ عورت اکیلی

Marfat.com

تنہا زندگی سے جنگ لڑ رہی ہے۔ میکے میں بھابیاں واپس آنے والی لڑکی کا وہ حشر کرتی ہیں کہ الامان والحفیظ! وہ بھائی جو لڑکی کی شادی یا اپنی شادی سے پہلے بہنوں کے صدقے واری جاتے ہیں، بہن کی بیوگی اور اپنی شادی کے بعد بیویوں کے پیچھے لگ کر انہیں بھی لگتا ہے کہ گھر چھوٹا ہے اور یہ ہمارا بوجھ بڑھانے آ گئی ہے۔

ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ کیا ہم وہی مقام دیتے ہیں بیوہ بہن کے بچوں کو جو کہ اپنے بچوں کو دیتے ہیں؟ کیا کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، گھومنے پھرنے، باہر آنے جانے اور بچوں کی تعلیم میں ہم اپنی بیوہ بہن کے بچوں کو وہی سب کچھ دیتے ہیں جو کہ ہم اپنی اولاد کو دے رہے ہوتے ہیں۔ اگر بھائی اچھا سلوک کرے بھی تو بھابی دن بھر اپنی زبان عسل، اپنے ناروا سلوک، اپنے نامناسب رویے اور طرزِ عمل سے اس پر ایسا پانی پھیرتی ہے کہ بیوہ بہن سوچتی ہے اس سے تو کچھ نہ لینا ہی بھلا تھا۔ بحثیت مسلمان، بحثیت انسان ہمیں اپنے طرزِ عمل پر غور کرنا چاہیے۔ جواب تک ہو چکا اس پر اللہ سے اور صاحبِ حق سے معافی مانگنی چاہیے۔ آیندہ کے لیے معاشرے کے ان کمزور افراد اور اپنے ہی گھر کے ان ستم رسیدہ انسانوں کے ساتھ اپنے ظالمانہ رویے اور نامناسب سلوک کو حسنِ سلوک اور حسنِ اخلاق سے بدلنا چاہیے، تاکہ اللہ کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو۔

وہ مرد جنہیں اللہ نے ہمت دی ہے، مالی وسعت عطا فرمائی ہے۔ وہ اپنی ازدواجی زندگی کے بعد کسی حادثے کی وجہ سے اب اکیلے ہیں اور تنہائی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ بیوہ اور مطلقہ عورتوں سے شادی کریں۔ اور گھر والوں کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھ کر یہ فریضہ سرانجام دیں۔ یہ کہنا اور سوچنا غلط ہے کہ نئی آنے والی بچوں پر ظلم ڈھائے گی۔

اگر مرد مضبوط ہے اور اسے اللہ کا خوف ہے تو عورت کو ڈھال سکتا ہے۔ وہ اس کے ذہنی رخ اور رجحان کو ٹھیک کر سکتا ہے۔ اس سے بہت ساروں کا بھلا ہو جائے گا۔ اور وہ عورتیں

Marfat.com

اور لڑکیاں جو ایک مرتبہ ٹوٹنے اور اجڑنے کے جانکاہ حادثے سے گزر چکی ہیں، ان سے بھی گزارش ہے کہ نرمی اور حلاوت کو اپنا وطیرہ بنائیں۔ اگر اللہ انہیں دوسرا موقع عنایت فرمائیں تو وہ اخلاق، محبت اور قربانی کی ایسی مثال بن جائیں کہ لوگ بیوہ عورتوں سے خود اور اپنے بچوں کا نکاح کرتے ہوئے کسی خوف، واہمے اور وسوسے کا شکار نہ ہوں۔"

نکاحِ بیوگان کے بارے میں قرآن وحدیث میں واضح طور پر تاکید کی گئی ہے کہ ان کا نکاح کروادیں۔ چنانچہ قرآن کی سورۃ النور کی آیت 32 ہے: "وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ." ترجمہ: "تم میں سے جن (مردوں یا عورتوں) کا اس وقت نکاح نہ ہو، اُن کا بھی نکاح کراؤ، اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے قابل ہوں، اُن کا بھی۔ اگر وہ تنگ دست ہوں تو اللہ اپنے فضل سے اُنہیں بے نیاز کردے گا۔ اور اللہ بہت وسعت والا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔"

اس آیت میں یہ تلقین کی گئی ہے جو بالغ مرد اور عورت نکاح کے قابل ہوں، تمام متعلقین کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اُن کا نکاح ہوجائے۔ یہ اندیشہ نہ کرنا چاہیے کہ اگرچہ اس وقت تو وسعت موجود ہے، لیکن نکاح کے نتیجے میں بیوی بچوں کا خرچ زیادہ ہونے کی وجہ سے کہیں مفلسی نہ ہوجائے، بلکہ جب اس نکاح کی وسعت موجود ہے تو اللہ کے بھروسے پر نکاح کرلینا چاہیے۔ پاک دامنی کی نیت سے نکاح کیا جائے گا تو اللہ آئندہ اخراجات کا بھی مناسب انتظام فرمادے گا۔ اس بارے میں مزید تفصیلات اور معلومات کے لیے جامع البیان، ابن کثیر، خازن وغیرہ تفاسیر دیکھی جاسکتی ہیں۔

اسی بارے میں سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 234 ہے: "وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ

Marfat.com

أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔''

ترجمہ: ''اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں، اور بیویاں چھوڑ کر جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں رکھیں گی۔ پھر جب وہ اپنی (عدت کی) میعاد کو پہنچ جائیں تو وہ اپنے بارے میں جو کارروائی (مثلاً دوسرا نکاح) قاعدے کے مطابق کریں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔'' مفسرین حضرات میں سے خازن اور صاحبِ مدارک نے اس آیت کی تفسیر میں صاف لکھا ہے کہ جس عورت کا خاوند مرجائے تو وہ اپنی عدت گزارنے کے بعد خطبہ (منگنی) کرنے والوں کے لیے بے شک اپنا سنگار بناؤ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی صاف طور پر معلوم ہوا کہ شرعاً بیوہ عورتوں کو نکاح کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ قرآن مجید کی ان آیات سے نکاحِ بیوہ کی اجازت بلکہ کرنے کا حکم صراحتاً معلوم ہو چکا ہے۔

اب اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادت ملاحظہ فرمائیں: «عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّم لَاتُنْكَحُ الْاَ يِّمُ حَتّٰى تُستأمر وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ اِذْنُهَا قَالَ اَنْ تَسْكُتْ.»

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیوہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے مشورہ نہ کرلیا جائے (یعنی وارثوں کو یہ حق نہیں ہے کہ بیوہ کی مرضی کے بغیر جہاں چاہیں اُس کا نکاح کر دیں، بلکہ جہاں وہ خود بھی راضی ہو وہاں کریں) کنواری لڑکیوں کا بھی ان کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کرو۔'' صحابہ کرامؓ نے عرض کی: ''یارسول اللہ! کنواری کی اجازت کس طرح ہوگی؟'' فرمایا: ''کنواری کی اجازت یہ ہے کہ چپ رہے، یعنی اگر چپ رہی تو سمجھا جائے گا کہ راضی ہے۔''

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شریعت اسلامی میں نکاح بیوہ کوئی معیوب چیز نہیں ہے،

Marfat.com

بلکہ نکاح کرنے میں ورثا کو چاہیے کہ بیوہ کی رضا کا لحاظ رکھیں اور اُسی سے پوچھ کر جہاں وہ چاہے وہاں کر دیں۔

اسی طرح دوسری حدیث ہے: «عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: «اَلَا یَبِیْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ اِمْرَاۃٍ ثَیِّبٍ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ نَاکِحًا اَوْ ذَامَحْرَمٍ. (رواہ مسلم)»

ترجمہ: ''حضرت جابرؓ سے روایت کی گئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خبردار! کوئی شخص کسی بیوہ عورت کے ہاں رات نہ ٹھہرے (ہاں، مگر وہ شخص رہ سکتا ہے) جس نے اس بیوہ سے نکاح کرلیا ہے یا وہ شخص جس کا نکاح اس بیوہ سے حرام ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آپ کے ہاں نکاح بیوہ کوئی معیوب چیز نہیں ہے۔ اگر نکاح معیوب ہوتا تو آپ یوں فرماتے کہ بیوہ عورت کے ہاں سوائے محرم اور کوئی شخص نہیں رہ سکتا، یہ نہ فرماتے کہ اجنبی شخص بعد از نکاح ہی ٹھہر سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح گیارہ ہیں۔

ازواج مطہرات کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں: حضرت خدیجہؓ، حضرت زینبؓ بنت خزیمہ، حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اُم سلمہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت صفیہؓ۔ ان گیارہ پاک بیبیوں میں سے سوائے حضرت عائشہؓ کے باقی سب کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرا نکاح ہوا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہیں۔ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت اُم کلثومؓ، حضرت فاطمہؓ۔ ان چار صاحبزادیوں میں سے حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمّ کلثومؓ کا نکاح دوبارہ حضرت عثمانؓ سے ہوا ہے۔ حضرت رقیہؓ کا پہلا نکاح عتبہ سے تھا۔ چونکہ وہ مسلمان نہیں ہوا تھا، اس لیے اس سے یہ نکاح فسخ کرنا پڑا۔ اس فسخ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح دوبارہ حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ اسی طرح اُمّ کلثومؓ کا پہلا نکاح عتیبہ سے تھا۔ چونکہ

Marfat.com

اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا تھا، اس لیے اسے بھی فسخ کرنا پڑا۔ جب رقیہؓ کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ کلثومؓ کا دوبارہ نکاح عثمانؓ سے کردیا۔

برادرانِ عزیز! جس کام کے کرنے کا اللہ حکم دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کی تعمیل کرکے دکھاویں، کیا کوئی مسلمان ایسے کام کو باعث ذلت خیال کرسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کو کوئی شخص اپنی ذِلت خیال کرتا ہے، تو پھر سمجھ میں نہیں آتا۔ کس معنی میں وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے؟ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ.» ترجمہ: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔''

ہمارا عقیدہ ہے ہم خود اپنے مالک نہیں ہیں کہ جو چاہیں کریں اور کوئی باز پُرس نہ ہو۔ نہیں نہیں! بلکہ ہم بندے ہیں۔ ہمیں اپنی ہر نقل وحرکت اور ہر قول وفعل کا حساب اپنے پیدا کرنے والے مالک کو دینا ہوگا۔ قرآن میں ارشاد ہے: «لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ.» ترجمہ: ''جو کچھ اللہ کرتا ہے، اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا اور جو بندے کرتے ہیں اُن سے پوچھا جائے گا۔''

تو میرے بھائیو! جہاں تم سے اور کاموں کے باز پُرس ہوگی، وہاں اِن بیوہ کے متعلق بھی سوال ہوگا۔ جن کی حفاظت ونگرانی اللہ نے تمہارے سپرد کی تھی۔ بتلاؤ! اگر وہاں مندرجہ ذیل سوالات ہوئے تو کیا جواب دوگے؟ اس قسم کے سوالات کا ہونا کوئی بعید نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ.» ترجمہ: ''ہر ایک تم میں سے حاکم ہے اور ہر حاکم سے اپنی رعایا کے متعلق باز پرس ہوگی۔

(1) کیا تم نے فلاں بیوہ عورت مثلاً بیٹی، نواسی، پوتی، بہن، بھانجی وغیرہ کو جو تمہاری

Marfat.com

تحویل میں تھی، اللہ کے حکم کی تعمیل کرنے کی ترغیب دی تھی؟ (2) اگر اس نے انکار کیا تھا تو نورِ ایمان سے کہو کہ آیا اُس کا انکار رسمی تھا یا دل سے تھا؟ اگر تمہارا ضمیر گواہی دے رہا تھا کہ یہ رسمی ہے تو تم نے کیوں انکشاف حقیقت کے لیے پورا زور نہ دیا؟ (3) کیا تم نے اس بے زبان پردہ نشین کے لیے پہلے کی طرح دوبارہ رشتہ تلاش کیا تھا؟ (4) اگر یہ پہلی تینوں باتیں تم نے نہیں کیں تو کیوں؟ کیا تم نکاح ثانی کو عار سمجھتے تھے؟ (5) اگر تم میرے حکم کی تعمیل کو عار اور سیّد المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، تم خود ہی فیصلہ کرو کہ جب تم میرے مخالف رہے اور ساری دنیا و مافیہا سے بڑھ کر میرے پیارے دوست کے مخالف رہے تو اب تم سے دوستوں کا سلوک کیا جائے یا دُشمنوں کا؟

قرآن کی آیت ہے: «اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ.»

ترجمہ: ''جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں۔ آیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں گے جیسا اُن لوگوں کے ساتھ کیا جائے گا، جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کی زندگی اور موت برابر ہوگی۔ جو فیصلہ یہ بدکار کر رہے ہیں، وہ بُرا ہے۔''

(6) اگر تم نے ہمارے حکم کی تعمیل کو ذلت خیال کیا تھا تو بتلاؤ کہ اس بے زبان کے اخلاق کی حفاظت کا پھر کیا طریقہ سوچا تھا؟ (7) اگر بحالت بیوگی مجرد رہنے کے باعث اس مظلومہ سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوا ہے تو چونکہ تم ہی اس غلطی کرانے کے باعث تھے، لہٰذا کیوں نہ تمہیں بھی اس سزا میں شریک کیا جائے جو اس کرنے والی کو ملے گی؟ میرے بھائیو! اگر اللہ کی شہنشاہی عدالت میں تم سے اس جرم کے متعلق بالفرض یہ سوالات ہوئے تو بتاؤ کہ کیا جواب دو گے؟ کیا کسی کے پاس ہے کوئی جواب......؟

Marfat.com

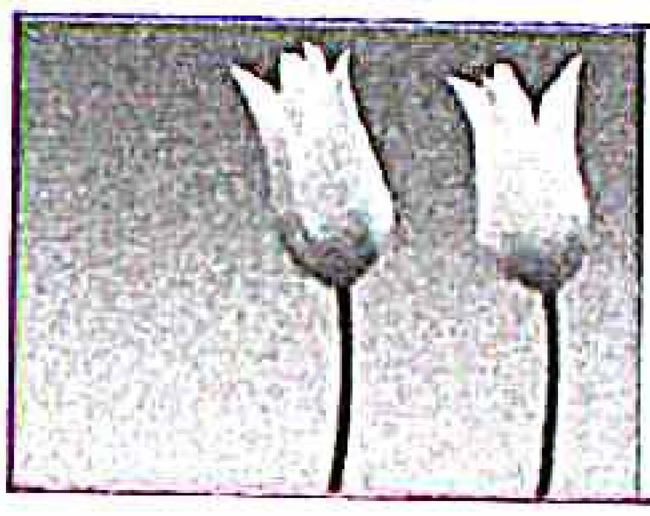

بیوہ خواتین ذرا سوچیں/ دوسری شادی، شجرِ ممنوع

مطلقہ اور بیوہ خواتین ذرا سوچیں! جب تم نے کلمۂ طیبہ «لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰـہِ» پڑھا ہے۔ کفر کی تمام رسموں اور عاروں سے اپنے آپ کو نکال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑا ہے۔ تمہارا یہ ایمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا دامن یعنی تابعداری ہمیں دوزخ سے نجات دے گی اور جنت میں پہنچائے گی...... تو پھر کیا وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نکاح ثانی کرنے کی اجازت بلکہ حکم دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کر کے مسلمانوں کو دکھا دیں جس کے یہ معنی ہوئے کہ نکاح ثانی اسلام میں کوئی عار نہیں ہے، لیکن چونکہ ہمارے پہلے ہندوانہ مذہب میں عار سمجھا جاتا تھا، اس لیے ہم اس سے پرہیز کریں۔

تم خود ہی انصاف کرو کہ آیا تم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا یا کفر اور کافروں کا؟ جب تم نکاح کو عار سمجھتی ہو۔ بتلاؤ! پھر عزت و عصمت کی حفاظت کس طرح کرو گی؟ آیا مردوں میں وہ خوفِ خدا ہے جس کے باعث کسی اجنبی عورت سے بدگمانی دل میں نہ لائیں، یا عورتوں میں عام طور پر وہ اللہ کا ڈر ہے کہ خواہشاتِ نفسانی اور القاءِ شیطانی میں خوفِ خدا غالب ہی رہے۔ بالخصوص اسلامی اصول کے مطابق تو تمہیں تنہائی اور بیوگی کی زندگی گزارنا سخت مشکل اور انتہائی معیوب ہے۔

Marfat.com

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم عورتوں کے پاس اندر جانے سے بچو۔'' ایک شخص نے عرض کی: ''یارسول اللہ! دیور کے متعلق کیا حکم ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''دیور تو موت ہے۔'' (رواہ البخاری و مسلم)

دوسری حدیث شریف میں ہے: حضرت عمرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کوئی شخص کسی عورت (غیر محرم اور غیر شادی شدہ) کے پاس اکیلا نہیں ہوتا، مگر تیسرا ان کے ہاں شیطان ہوتا ہے۔'' یعنی شیطان بُرے خیالات دونوں کے دلوں میں پیدا کر کے زنا کی طرف رغبت دیتا ہے۔

اے مسلمان بہنو! جب سوائے اِن مردوں کے جن کے ساتھ تمہارے نکاح حرام ہیں، کوئی شخص تمہارے ہاں گھر میں نہیں آ سکتا، نہ تم گھر سے نکل کر باہر کسی کے پاس جا سکتی ہو تو بتلاؤ! کتنی بیوہ بہنیں ایسی ہوں گی جن کی خبر گیری کھانے پینے، کپڑے، سودا وغیرہ میں محرم کرتے ہیں؟ اور کتنے گھر ایسے ہوں گے، جہاں سوائے محرم مردوں کے اور کسی کا قدم نہیں آتا؟ جب یہ دونوں باتیں عام طور پر مشکل ہیں تو پھر کیوں نہ وہ سیدھی راہ اختیار کی جائے جس سے اللہ بھی راضی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی یاد تازہ بھی ہو جائے۔ دنیا میں زندگی آرام سے گزرے اور عزت بھی محفوظ رہے اور اخلاق بھی پاک رہیں۔ دل بھی شیطانی وسوسوں سے صاف رہے۔

اصل بات یہ ہے کہ کفار کی جن رسموں سے ہم بری طرح ڈسے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک بیوہ کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھنا بھی ہے۔ تقریباً ہر خاندان میں بیواؤں کی موجودگی پائی جاتی ہے، لیکن ہزاروں میں سے کوئی ایک بیوہ ہوگی جس کا نکاح ثانی ہو۔ عموماً عورتیں سخت قسم کی جہالت کا شکار ہوتی ہیں۔ بس ان کے سامنے اپنے علاقائی معاشرہ اور برادری کا دستور ہی آخری سند ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر نکاح ثانی کی چاہت وعمر رکھنے کے باوجود وہ بیوگی کی مظلومانہ اور غموں سے بھری زندگی گزارنے کو اپنی قسمت

Marfat.com

کا حصہ سمجھ بیٹھتی ہے۔

میری ہزاروں مسلمان بہنیں ایسی ہیں کہ عین جوانی میں ان کی خاوندوں سے جدائی ہوگئی، لیکن ان کے جاہل اور ضدی ورثا نے انہیں نکاح ثانی کی اجازت نہیں دی۔ اس میں اپنی ذلت سمجھی۔ دنیا کی ہر شے فانی ہے، لہٰذا خاوند کی جدائی کا غم بھی جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے مدھم ہوتا جاتا ہے، بالآخر ختم ہوجاتا ہے۔ اب نکاح ثانی کی چاہت اگرچہ اس میں ہو، مگر علاقے اور برادری کے ماحول سے وہ اس قدر مرعوب ہوتی ہے کہ نکاح ثانی کا نام لینا اس کے لیے موت قبول کرنے کے مترادف ہے۔ کافروں کی ایک رسم تو نکاح ثانی کو معیوب سمجھنا ہے اور دوسری رسم جاہلانہ ذہن میں یہ پایا جانا ہے کہ عورت پرایا مال ہے۔ یہ بات صرف مقولے کی حد تک نہیں بلکہ اسے عملی جامہ پہنائے رکھتے ہیں۔

بایں طور کہ اگر خاوند مرجائے تو میکے والے کبھی عورت کی سرپرستی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ بس اب یہ جانے اور اس کے سسرال! ہم نے جب ان کو دے دی ہے تو اب یہ انہی کا مال ہے۔ ادھر مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ ننانوے فیصد بلکہ سو فیصد آج اسلام کے نام لیواؤں کے گھروں سے شرعی پردہ رخصت ہوچکا ہے۔ یوں بیوہ عورت اب ایسے ماحول میں پھنس چکی ہے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگو! عورتوں کے پاس (بے حجابانہ) آمدورفت نہ رکھو تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دیور کے بارے میں کیا فرمان ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیور تو موت ہے۔'' بیوہ عورت بے پردگی کے ماحول میں غیرت اور عزت کے لحاظ سے موت کا شکار ہوجاتی ہے۔ دیوروں کی باندی، لونڈی شمار ہوتی ہے۔ وہ سارا معاملہ وہی کرتے ہیں جو باندیوں سے ہوتا تھا۔

شرعی طریقے پر دوسرا نکاح پہلی بیوی نہیں کرنے دیتی، گھر میں جھگڑا پیدا ہوجاتا ہے۔

Marfat.com

پہلی بیوی کے میکے والے بھی دھمکیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ غیرت مند دیور ''حمية الجاهلية'' کی بنا پر اپنی بیوہ بھابھی کو نکاح ثانی کی اجازت کبھی نہیں دیتے بلکہ اگر کوئی اس کو نکاح کا پیغام بھیجے تو اس سے دشمنی بنا لیتے ہیں کہ اس نے ہماری غیرت کو للکارا ہے۔ اس الٹی غیرت کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ خود بے غیرتی میں زندگی گزار دیتے ہیں، حالانکہ بیوہ عورت پر دیوروں کا کوئی حق نہیں۔

یہ جاہلیت کا دستور تھا جس کی قرآن میں اصلاح کی گئی ہے، چنانچہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جاہلیت کا دستور تھا جب کوئی شخص مرجاتا تو مرد کے اولیاء ہی بیوہ عورت کے حق دار ٹھہرتے، چاہتے تو خود نکاح کر لیتے۔ چاہتے تو دوسری جگہ نکاح کروا دیتے اور چاہتے تو کسی سے اس کا نکاح نہ ہونے دیتے تھے۔ عورت کے گھر والوں کے بجائے وہی عورت کے حق دار ٹھہرتے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: «يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا.» ترجمہ: ''اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو۔'' (سورۃ النساء، آیت نمبر 19)

علمائے کرام اور خطباء کی شرعی ذمہ داری ہے کہ عوام کو بیواؤں کے نکاح ثانی کا مسئلہ سمجھا کر صنف نازک کو مظلومیت سے نجات دلانے کی فکر و کوشش کریں۔ یوں عنداللہ ماجور ہوں اور لاکھوں بیواؤں کی ناموس کی حفاظت کی وجہ سے انہیں ظلم و جہالت کے اندھیروں سے نکالنے کی وجہ سے ان کی دُعاؤں کے بھی مستحق ٹھہریں۔

آخر میں ہم تو صرف دُعا ہی کر سکتے ہیں کہ اے مقلب القلوب! تیری ذات پاک ہر بات پر قادر ہے، تو ہی بیوہ عورتوں کے وارثوں کو طاقتِ ایمانی عطا فرما۔ جس سے وہ تیرے اس حکم کی تکمیل کرنے میں شیطانی وسوسوں اور کفر کی رسموں کو توڑ سکیں۔ اے ارحم الراحمین! تو ہی ان بیوہ عورتوں کے دلوں میں ایمان کی برکت دے جس سے وہ تیرا حکم ماننے میں پس و پیش نہ کریں۔ جس سے ان کی دنیا کی عزت بھی محفوظ رہے اور اخلاق بھی

Marfat.com

درست رہیں۔

قارئین! ذرا سوچیے! وہ بھارت جہاں بیوہ کو منحوس سمجھا جاتا تھا اور ان کے نکاح کے بارے میں سوچنا بھی مشکل تصور ہوتا تھا، جب وہاں پر نکاحِ بیوگان کو رواج دینے کے لیے حکومتی سطح پر امدادی پیکیج کا اعلان کیا جا رہا ہے تو پھر ہم پیچھے کیوں ہیں؟ اس وقت پاکستان میں لاکھوں کی تعداد میں بیوہ، طلاق یافتہ اور بے سہارا عورتیں ہیں، ان کو سہاروں اور جیون ساتھیوں کی تلاش ہے۔ صاحبِ ثروت اور صروت مندوں کو چاہیے کہ وہ ان سے عقدِ ثانی کریں، انہیں سہارا دیں۔ اسی میں دونوں کی دونوں جہانوں میں فلاح و نجات ہے۔

چند دن قبل اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین نے کہا کہ دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت ضروری نہیں، اس پر بہت سے لوگوں نے ناک بھوں چڑھائی۔ دوسری شادی کو شجر ممنوع بنایا گیا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ہمارے ایک دوست نے دوسری شادی کی۔ انہوں نے بیک وقت تین سنتوں کو زندہ کیا۔ ایک دوسری شادی کی۔ دوسرا بیوہ سے نکاح کیا۔ تیسرا سنت کے مطابق سادگی سے کیا۔ آج کل یہ تینوں سنتیں متروک ہوتی جا رہی ہیں۔

دوسری شادی کو قیامت صغریٰ سے کم نہیں سمجھا جاتا۔ دوسری شادی کرنے والے پر طرح طرح کے اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ پہلی بیوی اور اس کے گھر والے تو سمجھتے ہیں کہ شاید کوئی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرلیا ہے۔ ایک دوست کا کہنا ہے ہمارے ہاں کا ماحول کچھ ایسا بن گیا ہے کہ دوسری شادی کو جرم سمجھا جانے لگا ہے۔

اس حوالے سے انہوں نے ایک شخص کا تجربہ بتایا کئی سال پہلے انہوں نے اپنی پہلی بیوی کی علالت کی وجہ سے دوسری شادی کا ارادہ کیا تو اس کے مثبت اور منفی دو نتائج نکلتے تھے۔ مثبت نتیجہ یہ نکلا پہلی بیوی بھلی چنگی ہو کر کھڑی ہوگئی کہ مجھے تو کچھ بھی نہیں۔ منفی نتیجہ یہ

خاندانی نظام ایسے بچائیں

Marfat.com

نکلا کہ رشتہ داروں نے طعنے دے دے کر جینا دوبھر کر دیا۔ جب اپنے علاقے میں گیا تو ان میں سے بعض پوری سنجیدگی سے کہتے تھے ہم تو آپ کو شریف آدمی سمجھتے تھے اور آپ یہ نکلے! اسی طرح ایک مدرسے کے استاذ الحدیث جو کہ مجاز بیعت بھی تھے، انہوں نے دوسری شادی کر لی تو کئی مریدوں نے بیعت توڑ دی۔

ایک مریدنی نے خط لکھا: ''پہلے میں تہجد میں آپ کے لیے دعا کیا کرتی تھی، اب بددعا کرتی ہوں۔'' ایک صاحب ثروت ان کے گھر میں راشن دیا کرتے تھے، اب اس نے راشن دینا بند کر دیا۔ کئی دوسرے دوستوں نے قطع تعلق کر لی۔ یہ ایک واقعہ نہیں اس جیسے بے شمار واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے بعض لوگ جہالت اور مغربی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ایک سے زائد شادی کو گناہ سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن کی نصوص، حدیث کی تصریحات، انبیائے کرام کے حالات، صحابہ کرامؓ کی سیرت، قدیم اور جدید مشاہدات و تجربات اور عقلی و نقلی دلائل سے نہ صرف تعدد ازواج کا ثبوت ملتا ہے بلکہ اس مٹی ہوئی سنت کو زندہ کرنے کے فوائد اور اس سے اعراض کے نقصانات سامنے آتے ہیں۔

دوسری، تیسری اور چوتھی شادی کرنے والے کو عیاش اور شہوت پرست سمجھا جاتا ہے، مگر کیا محض رسم و رواج اور طعن و تشنیع کے ڈر سے اللہ اور رسول کے حکموں کو نظرانداز کر دیا جائے گا؟ خواہ اس کے نتیجے میں لاکھوں بیٹیاں بے نکاحی بیٹھی رہیں۔ بدکاری عام ہوتی رہے۔ کون نہیں جانتا فطرتاً مرد تعدد پسند ہے۔ اس کے اس فطری تقاضے کو پورا کرنے کے لیے کچھ لوگ متعہ کو جائز قرار دینے کی باتیں کرتے ہیں۔ بعض عرب ممالک میں ''نکاح یسیر'' کے جواز کی بات چل رہی ہے۔ اہل مغرب نے مردوں کو کھلی چھٹی دیدی ہے کہ وہ ہر رات نئی عورت کے ساتھ گزار سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں اکثر مرد ایک ہی بیوی کے ساتھ پوری زندگی گزار دیتے ہیں اور اس پر مطمئن رہتے ہیں، مگر ہر مرد ایسا نہیں ہوتا۔ بے شمار ایسے بھی ہیں جو تعدد چاہتے ہیں۔ شریعت انہیں اجازت بھی دیتی ہے، مگر وہ

Marfat.com

پہلی بیوی یا اپنے خاندان اور معاشرے کے عام افراد کے طعنوں کے ڈر سے دوسری شادی نہیں کرتے، پھر یا تو دل ہی دل میں کر لیتے ہیں یا پھر ناجائز تعلقات کا راستہ اختیار کرتے پھرتے ہیں۔

اسلام فطری اور جائز راستہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اپنے خیالات کے مطابق، دو دو، تین تین اور چار چار شادیاں کر لو۔ سورۂ نساء میں ہے: ''پس نکاح کرو ان عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے، پس اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے کرو۔ یا پھر ان باندیوں پر اکتفا کرو جن کے تم مالک ہو۔'' اس آیت کریمہ میں اللہ نے گنتی کو ایک سے نہیں بلکہ دو دو، تین تین اور چار چار شادیوں سے شروع کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل حکم ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا ہے، البتہ اگر کوئی عدل نہ کر سکتا ہو تو وہ ایک پر بھی اکتفا کرے۔'' ایک صاحب کا خیال ہے ایسی جماعت تشکیل دی جائے جو نہ صرف تعدد ازواج جیسی مٹی ہوئی سنت کو زندہ کرنے کی تحریک چلائے بلکہ شریعت کے حکم کے مطابق وراثت کی تقسیم پر بھی مسلمانوں کو آمادہ کرے۔

Marfat.com

3 / 7

دوسری شادی کے فوائد/ کچھ مانیں، کچھ منوائیں

پوری دیانت داری سے فحاشی کا راستہ روکنے اور بے نکاحی خواتین کو دربدر کی ٹھوکریں کھانے اور اپنوں اور غیروں کے طعنے سننے سے بچانے کے لیے ہر اس شخص کو ایک سے زائد شادی کرنی چاہیے جس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ وہ سب کے حقوق ادا کرسکتا ہو، عدل کرسکتا ہو، جس کا خیال ہو کہ تعدد کی وجہ سے میرے گھر کا سکون تباہ نہیں ہوگا۔

گھر کے سکون کو تباہی سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلی بیوی کی ذہن سازی کی جائے، اسے یقین دلایا جائے کہ اس کی حق تلفی نہیں ہوگی۔ اس کی تھوڑی سی قربانی سے ایک بے نکاحی کا گھر بس جائے گا۔ جب قربانی کی بات کرتے ہیں تو لوگوں کی نظر صرف اس قربانی کی طرف جاتی ہے جو پہلی بیوی دیتی ہے یا جو دوسری بیوی بننا قبول کرتی ہے حالانکہ قربانی صرف عورت کی نہیں ہوتی مرد کی بھی ہوتی ہے۔ وہ مرد قابل تعریف ہے جو حلال روزی کما کر دو گھروں کو آباد کرتا ہے۔ کسی ایک کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا ارتکاب نہیں کرتا۔ عام طور پر اسے مرد کی عیاشی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے حالانکہ عیاشی تو تب ہوتی جب وہ نکاح کے بغیر ادھر ادھر منہ مارتا اور اپنے اوپر کوئی ذمہ داری نہ لیتا۔

دوسرے نکاح کی صورت میں بیوی اور پھر اس سے پیدا ہونے والے بچوں کی تربیت اور پرورش کا بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پر اُٹھانے والے کو کیسے عیاش کہہ سکتے ہیں؟ اگر

Marfat.com

عیاشی کا طعنہ دیے بغیر کسی کو سکون نہیں ملتا تو عرض کریں گے اگر یہ عیاشی ہے تو شریعت کے دائرے میں ہے اور اس کی اجازت خود اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے، مگر سخت اندیشہ ہے کہ کل کلاں پہلی شادی کو بھی عیاشی یا کچھ اور قرار دے کر قابل نفرت عمل نہ بنا دیا جائے۔ مغربی تہذیب کے علمبرداروں کی یہی کوشش ہے وہ نکاح جیسا مبارک عمل ختم کر کے حرام کاری کو فروغ دیں۔

ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہم نکاح کو آسان اور زنا کو مشکل تر بنا دیں۔ تعددِ ازواج بھی اس سلسلے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ مردوں میں ''کثیر الازواجی'' کو فروغ دیا جائے بلکہ ایسا ماحول بنا دیا جائے کہ کوئی بھی خاتون خواہ وہ کنواری ہو یا مطلقہ اور بیوہ بغیر شوہر کے نہ رہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ نکاح کرنا چاہتی ہو۔ اگر اپنے بچوں کا مستقبل بنانے اور سر چھپانے کا ٹھکانہ حاصل کرنے کے لیے مطلقہ اور بیوہ کو اپنے بعض حقوق سے دستبردار بھی ہونا پڑے تو ہو جانا چاہیے ورنہ ممکن ہے اسے زندگی بھر اپنوں اور غیروں کے طعنے سننا پڑیں۔ زکوٰۃ خیرات پر گزر بسر کرنی پڑے کیونکہ عوام کے ذہنوں میں یہ بات تقریباً راسخ ہو چکی ہے کہ جو بیوہ ہوتی ہے وہ زکوٰۃ کی مستحق ہوتی ہے۔

دوسری اور تیسری شادی کے بے شمار فوائد ہیں۔ بعض اوقات مرد کی شہوت ایک عورت سے پوری نہیں ہو پاتی۔ اللہ نے مرد کو فطرتاً طاقتور اور عورت کو کمزور بنایا ہے۔ دوسرا نکاح کر لینے سے جنسی ہیجان کم ہو جاتا ہے۔ یہ جنسی ہیجان انسان کی اخلاقی زندگی کا ایک ہلاکت خیز مرحلہ ہوتا ہے جو اپنے سکون کی خاطر مذہب واخلاق کی ہی نہیں شرافت وانسانیت کی بھی ساری پابندیاں توڑ ڈالنے سے گریز نہیں کرتا، مگر جب اس کو جائز ذرائع سے سکون مل جاتا ہے تو پھر یہ پابند اعتدال ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جائز ذریعہ صرف نکاح ہی ہو سکتا ہے۔ دوسرا نکاح کرنے سے گھر بستے ہیں۔ گھریلو زندگی میں سکون واطمینان

Marfat.com

کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ گھریلو زندگی کے اس اطمینان وسکون کے ذریعہ حیات انسانی کو فکر وعمل کے ہر موڑ پر سہارا ملتا ہے۔

دوسرے نکاح کے ذریعہ سے کنبہ بڑھتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو مضبوط وزبردست محسوس کرتا ہے۔ وہ معاشرے میں اپنے حقوق ومفادات کے تحفظ کے لیے اپنا رعب داب قائم رکھتا ہے۔ نکاح کرنے سے نفس مجاہدہ کا عادی ہوتا ہے کیونکہ گھربار، اہل وعیال کی خبر گیری، نگہداشت، حفاظت اور دیکھ بھال کے سلسلے میں مسلسل جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ اس مسلسل جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بے عملی اور لاپرواہی کی زندگی سے دور رہتا ہے جو اس کے لیے دنیاوی طور پر بھی نفع بخش ہے۔ اس کی وجہ سے وہ عبادت وطاعات میں بھی چاق وچوبند رہتا ہے۔ اسی کے ذریعہ صالح ونیک بخت اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کسی شخص کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ اس کی صالح اور نیک اولاد ہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ نہ صرف دنیا میں سکون واطمینان اور عزت ونیک نامی کی دولت حاصل کرتا ہے بلکہ اخروی طور پر بھی فلاح وسعادت کا حصہ دار بنتا ہے۔

دنیا میں موجود فیملی یونٹ کا مطالعہ اگر جانوروں اور پرندوں میں کیا جائے تو جتنی دیر بھی کسی جوڑے کو اس کی ضرورت ہوتی ہے اس گھونسلے، غار، کھوہ یا زیر زمین بنے گھر کی دیکھ بھال مادہ کے ذمے ہوتی ہے جسے یہ سب کرنے کی تعلیم اللہ نے جبلت میں عطا کر دی ہوتی ہے۔ انسانوں کے ہاں بھی اگرچہ کسی خاندان کا سربراہ عمومی طور پر مرد ہوتا ہے، لیکن گھر میں خاتون ہوتی ہے۔ صدیوں سے اسے اس عظیم ذمہ داری کی تعلیم گھر، ماحول اور معاشرے کے بزرگوں سے ملتی رہی اور اسی خاندان نے اس ادارے کی بنیاد کو کبھی ہلنے نہ دیا۔ جب تک یہ اپنے اس کام میں طاق رہی صدیاں گزر گئیں، لیکن خاندان کا ادارہ بکھرنے نہ پایا۔ دوسری بات یہ کہ ہمارے معاشرے میں بیوہ گان اور مطلقہ سے نکاح کو معیوب سمجھا جانے لگا ہے حالانکہ شریعت میں بیوہ سے نکاح کی فضیلت بھی آئی ہے۔

Marfat.com

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا نکاح بیوہ عورت ہی سے کیا تھا۔ آج بھی عرب ممالک میں مطلقہ اور بیوہ عورت سے شادی کو معیوب نہیں سمجھا جاتا بلکہ کنواری کی طرح عرب بیوہ سے بھی برضا و رغبت اور خوشی سے نکاح کرتے ہیں۔ ہمارے برادرِ نسبتی مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہاں پر بیوہ اور مطلقہ عورتوں کے نکاح اور کنواری لڑکی سے شادی دونوں کی ایک ہی طرح ایک ہی جیسی خوشی سے کی جاتی ہے۔ گزشتہ دنوں ہمارے ہاں ایک شادی کروانے والے ادارے کے سربراہ آئے۔ انہوں نے بتایا کہ ایک سال کے دوران ہم نے 80 بیوہ اور مطلقہ عورتوں کی شادی کروائی۔ ان 80 میں سے 48 مطلقہ عالمات تھیں طلاق کی وجوہ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ قدر مشترک وجہ عالمات کا شوہر کی خدمت نہ کرنا، کھانا پکانے سے ناواقفیت اور گھریلو معاملات سے عدم توجہی تھی۔

اس پس منظر و پیش منظر میں ہم سمجھتے ہیں ایک ایسے تعلیمی ادارے کی سخت کمی ہے جو ایک ایسے تعلیمی سلسلے کا آغاز کرے جو اس خاندان کے ادارے کی خاتون کو اسلام کے بتائے گئے اصولوں کے مطابق ماں، بیٹی، بیوی اور بہو کو اعلیٰ اقدار سکھائے۔ اس کے ساتھ ساتھ خاندان کے جدید ترین تقاضوں کو سمجھنے کی بھی تعلیم دے۔ اسے بچے کی پیدائش سے پہلے سے لے کر پیدائش تک اور بچپن سے لے کر جوانی تک تمام مراحل کا بخوبی علم ہو۔ اسے بچے کی نفسیاتی اور انسانی ارتقا کی تمام منازل کی تھیوریز پر عبور ہو۔ اس کو بچوں کے تعلیمی رجحان کے لیے کسی ماہر سے رجوع نہ کرنا پڑے۔ اسے نرسنگ کے بنیادی علم کا ادراک ہو۔

اس کے پاس بچوں کی تعلیمی استعداد اور ذہنی صلاحیتوں کے مطابق میدان علم بتانے اور دیگر مسائل کا علم ہو۔ اسے بڑھاپے کی نفسیات اور بوڑھوں کی دیکھ بھال کا علم ہو۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گھر کی معاشی منصوبہ بندی کیسے کی جاتی ہے؟ کفایت شعاری سے کس طرح کام لیا جاتا ہے؟ شوہر کی خدمت کیسے کی جاتی ہے؟ کھانا پکانا، مہمانوں کی تواضع، ساس سسر سے ڈیلنگ، سلائی کڑھائی، صفائی ستھرائی...... پورے گھر کی ذمہ داری کس طرح نبھانی ہے؟

Marfat.com

پہلے زمانے میں تعلیم سے زیادہ بچوں اور بچیوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ بچیوں کو خصوصی طور پر گھریلو معاملات سکھائے جاتے تھے۔ دادیاں اور نانیاں اپنی پوتیوں اور نواسیوں کی تربیت پر خصوصی نگاہ رکھتی تھیں۔ جب یہ بچیاں بیاہ کر جاتیں تو گھر جنت بن جاتے تھے۔ دینی و دنیاوی اعتبار سے مثالی گھرانے ہوتے تھے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ صبر و تحمل سے بھی کام لیتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ مال و دولت، حرص و ہوس نہ ہونے کے برابر تھا۔ غربت کو کبھی بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں آڑ نہ سمجھا جاتا تھا۔ صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے غمگسار اور ساتھی ہوتے تھے، لیکن آج جب حالات یکسر بدل گئے ہیں۔ اخلاق، تعلیم اور مقصدِ زندگی ہی تبدیل ہوگیا ہے۔

اندریں حالات یہ ادارہ ان تمام علوم کو اس تعلیم میں شامل کرے جس سے اس خاندان کی فلاح اور بہتری وابستہ ہو۔ جب تک ایسا ادارہ قائم نہیں ہوجاتا اس وقت تک بنات کے ہزاروں مدارس و جامعات میں یہ کام ہنگامی بنیادوں پر شروع کیا جاسکتا ہے۔ بنات کے مدارس و جامعات میں گھریلو انتظام، سلائی، کڑھائی، کھانا پکانا، رہن سہن، چال چلن، شوہر کی خدمت اور سسرال سے برتاؤ کے حوالے سے لازمی مضامین شامل کرنے چاہییں بلکہ ایک پورا سال اس کے لیے وقف ہونا چاہیے۔ گزشتہ دنوں جاری ہونے والی وفاق المدارس کی ایک رپورٹ کے مطابق وفاق المدارس کی ابتدا سے اب تک فارغ التحصیل ہونے والے علماء کی تعداد 95 ہزار 71، عالمات کی تعداد 99 ہزار 94 ہیں۔ گویا دینی مدارس سے فارغ التحصیل طالبات کی تعداد طلبہ سے بڑھ چکی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ عالمات میں طلاق کی شرح بھی زیادہ ہے۔

میں اپنی عالمات بہنوں اور بیٹیوں سے درخواست کروں گا وہ اپنے گھر بسانے کی ہر ممکن

Marfat.com

کوشش کریں۔ ہر عالمہ کے لیے ضروری نہیں کہ اس کا شوہر بھی عالم فاضل اور نیک صالح بھی ہو۔ شوہر خواہ کیسا بھی ہو، اس کے ساتھ نبھا کریں۔ ''کچھ مانیں اور کچھ منوائیں'' کے فارمولے پر عمل کریں۔ شوہر کے ساتھ مختلف امور پر کمپرومائز کریں۔ اسی طرح بیوہ اور مطلقہ خواتین کو چاہیے کہ وہ دوسرے نکاح میں شرم و عار محسوس نہ کریں، بلکہ مختلف وجوہ اور حالات کی بنا پر ان کے لیے دوسرا ہی بہتر ہے۔

اگر عرب ممالک کی طرح ہمارے ہاں بھی عقد ثانی رواج پا جاتا ہے اور معاشرے میں اس کو حقیر نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا تو ان شاء اللہ چند ہی سالوں میں کوئی بے نکاحی عورت نہ رہے گی۔ ایک دوست نے ایک عالمہ مطلقہ سے عقدِ ثانی سادگی سے کر کے دوسری مثال قائم کردی ہے۔ الحمدللہ! یہ تینوں خاندان خوش وخرم ہیں۔ ہمیں قوی امید ہے اب یہ سلسلہ رواج پکڑے گا۔

باقی رہی بات روٹی روزی کی تو ہمارا یقین ہے کہ رزق عورت کا مقدر ہوتا ہے۔ ایک صحابیؓ نے اپنی غربت کی شکایت آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپؐ نے فرمایا: ''شادی کرلو۔'' پھر کی تو پھر یہی فرمایا کہ شادی کرو۔ دیکھیے! کھانے کو نہیں ہے، غربت ہے، لیکن آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شادی کرلو۔'' ہم نے اپنی زندگی میں دو شادی یا تین شادی والے کو خوشحال ہی دیکھا ہے۔ ایسا ضرور ہوا کہ ایک شخص پہلے غریب اور مفلس تھا، لیکن شادی کے بعد خوشحالی آگئی۔ رزق کے دروازے کھل گئے۔ وارے نیارے ہوگئے۔

تیسری چیز سادگی کو رواج دینے کی ہے۔ نکاح کی تقریبات مسجد میں ہونی چاہیے اور ولیمہ خاص خاص رشتہ داروں اور دوست احباب میں۔ حضرت فاطمہؓ کے نکاح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص صحابہؓ کو ہی بلایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا نکاح کے موقع پر اپنے بہت ہی قریبی اور خاص خاص احباب کو بلانا چاہیے۔ اب وہ خاص چاہے رشتہ کے اعتبار

Marfat.com

سے ہوں، پڑوس کی وجہ سے ہوں، محبت وتعلق کی وجہ سے ہوں یا دوست احباب ہوں۔

اس میں بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس نکاح کا اعلان ہوجائے۔ ان سب کے علم میں آجائے فلاں کا نکاح فلاں کے ساتھ ہوگیا ہے۔ یہی اس کا مقصود اصلی ہے۔ یہ نہیں کہ یہ اتنا بڑا اور اتنا اہم خوشی کا موقع ہے اگر ہم دوسروں کو نہیں بلائیں گے تو انہیں گلہ شکوہ ہوگا اور وہ روٹھ جائیں گے اور ان کو پھر منانا پڑے گا، لہٰذا اس موقع پر ان کو بلانا بہت ضروری ہے، ان کے بغیر تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ کوئی تصور نہیں بلکہ صحیح تصور اور تعلیم یہ ہے کہ یہ موقع نکاح کے اعلان کا ہے۔ اس اعلان کی زیادہ ضرورت خاص خاص لوگوں کو ہے جو ہر دکھ سکھ کے ساتھی ہیں، تاکہ ان کے علم میں آجائے کہ کس لڑکی کا نکاح کس لڑکے کے ساتھ ہوا ہے اور وہ بے فکر ہوجائیں۔

اسی طرح دکھلاوا اور نام ونمود سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔ ہر کام میں اللہ کے احکام اور اس کے رسول کی سنت کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ ایک انسان دوسرے سے کلی طور پر کبھی بھی خوش نہیں ہوسکتا۔ آپ ہزاروں جتن کرلیں، لیکن چھوٹی سی بات پر ایسے ناراض ہوتے ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے صدیوں کے بچھڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے انسانوں کو خوش کرنے کے بجائے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی رکھنے کی کوشش کریں۔

دنیا میں دو طرح کے علم ہیں۔ ایک وہ جو اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے بھیجا، انسان کا مقصد حیات بتایا، رشتوں کی پہچان سکھائی، معاشرتی ذمہ داریوں کا احساس دلایا اور اخلاقی قدروں کا تعین کیا۔ اسی لیے پسماندہ ترین اور ترقی یافتہ دونوں خطوں میں، سچ، انصاف، دیانت، رحم، حسن سلوک، احترام، شفقت جیسی اقدار ایک جیسی ہی ملیں گی۔ دوسرا وہ علم جو انسان نے آثار قدیمہ وغیرہ سے حاصل کیا ہے۔ اس کی بنیاد وحی کے بجائے عقل پر ہے۔ اگر گھروں میں دونوں قسم کی تعلیمیں ہوں، دونوں کی رعایت کی جائے تو گھر جنت بن جائیں۔ میاں بیوی گاڑی کے دو ٹائروں کی طرح ہوتے ہیں۔ ایک کے پھس، پنکچر یا ٹیڑھا

Marfat.com

میڑھا ہونے سے گاڑی رک جاتی ہے۔

ہم اس تحریر کے توسط سے نوجوان علما، فاضل عالمات اور دیندار طبقے سے خصوصی طور پر درخواست کرتے ہیں کہ وہ افہام و تفہیم کا ماحول پیدا کریں۔ تازہ دم شوہروں کو چاہیے کہ وہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈریں۔ ان کے حقوق کا ہر لحاظ سے خیال رکھیں۔ عورتوں خصوصاً عالمات کو چاہیے کہ وہ اپنے علم پر گھمنڈ کرنے کے بجائے شوہر...... خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو...... کا بے حد ادب واحترام کریں۔ ان کی ہر قسم کی خدمت کو شعار بنائیں۔

والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں اور بچیوں کی شادیاں سادگی اور سنت کے مطابق کریں۔ یہود و نصاریٰ کی تہذیب و ثقافت اور ہندوانہ رسومات چھوڑ چھاڑ کر سادگی اور مسنون طریقے کو رواج دیں۔ بیوگان اور مطلقات کو چاہیے کہ وہ اپنے بوڑھے والدین پر بوجھ بننے کے بجائے کسی ضرورت مند سے نکاحِ ثانی کریں۔ ہمارے معاشرے میں بیوہ اور مطلقہ سے پہلی شادی کرنے والے مرد خال خال ہی ہیں۔

اکثر مطلقہ اور بیوہ گان کے بارے میں سنا ہے کہ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے، وہ ایسے مرد سے شادی کریں جن کا پہلے نکاح اور شادی نہ ہوئی ہو اور کنوارہ مرد کسی بھی صورت بیوہ اور مطلقہ سے شادی کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ ہم سمجھتے ہیں ہمارے معاشرے میں مرد اور عورت دونوں انتہاء پسندی سے کام لے رہے ہیں۔ کنوارے مرد کا بیوہ اور مطلقہ سے شادی کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں بلکہ اس کو رواج دینا چاہیے۔ اسی طرح بیوہ اور مطلقہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے مردوں کو ترجیح دیں جو ان سے عقد ثانی چاہتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اس دور میں عقد ثانی، بیوہ اور مطلقہ سے نکاح اور سادگی سے شادیاں کرنے کو زیادہ سے زیادہ رواج دینا چاہیے...... ورنہ نکاح مشکل سے مشکل تر اور زنا آسان سے آسان تر ہوتا چلا جائے گا۔ مغربی دنیا اور اسلام دشمن طاقتوں کی پوری کوشش ہے کہ مسلمانوں میں فحاشی و عریانی، شراب و شباب، سود، حرام خوری اور زنا عام کر دیا جائے۔

Marfat.com

3 / 8

تعدد ازواج اور پل صراط/ تیسری شادی سوچ سمجھ کر کریں

عقدِ ثانی اور تعدد ازواج کے موضوع پر قرآن و حدیث اور اکابر کی سوانح سے مزید دلائل پیش کیے جاتے ہیں تا کہ بات کھل کر سامنے آجائے۔ جب ہم نے اس موضوع پر مطالعہ شروع کیا تو حیران رہ گے۔ کتابوں کی ورق گردانی کے دوران انکشافات بھری ایک رپورٹ ہتھے چڑھ گئی۔ یہ ایک انگریز جاسوس کی یادداشتوں کا ترجمہ تھا۔

اس میں اس نے اقرار کیا تھا اسے اور اس کے ساتھ بھیجے گئے جاسوسوں کے دوسرے گروپ کو ایک خاص ہدف دے کر بھیجا گیا تھا، وہ مسلم معاشرے میں درجہ بدرجہ مرحلہ وار تین اہداف پر کام کریں۔ سب سے پہلے تعدد ازدواج یعنی ایک سے زیادہ شادیوں کے بابرکت عمل کو مسلمانوں میں معیوب اور باعثِ عار بنائیں۔ نمبر دو، اس کے بعد کثرتِ اولاد کے رجحان اور اس پر فخر و افتخار کی حوصلہ شکنی کر کے مسلم آبادی کو کم سے کم سطح پر لانے کی کوشش کریں۔ نمبر تین، اس کے بعد نکاحِ مسنون کے بجائے بغیر نکاح کے مختلف شیطانی اور مغربی ناموں سے مرد و عورت کے اکٹھے رہنے کا رواج ڈالیں۔

اگر دیکھا جائے تو مغربی معاشرے میں یہ تینوں مرحلے کامیاب ہو چکے ہیں۔ اب ان کے تھنک ٹینکس ان کے خوفناک نتائج سے تنگ آ کر انہیں خاندانی نظام کی طرف واپس لانے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن عالمگیر فتنہ انسدادِ نکاح کا شکار ہو جانے والی مغربی اقوام

Marfat.com

اب اس انسانی اور رحمانی نظام کی طرف واپس آنے کے لیے تیار نہیں۔ مسلم معاشروں میں پہلا اور دوسرا مرحلہ قدرے کامیاب ہو چکا ہے۔

اب یہ مہم تیسرے مرحلے میں داخل ہوتی نظر آ رہی ہے۔ لڑکے لڑکیوں کا آزادانہ میل جول اور ''لو میرج'' کا رواج اور عورتوں کو یکطرفہ خلع دلوانا درحقیقت نظامِ نکاح کو ختم کرنے کی بھونڈی کوشش ہے۔ چونکہ دیگر مذاہب اور امتیں منسوخ ہیں اور امت مسلمہ قیامت تک باقی رہنے کے لیے آئی ہے، اس لیے مغربی اقوام کے رہنما تو انہیں ''انسانی نظام'' کی طرف نہ لا سکے، لیکن مسلم اہل علم وصلاح نے اس غیر شرعی ذہنیت اور نقصان دہ رواج کو ختم کرنے کے لیے بات وہیں سے شروع کی جہاں سے دشمنانِ ملت و مذہب نے ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے نکاحِ مسنون کو رواج دینے، کثرتِ اولاد کی نبوی ترغیب کو پھیلانے اور تعددِ ازدواج کو فروغ دینے کی دعوت شروع کی۔ الحمد للہ! اب دوسری شادی کا رجحان اور رواج بڑھ رہا ہے۔ تین متروک سنتیں زندہ ہو رہی ہیں۔ اصلاحِ معاشرے کا درد رکھنے والے مثالیں قائم کر رہے ہیں۔

اب آتے ہیں کچھ مزید دلائل کی طرف! قرآن پاک کی سورۂ نساء میں ہے: ''پس نکاح کرو ان عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے۔ اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے کرو۔ یا پھر ان باندیوں پر اکتفا کرو جن کے تم مالک ہو۔'' اس آیت میں اللہ نے گنتی کو ایک سے نہیں بلکہ دو دو، تین تین اور چار چار شادیوں سے شروع کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے اصل حکم ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا ہے، البتہ اگر کوئی عدل نہ کر سکتا ہو تو وہ ایک پر ہی اکتفا کرے۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ''نکاح کرو، اس لیے اس امت میں بہتر وہ ہے، جس کی بیویاں زیادہ ہوں۔'' انبیائے کرام کی ازدواجی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو تاریخ

Marfat.com

میں حضرت ابراہیمؑ کی تین، حضرت یعقوبؑ کی چار، حضرت موسیٰؑ کی چار، حضرت داوٗدؑ کی نو، حضرت سلیمانؑ کی سات سو بیویاں اور تین سو حرموں کا ذکر ملتا ہے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں تھیں۔ خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کی سیرت بھی تعدد کی تائید کرتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چار، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ نے بھی متعدد شادیاں کیں۔ ماضی قریب میں کئی حضراب نے دو دو تین تین شادیاں کیں۔ آج بھی کئی اکابر اور اساغر دو دو تین تین شادیاں کیے ہوئے ہیں۔

دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے اکثر زیادہ رہتی ہے۔ جنگوں میں بھی مرد ہی زیادہ کام آتے ہیں۔ ویسے بھی اللہ کی شان سے یہ امر بہت بعید ہے وہ چار چار شادیوں کی اجازت تو دے، مگر عورتیں زیادہ پیدا نہ کرے۔ کچھ عرصہ پہلے اعداد وشمار کے ماہرین کی جو رپورٹ سامنے آئی ہے۔ اس کے مطابق مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد برطانیہ میں چالیس لاکھ، جرمنی میں پچاسی لاکھ، روس میں ستر لاکھ، امریکا میں اٹھتر لاکھ اور پاکستان میں ایک کروڑ سے کچھ زائد ہے۔

اللہ نے مرد کی فطرت ایسی بنائی ہے، عام طور پر اس کے دل میں ایک سے زیادہ عورتوں کی خواہش ہوتی ہے۔ اس خواہش کو کوئی جائز طریقے سے پورا کرتا ہے اور کوئی ناجائز طریقے سے، البتہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جنہیں اللہ صبر عطا فرمادیتے ہیں اور وہ ناجائز طریقے کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ مرد کی اس فطری خواہش کی وجہ سے اسے جنت میں ایک سے زیادہ بیویاں اور حوریں عطا کی جائیں گی۔ طبی ماہرین اس پر متفق ہیں مرد عورت کے مقابلے میں کہیں زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ حیض، حمل اور رضاعت کے مراحل بھی عورت کی صحت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بعض اوقات تو وہ بے چاری ادھ موئی ہوکر رہ جاتی ہے۔ وضعِ حمل کے بعد تو اسے نئی زندگی ملتی ہے۔

Marfat.com

کثرتِ اولاد کی خواہش بھی تعدد کے جواز کا تقاضا کرتی ہے۔ اگرچہ کثرتِ اولاد کو کثرتِ ازواج کی طرح مغربی تہذیب کے پیروکاروں نے قابلِ شرم عمل بنا دیا ہے، مگر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے: ''ایسی عورت سے شادی کرو، جو بہت زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہو، کیونکہ قیامت کے دن میں تمہاری کثرت کی وجہ سے تم پر فخر کروں گا۔'' حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں: ''میں بسا اوقات کسی عورت سے نکاح کرتا ہوں، حالانکہ مجھے نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی اور زوجہ سے ہم بستری کرتا ہوں، حالانکہ مجھے جماع کی خواہش نہیں ہوتی، کیونکہ میں یہ بات پسند کرتا ہوں کہ اللہ میرے ذریعے اتنی اولاد پیدا کرے، جس کی کثرت کی وجہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے پیغمبروں پر فخر کرسکیں۔''

ہم سمجھتے ہیں دوسری شادی زندگی کے کسی بھی دور میں کی جاسکتی ہے۔ ہمارے ہاں صورت حال یہ ہے کہ کوئی بڑی عمر میں دوسری شادی کرے تو کہا جاتا ہے: ''کتنی بے شرمی ہے بچوں کی شادی کے بجائے اپنی شادی کی جا رہی ہے۔ اگر کوئی جوانی میں کرے تو چھوٹے چھوٹے بچوں کا طعنہ دیا جاتا ہے، حالانکہ صحابہ کرامؓ سے لے کر زمانہ قریب کے بزرگانِ دین تک عمر کے کسی بھی حصے میں شادی کرتے چلے آرہے ہیں۔

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے 75 سال کی عمر میں نوجوان خاتون سے شادی کی تھی۔ مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کے والد نے سو سال کی عمر میں شادی کی اور اس سے بچے بھی پیدا ہوئے۔ مولانا فضل الرحمٰنؒ کی عمر سو سال سے بھی زائد تھی، جب انہوں نے دوسری شادی کی تھی۔ ہمارے ایک جاننے والے نے 65 سال کی عمر میں حال ہی میں تیسری شادی کی ہے۔

یہ ضروری نہیں دوسری شادی صرف اس صورت میں کی جاسکتی ہے، جب پہلی بیوی سے تعلقات خراب ہو جائیں یا وہ بیمار ہو۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے

Marfat.com

بے پناہ محبت تھی۔ ان کی صورت و سیرت اور ذکاوت و ذہانت بھی مثالی تھی۔ اس کے باوجود آپ نے ان سے نکاح کے بعد سات مزید عورتوں سے نکاح فرمایا۔ یہ بھی ضروری نہیں دوسری شادی مطلقہ یا بیوہ ہی سے کی جائے، اس لیے کہ ہمارے سینے میں دل اور دل میں جذبات رکھنے والے اللہ نے «مَا طَابَ لَكُمْ» فرما کر اپنی پسندیدہ عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے۔ باوجودیکہ خود ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے سوا مطلقہ اور بیوہ عورتوں سے نکاح فرمائے، مگر صحابہ کرامؓ کو کنواری اور جوان عورتوں سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا۔

اس حقیقت سے تو خیر کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا اسلام نے نہ صرف تعدد کی اجازت دی ہے، بلکہ اس میں بہت سارے منافع بھی پوشیدہ ہیں، البتہ اکثر خواتین کو یہ اندیشہ پریشان کرتا ہے گھر میں دوسری اور نئی نویلی بیوی آجانے کی صورت میں مجھے نظر انداز کر دیا جائے گا۔ ویسے یہ اندیشہ اتنا بے بنیاد بھی نہیں ہوتا کیونکہ بعض شوہر واقعتاً ایسا ہی کرتے ہیں۔ وہ پہلی بیوی کو نظر انداز ہی نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات دوسری کو خوش رکھنے کے لیے پہلی پر ہاتھ بھی اٹھانے لگتے ہیں۔ وہ شوہر جو کسی بے حجاب اور بے حیا عورت کے محض حسن سے متاثر ہو کر اسے اپنے عقد میں لے آتے ہیں۔ ان کی طرف سے ایسے واقعات زیادہ پیش آتے ہیں بلکہ اسی عورتیں خود انہیں ظلم اور زیادتی پر اکساتی ہیں۔ ایسے ظالم شوہروں کو یاد رکھنا چاہیے اسلام نے تعدد کی اجازت صرف انہیں دی ہے جو انصاف کر سکتے ہوں۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور اس نے ان کے ساتھ عدل کا معاملہ نہ کیا تو قیامت کے دن وہ شخص اس حال میں آئے گا اس کا آدھا دھڑ مفلوج ہوگا۔''

دوسری شادی کی ترغیب کا مقصد صرف یہ نہیں شریعت کے مطابق حقوق ادا کرنے کی سکت رکھنے والے حضرات اس مٹتی ہوئی سنت کو زندہ کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں، بلکہ

Marfat.com

اس کا مقصد یہ بھی ہے جن کی بیٹیاں اور بہنیں بے نکاحی گھر میں بیٹھی ہیں، وہ ایسے شریف اور سنجیدہ مردوں کو رشتہ دینے کے لیے تیار ہو جائیں جو دوسری شادی کرنا چاہتے ہوں۔
یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھنی چاہیے عقلی اور نقلی دلائل کی کثرت اور انبار کے باوجود چونکہ ہمارے ہاں دوسری شادی کا ماحول نہیں ہے۔ اس لیے اس پُر خار وادی میں اور پل صراط پر سو بار سوچ کر قدم رکھنا چاہیے۔ جب تک پہلی بیوی اور بڑے بچوں کی ذہن سازی نہ کر لی جائے اور ہر قسم کا اطمینان نہ ہو جائے تب تک دوسری شادی نہیں کرنی چاہیے...... ورنہ ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا کہ گھر کا امن وسکون تباہ ہو کر رہ جائے گا۔ دین اور دنیا کی فلاح و کامیابی خطرے میں پڑ سکتی ہے، لہٰذا اس معاملے میں بہت ہی احتیاط سے کام لیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی دو بیویاں تھیں۔ آپ ان کے درمیان برابری کا پورا اہتمام فرماتے تھے۔ خانقاہ میں ترازو رکھی ہوئی تھی۔ جب بھی کہیں سے کوئی تحفہ آتا تو تول کر آدھا آدھا کرتے۔ پھر اسے ہر ایک کے گھر میں بھیجتے۔ محض اندازہ سے کام نہ چلاتے۔ کسی نے عرض کیا: ''حضرت! آپ نے دو شادیاں کر کے زیادہ شادیوں کا راستہ کھول دیا۔ فرمایا: ''راستہ کھول دیا یا بند کر دیا؟ میں نے تو راستہ بند کر دیا۔ مجھے دیکھنے والا کبھی دو شادیاں نہیں کرے گا۔ مجھے جو تکلیف اور محنت و مشقت اُٹھانی پڑتی ہے، اسے دیکھ کر کسی کو دو شادیاں کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔''

Marfat.com

باب 4

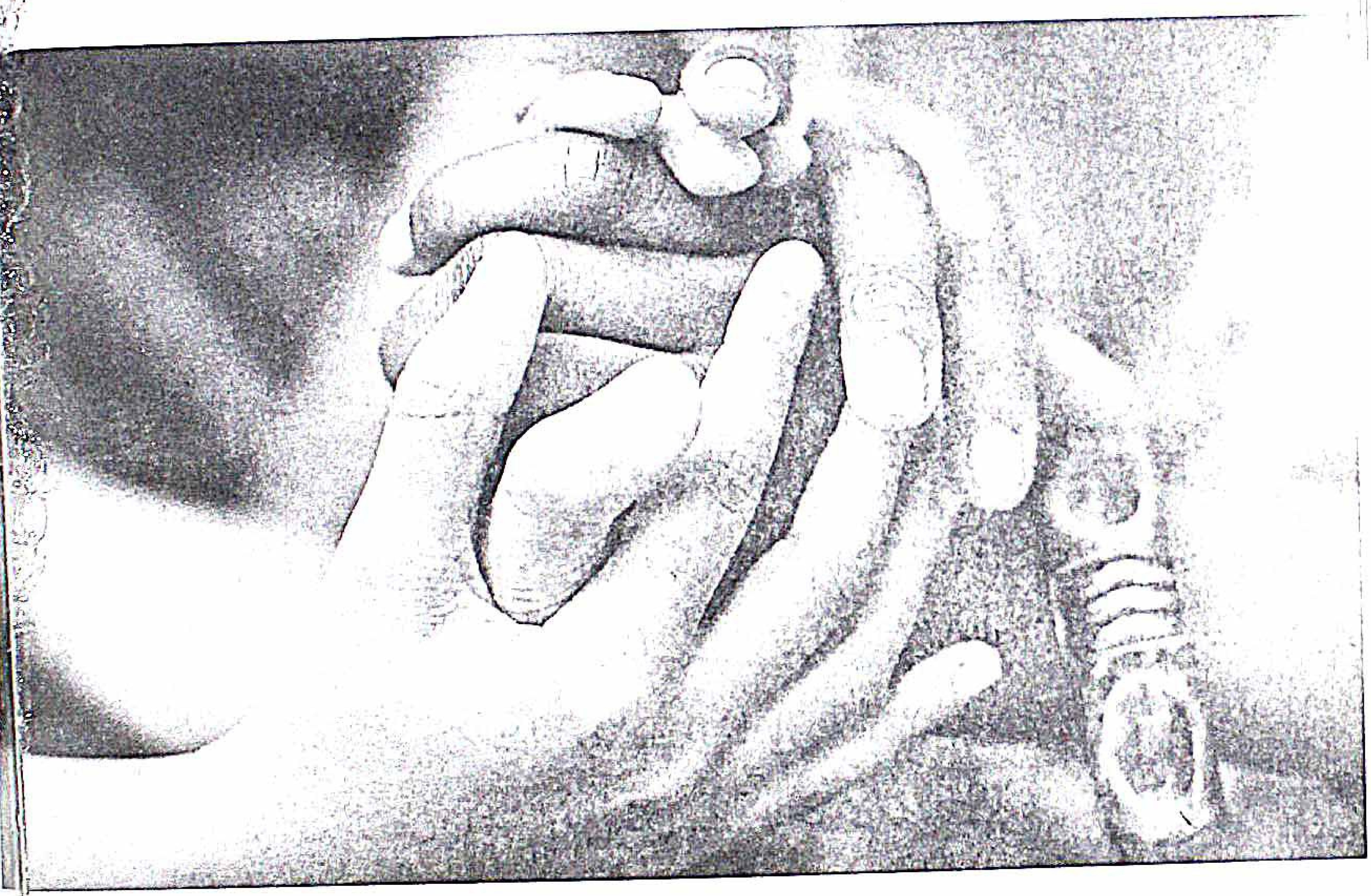

خاندانی اُلجھنیں ایسے سلجھائیں

Marfat.com

4 / 1

جوڑے ایسے بنتے ہیں/عورت اور گھر کی چار دیواری

دنیا میں دو قسم کے انسان رہتے ہیں۔ قرآن پاک نے بھی دنیا کے انسانوں کی دو ملتیں بتائی ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت ہے، چنانچہ قرآن کی سورۃ التغابن کی دوسری آیت ہے: «هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَ مِنكُمْ مُؤْمِنٌ» ''وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن۔''

دیکھیں! قرآن نے اس جگہ انسان کو دو گروہوں کافر اور مومن میں تقسیم کیا ہے۔ رنگ اور زبان، نسب اور خاندان، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔ ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہو جاتے۔

اختلافِ رنگ وزبان اور وطن وملک کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی ہی ہوتے ہیں۔ کوئی سمجھدار انسان ان کو مختلف گروہ نہیں قرار دے سکتا۔ زمانۂ جاہلیت میں نسب اور قبائل کی تفریق کو قومیت اور گروہ بندی کی بنیاد بنا دیا گیا۔ اسی طرح ملک ووطن کی بنیاد پر کچھ گروہ بندی ہونے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب بتوں کو توڑا اور مسلمان خواہ کسی ملک اور کسی خطہ کا ہو کسی رنگ اور خاندان کا ہو، کوئی زبان بولتا ہو، ان سب کو ایک برادری قرار دیا۔

Marfat.com

اسی طرح کفار کسی ملک وقوم کے ہوں وہ اسلام کی نظر میں ایک قوم ہیں۔ایمان وکفر کی بنا پر دو قوموں کی تقسیم یہ ایک امر اختیاری پر مبنی ہے کیونکہ ایمان بھی اختیاری امر ہے اور کفر بھی، لیکن یاد رہے کفار کا ایمان قبول کرنا اختیاری اَمر ہے، لیکن جب کوئی ایمان قبول کر لے تو پھر اس پر اسلام کے تمام احکام نافذ ہوں گے۔

اسلام ''الحق'' ہے۔ جب کسی نے بھی ''الحق'' قبول کر لیا تو تمام چیزیں قبول کرنی ہوں گی۔اب یہ اسلام کے دائرے سے نکل نہیں سکتا۔زبان اور وطن اگرچہ بدلے جاسکتے ہیں، مگر زبان ووطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کو عام طور پر اپنے اندر جذب کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتی، خواہ ان کی ہی زبان بولنے لگے اور ان کے وطن میں آباد ہو جائے۔

یہی وہ اسلامی برادری اور ایمانی اخوت تھی جس نے تھوڑے ہی عرصے میں مشرق ومغرب، جنوب وشمال، کالے گورے، عرب عجم کے بے شمار افراد کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا۔

مسلمانوں کے بارے میں سورۃ الحجرات میں فرمایا گیا ہے:«إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ» یعنی دنیا کے مسلمان تو سب بھائی بھائی ہیں، چاہے ان کی زبانیں اور نسلیں الگ الگ ہوں۔مقامات جدا جدا ہوں۔رنگ ان کے جدا ہو، لیکن سب بھائی بھائی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً یہی تعلیم دی تھی۔قریش کے ابوجہل سے جنگ کی اور بلال حبشیؓ کو سینے سے لگالیا، جو افریقہ سے آئے تھے۔صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ جو ایران سے آئے تھے ان کو اپنے دامن محبت میں جگہ دی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نسل اور وطن کے لوگوں سے اسلام کی بنیاد پر جنگ کر کے بتلا دیا کہ قومیت اور ملت دین کے نام پر قائم ہوتی ہے۔فقہاء اور علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ «اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ» یعنی دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت اور ایک قوم ہیں اور دنیا بھر کے کافر الگ ملک اور قوم ہیں۔

دنیا میں نظریے اور نظام بھی دو قسم کے رائج ہیں۔ایک کا کہنا ہے چونکہ اللہ ہی کل

Marfat.com

کائنات کے مالک وخالق ہیں لہٰذا اسی کا بنایا ہوا قانون انسان کو اپنی زندگی گزارنے کے لیے نافذ کرنا چاہیے۔ وہ اسی فکر میں رہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کی ذرا سی بھی حکم عدولی ونافرمانی نہ ہوجائے۔ چونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت کے بنائے ہوئے ان قوانین کی پاسداری بھی شریعت نے ضروری قرار دی ہے جو مفادِ عامہ کوملحوظ رکھ کر بنائے گئے ہوں اور شریعت سے متصادم بھی نہ ہوں تو وہ ان کی بھی دل سے پوری پوری پابندی کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

دوسرے قسم کے انسان کا کہنا ہے کہ دنیا ہی سب کچھ ہے لہٰذا جیسے چاہو زندگی گزاروں۔ اپنی مرضی کا قانون ہونا چاہیے۔ ہر چیز کا فارمولا ''کھاؤ پیو، استعمال کرو اور ڈسٹ بن میں پھینک دو۔'' ہر چیز ڈسپوزیبل ہونی چاہیے تاکہ کسی کام کی ذمہ داری نہ آنے پائے۔ جیسے جانور زندگی گزارتا ہے اور پھر مرجاتا ہے اسی طرح انسان جیسے چاہے زندگی گزارے اور پھر مرجائے۔ سب کچھ یہ دنیا ہی ہے۔ مابعد الطبیعات کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ مرنے کے بعد کی چیزوں، قبر، حشر، دوزخ، جنت، حساب کتاب، فرشتے کسی کو بھی نہیں مانتے۔ گویا ان کا نظریہ ہے کہ جو کرنا ہے اسی دنیا میں کرلو۔ بقول کسے: ''بابر عیش بکوش کہ عالم دوبارہ نیست۔'' زندگی ایک ہی مرتبہ ہے۔ پھر موت کے بعد کچھ بھی نہیں ہے۔

دنیا میں بہت ساری چیزیں اور قوانین ایسے ہوتے ہیں جو انسانوں کی طبیعت، فطرت، نیچرل کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ مغربی تہذیب وثقافت قانونِ فطرت کے خلاف ہے، جبکہ اسلامی تعلیمات انسان کی فطرت اور جبلت کے عین مطابق ہے۔ صرف عورت اور اسلام ہی کو دیکھ لیں، جو حقوق اور احکام اسلام نے عورت کو دیے ہیں، دیگر مذاہب اس کی نظیر لانے سے عاجز ہیں۔ اسلام نے عورت کو جو تحفظ اور حقوق فراہم کیے ہیں دنیا اس کی مثال پیش نہیں کرسکتا۔ اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ بنایا۔ معاشی ذمہ داریوں سے آزاد قرار دیا۔ وراثت میں حصہ دیا۔ پردے کا حکم دے کر غلیظ نگاہوں سے محفوظ کیا۔ بچی کی ولادت

Marfat.com

پر خوشی کے اظہار کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے گھر میں دو بچیاں پیدا ہوئیں اور اس نے ان کی اچھی تربیت کی تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

جب تک اسلام کے نام لیواؤں نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عورت کی تربیت کی اس وقت تک عورت ہر قسم کے ظلم وستم اور تشدد سے محفوظ رہی۔ اس کو پورے پورے حقوق ملتے رہے حتی کہ ایک لڑکی کی حفاظت کی خاطر حکمرانوں کا چین وسکون حرام ہو جاتا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا جب لٹیروں کا گروہ ایک مسلمان لڑکی کو گرفتار کر کے لے جانے لگا تو اس عورت نے اپنے مسلمان حاکم کو یاد کر کے دردمندانہ آواز میں پکارا: ''اے حجاج تم کہاں ہو! تیرے زندہ ہوتے ہوئے تیری ایک بیٹی پر ہاتھ اٹھایا جارہا ہے۔'' جب یہ خبر مسلمان حاکم کو پہنچی تو اس کی غیرت اِسلامی کا اندازہ لگایئے کہ اس کی اطلاع ملتے ہی غصے اور غیرت سے مغلوب ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بے اختیار کہا: «لبيك يا بنتي، لبيك يا بنتي.» ''اے میری بیٹی میں حاضر ہوں، تیری عزت کی حفاظت اور تیرے انتقام کے لیے دل وجان سے حاضر ہوں۔''

اس وقت تک اپنے آپ پر عیش وراحت کو حرام کیے رکھا جب تک کہ اس کو قید سے آزاد نہ کروالیا۔ یہ بھی ایک زمانہ تھا کہ ایک بیٹی کی پکار پر مسلمانوں کا لشکرِ جرار سرزمین سندھ آ پہنچا تھا۔ یہ سندھ ہی ہے جہاں محمد بن قاسم کے قدم پڑنے سے اس کا نام ''باب الاسلام'' پڑ گیا۔ ایک وقت وہ تھا کہ ایک مسلمان عورت کی پکار پر پورا اسلامی معاشرہ لرزا اٹھتا تھا اور آج اسی وطن کی بیٹیوں بلکہ بچیوں کے سر سے آنچل چھینے جارہے ہیں۔ اسی وطن کی معصوم بچیوں کے کچے ذہنوں میں فحاشی وعریانی انڈیلی جارہی ہے، لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

اسلام کی بنیاد جن اعمال وافکار پر ہے ان میں اہم ترین نظام عفت وعصمت ہے۔ اسی

Marfat.com

وجہ سے اسلام نے ایسے چور دروازوں پر پہرے بٹھادیے ہیں جن کے ذریعے کسی بھی طریقے سے معاشرے میں بے حیائی اور غیراخلاقی حرکات پھیلنے کا احتمال ہوا۔ اس مقصد کے لیے قرآن وسنت میں ہدایت موجود ہے۔ سورۃ النور کی آیت نمبر 30 ہے: "قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ، ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ، إِنَّ اللهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ." ترجمہ: مؤمن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی اُن کے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے۔ وہ جو کارروائیاں کرتے ہیں، اللہ اُن سب سے پوری طرح باخبر ہے۔

اسی طرح سورۃ النور کی آیت نمبر 31 ہے: "وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُوْلِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِن زِيْنَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔"

ترجمہ: ''اور مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اُس کے جو خود ہی ظاہر ہوجائے، اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں، اور اپنی سجاوٹ اور کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ، یا اپنے شوہروں کے باپ کے، یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا اُن کے جو اپنے ہاتھوں کی ملکیت

Marfat.com

میں ہیں، یا اُن خدمت گزاروں کے جن کے دل میں کوئی (جنسی) تقاضا نہیں ہوتا، یا اُن بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے۔ اور مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ انہوں نے جو زینت چھپا رکھی ہے، وہ معلوم ہو جائے۔ اور اے مؤمنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔''

اس کی تشریح میں مفسرین نے لکھا ہے کہ سجاوٹ سے مراد جسم کے وہ حصے ہیں جن پر زیور پہنا جاتا ہے، خوشنما کپڑے پہنے جاتے ہیں لہٰذا اس آیتِ کریمہ نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ غیر محرم مردوں کے سامنے اپنا پورا جسم کسی ایسی چادر یا برقع سے چھپائیں جو ان کے سجاوٹ کے مقامات کو چھپا لے۔ از روئے شریعت چادر اور برقع کے لیے کوئی خاص وضع قطع یا رنگ کی قید نہیں ہے۔ البتہ شرعی پردے کے لیے چند شرائط ضرور ہیں۔ جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

''پورے بدن کو چھپائے ہوئے ہو۔ برقع یا چادر بذات خود سادہ اور باوقار ہو۔ پُر زینت ہو اور جاذب نظر رنگوں سے کڑھائی وغیرہ سے مزین نہ ہو۔ برقع یا چادر اتنا دبیز ہو کہ اس میں جسم کے اعضا نظر نہ آئیں۔ برقع یا چادر اتنا کشادہ اور فراخ ہو جس سے جسم کے نشیب و فراز اور اعضا کی بناوٹ و ہیئت ظاہر نہ ہو۔ راستہ دیکھنے کے لیے ایک آنکھ یا بوقت ضرورت دونوں آنکھیں کھلی رکھنے کی گنجائش ہے، لیکن واضح رہے کہ ہر ممکن کوشش کریں آنکھوں کے علاوہ چہرہ یا اس کا کچھ حصہ رُخسار، ماتھا وغیرہ بالکل ظاہر نہ ہوں اگر آنکھوں کے آگے جالی وغیرہ لگالی جائے تو جو برقع میں لگائی جاتی ہے کہ آنکھیں چھپ جائیں تو یہ بہت ہی بہتر ہے۔ بدن پر موجود کپڑوں کو چھپانا بھی ضروری ہے۔ دونوں ہاتھ گٹوں تک اور دونوں پیر اگر کھلے ہیں، یعنی ظاہر ہوں تو کوئی حرج نہیں البتہ انہیں بھی دستانوں اور موزوں سے اگر چھپا لیا جائے تو بہت ہی بہتر ہے۔

Marfat.com

مغرب اور مغربی تہذیب وثقافت سے مرعوبیت کی وجہ سے آج کل ایسے کپڑوں کا رواج ہوگیا ہے کہ کپڑوں کے اندر سے جسم نظر آتا ہے۔ بہت سے مرد اور عورتوں کو دیکھا گیا ہے کہ ایسے کپڑوں کی شلوار بنا کر پہن لیتے ہیں جس میں پوری ٹانگ نظر آتی ہے۔ ایسے کپڑے کا پہننا نہ پہننا برابر ہے۔ اس سے نماز بھی نہیں ہوتی۔ عورت کی نماز درست ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کے چہرے اور گٹھوں تک دونوں ہاتھ اور دونوں قدموں کے علاوہ پورا جسم ڈھکا ہوا ہو، مگر حقیقت یہ ہے اکثر عورتوں کی نماز اس لیے نہیں ہوتی کہ سر پر ایسا باریک دوپٹہ ہوتا ہے جس سے بال نظر آتے ہیں اور بعض عورتوں کو نماز اس لیے نہیں ہوتی باہیں کھلی ہوتی ہیں۔

اگر ڈھانکی ہوئی ہیں تو اسی باریک دوپٹے سے ڈھانک لیتی ہیں جس سے سب کچھ نظر آتا ہے۔ بعض عورتیں ساڑھی باندھتی ہیں اور بلاؤز اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ناف پر ختم ہوجاتا ہے اور آدھا پیٹ نظر آتا ہے، اس سے نماز نہیں ہوتی۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے عورت کو ایسا باریک دوپٹہ نہ اوڑھنا چاہیے کہ سر کے بال اور جسم نظر آئے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے بعض مرد اور عورتیں لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوتی ہیں۔ ایسا لباس ہرگز ہرگز نہیں پہننا چاہیے جس سے ستر چھپایا نہ جاسکے اور فحاشی وعریانی کا سبب بنے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دوزخیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں کہ انہیں میں نے نہیں دیکھا۔ ایک قسم تو اس قوم کے لوگوں کی ہے جن کے پاس گایوں کی دُموں کی طرح کوڑے ہوں گے۔ وہ لوگوں کو ان کوڑوں سے ماریں گے۔ دوسری قسم ان عورتوں کی ہے جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔ دوسرے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود بھی مائل ہوں گی۔ ان کے سر بختی اونٹوں کے کوہان کی طرح ایک طرف کو جھکے ہوئے ہوں گے۔ یہ عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی جنت

Marfat.com

کی خوشبو پائیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے آتی ہوگی۔'' (صحیح مسلم)

شریعت نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ غیر محرم مردوں کے سامنے اپنا پورا جسم کسی ایسی چادر یا برقع سے چھپائیں جوان کے سجاوٹ کے مقامات کو چھپالے، البتہ ان مقامات میں سے کوئی حصہ کام کاج کے دوران بے اختیار کھل جائے، یا کسی ضرورت کی وجہ سے کھولنا پڑے تو اُسے یہ کہہ کر مستثنیٰ کر دیا گیا ہے کہ ''سوائے اُس کے جو خود ظاہر ہو جائے۔'' تفسیر ابن جریرؒ کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد وہ چادر ہے جو عورت نے اوڑھی ہوئی ہو کہ اُس کو چھپانا ممکن نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ضرورت کے وقت عورت کو اگر اپنا چہرہ اور ہتھیلیوں تک ہاتھ کھولنے پڑیں تو اس آیت نے اُس کی بھی اجازت دی ہے، لیکن چونکہ چہرہ ہی عورت کے حسن کا اصل مرکز ہوتا ہے، اس لیے عام حالات میں اُس کو بھی چھپانے کا حکم ہے۔ البتہ ضرورت کے مواقع پر اُسے کھولنے کی اجازت ہے اور اُس حالت میں بھی مردوں کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

اسی مضمون کو قرآن کی سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 33 میں کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:
«وَقَرْنَ فِیْ بُیُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى» ترجمہ: ''اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو، اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ پہلی جاہلیت میں دِکھایا جاتا تھا۔'' اس آیت میں پہلی جاہلیت سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا زمانہ ہے جس میں عورتیں بے حیائی کے ساتھ بناؤ سنگھار غیر مردوں کو دِکھاتی پھرتی تھیں۔ اور ''پہلی جاہلیت'' کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک جاہلیت آخری زمانے میں بھی آنے والی ہے۔ کم از کم اس بے حیائی کے معاملے میں یہ جاہلیت ہماری آنکھوں کے سامنے اس طرح آچکی ہے کہ اس نے پہلی جاہلیت کو مات دے دی ہے۔

Marfat.com

سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 32 میں ہے: «يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا» ترجمہ: ''اے نبی کی بیویو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، لہٰذا تم نزاکت کے ساتھ بات مت کیا کرو، کبھی کوئی ایسا شخص بیجا لالچ کرنے لگے جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، اور بات وہ کہو جو بھلائی والی ہو۔''

اس آیت کی تشریح میں مفسرین نے لکھا ہے کہ خواتین کو غیر محرم مردوں سے بات کرنے کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ اُس میں جان بوجھ کر نزاکت اور کشش پیدا نہیں کرنی چاہیے، البتہ اپنی بات کسی بداخلاقی کے بغیر پھیکے انداز میں کہہ دینی چاہیے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب عام گفتگو میں بھی خواتین کو یہ ہدایت کی گئی ہے تو غیر مردوں کے سامنے ترنم کے ساتھ اَشعار پڑھنا یا گانا کتنا بُرا ہوگا۔''

دیکھا آپ نے غیر محرم سے ہاتھ ملانا تو درکنار نگاہ اوپر اٹھانے اور نرمی سے بات کرنے تک پر پابندی عائد کردی گئی ہے تاکہ معاشرہ بالکل پاکیزہ رہے۔ جب تک اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جاتا رہا اس وقت تک عورت کے لیے دنیا جنت بنی رہی ہے، مگر جب سے امریکی و یورپی اور سیکولرازم کی تہذیب وثقافت اور روشن خیالی نے ہمارے ہاں ڈیرے ڈال دیئے اس وقت سے عورت پھر سے غیر محفوظ ہوگئی۔ عورت اسی صورت میں محفوظ ہوسکتی ہے جب اس کو اس کا جائز مقام دے دیا جائے جو اسے اسلام نے عطا کیا ہے۔

Marfat.com

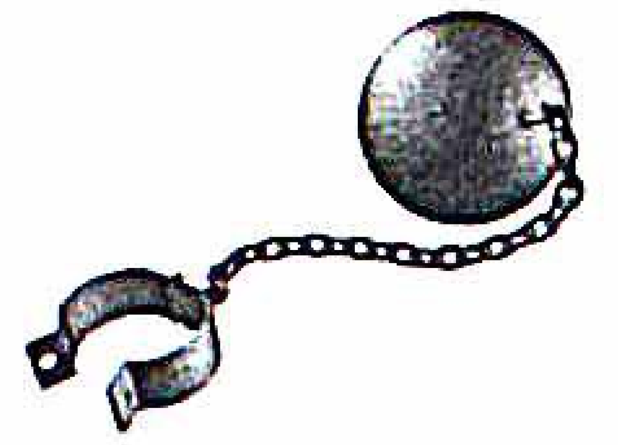

4 / 2

آزاد، مگر قید! / معاشرے کا بنیادی یونٹ

جن حقوق کا مغرب اور بعض روشن خیال دانشور ڈھنڈورا پیٹتے ہیں وہ حقوق عورت کے ہیں ہی نہیں۔ یورپ و امریکا نے اسلام، مسلمانوں اور خصوصاً مسلم خواتین پر ظلم کے حوالے سے پروپیگنڈا مہم شروع کر رکھی ہے۔ مغرب مسلمانوں پر ہر وقت اس قسم کے جملے کستا رہتا ہے:

''تم نے عورت کی آزادی سلب کر رکھی ہے۔ اسلام میں عورت کے حقوق کا خیال نہیں رکھا گیا۔ عورت مرد کے شانہ بشانہ کام کرے۔ یہ مطالبات کیے جاتے ہیں کہ عورت کو بھی طلاق کا حق ہونا چاہیے۔ پردہ عورت کی آزادی سلب کرتا ہے۔ عورت کو بھی چار شادیوں کی اجازت ہونی چاہیے......''

یہ اور اس جیسے بیسیوں پروپیگنڈا نعروں کے ذریعے مسلمان خواتین کو اسلامی احکام سے بہکایا اور ورغلایا جاتا رہا اور آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اس تحریر میں مغرب کی طرف سے ''عورت کی مظلومیت'' پر اُٹھائے گئے کچھ ایسے ہی سوالات اور ان کے جوابات دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

مغرب کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے اسلام میں عورت مظلوم ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے ساتھ برابری کا سلوک نہیں کیا جاتا۔ وہ ہر معاملہ میں مردوں کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ معاشرے کا سارا بوجھ اس کے کاندھوں پر ہے اور کام کاج بھی اس سے کروائے جاتے ہیں۔ اسلام میں عورت کے بنیادی حقوق غصب کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے

Marfat.com

میں ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن کو سن کر سادہ لوح مسلمان یہ سمجھتا ہے واقعی اسلام نے عورت کے حقوق غصب کیے ہیں۔

مغرب کہتا ہے عورت کی گواہی آدھی ہے۔ یہ کیسا مذہب ہے جس میں عورت کی گواہی آدھی ہے۔ اس کے ساتھ ایسے ایسے یورپی اسکالرز اور مستشرقین کی جماعتیں سامنے لائی جاتی ہیں جو عورت کو تسلی دینے کے لیے اسلام کے احکام کی غلط سلط تاویلات کر کے اسے یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ آج کے زمانے میں عورت کی گواہی پوری ہونی چاہیے۔ اسلام قدیم مذہب ہے۔ یہ عصرِ حاضر کے تقاضوں کو پورا نہیں کر رہا، لہٰذا اس کو چھوڑیں، اس پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح نصف میراث کا مسئلہ ہے۔ مستشرقین کہتے ہیں اسلام میں عورت کو میراث سے متعلق کم حصہ کیوں دیا جا رہا ہے؟ یہ ناانصافی ہے۔ اسلام میں طلاق کا حق صرف مردوں کو دیا گیا ہے۔ یہ بھی عورت کے ساتھ ایک بڑا ظلم ہے۔ یہ حق عورتوں کو بھی حاصل ہونا چاہیے۔ مردوں کو چار شادیوں کی اجازت ہے جبکہ عورت کو ساری زندگی ایک ہی خاوند کے رحم و کرم پر رہنا ہوتا ہے۔ اسلام نے عورت کو خود کفیل ہونے سے منع کیا ہے۔ عورت کی معاشی حیثیت کو اسلام نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے جبکہ مغرب نے عورت کو آزادی دے رکھی ہے اور معاشی طور پر وہ مکمل آزاد ہے۔

اب مغرب کے اس زہریلے پروپیگنڈے کا مختصر جواب دینا چاہتا ہوں۔ اگر کوئی شخص یہ اشکالات کرے تو اس کے چند نقلی عقلی دلائل بھی دیے جا سکتے ہیں۔ اسلام میں عورت کی نصف گواہی کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نصف گواہی کی وجہ سے عورت کا کوئی حق چھینا نہیں گیا بلکہ اس کی ذمہ داری کم کی گئی ہے۔ گواہی ایک ذمہ داری ہے۔ اس بوجھ سے عورت کے کندھوں کو ہلکا رکھا گیا ہے ورنہ اپنی اپنی جگہ تمام مرد اور عورت برابر حقوق کے حامل ہیں۔

Marfat.com

مثال کے طور پر دو بچے امتحان دیتے ہیں۔ دونوں امتحان میں 80 فیصد مارکس لیتے ہیں، لیکن ان کے ہر مضمون میں برابر نمبر آئیں، یہ ضروری نہیں ہے۔ کوئی میتھ میں 50 نمبر لے کر کوئی 80، اسی طرح فزکس میں 80 لے کر اور دوسرا اس میں 50 نمبر لے کر پاس ہوتا ہے، لیکن As a Whole ان دونوں کے نمبرات برابر ہوتے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کرتا کہ اس کے نمبر کم ہیں۔ یہی معاملہ یہاں ہے۔ اگر اسلام نے عورت کی گواہی نصف رکھی ہے تو دوسرے کسی حق میں وہ مرد سے زیادہ حقوق بھی رکھتی ہے۔ یوں مجموعی طور پر دونوں کے حقوق برابر ہو جاتے ہیں۔ اپنی خلقت اور وضع کے لحاظ سے ان کو الگ الگ اہداف دیے گئے ہیں۔

یہ قانون پوری دنیا میں رائج ہے جو انسان جس کام کا اہل ہوتا ہے اس کے ذمے وہی کام لگایا جاتا ہے۔ معاشی ذمہ داری صرف مرد پر ہی کیوں؟ تو یاد رکھیں! معاش کا ذمہ دار اللہ نے مرد کو بنایا ہے کیونکہ یہ ہر لحاظ سے زیادہ طاقت ور ہے۔ اس لیے عورت کو کما کر دینے کی ذمہ داری مرد کے مضبوط کندھوں پر ڈالی گئی ہے جبکہ عمومی حقوق میں اللہ نے مرد اور عورت کو برابری دی ہے۔ بعض کاموں اور چیزوں میں مرد آزاد ہے تو عورت بھی آزاد ہے۔ مثال کے طور پر حصولِ علم، شرافت، پاکیزگی، تقویٰ، خدمت، ذکرِ الٰہی، حقِ ملکیت......ان سب میں دونوں برابر ہیں۔ دونوں کو ایک ہی صلہ ملے گا۔

اسلام کے خلاف یہ بھی پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اس نے عورت کو گھر سے نکلنے سے روکا ہے حالانکہ اسلام میں عورت کا گھر سے نکلنا ممنوع نہیں، ان کو ضروریات کے تابع رکھا ہے۔ تقاضوں کے ساتھ اجازت ہے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہراتؓ کو سفر میں اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے، لہٰذا یہ تاثر بالکل غلط ہے کہ اسلام نے عورت کو گھر کا قیدی بنا دیا ہے۔ فلاحِ عامہ کے کاموں میں بھی عورتیں حصہ لیتی تھیں بلکہ لے رہی ہیں۔ اس پر قطعاً کوئی پابندی نہیں۔ اسلام کے سنہری دور میں خواتینِ اسلام کے پاس ایک مجمع آ کر

Marfat.com

مسائل پوچھتا تھا۔

حضرت عائشہؓ ان کے سوالوں کے باقاعدہ جواب دیتی تھیں۔ خواتین کی تجارت میں حضرت اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کی مثال سب کے سامنے ہے۔ جب بھی اسلام پر مشکل وقت آیا تو مسلمانوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے تحفظ کیا۔ اس میں مردوں کے شانہ بشانہ خواتین نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آغاز اسلام میں جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ کفر و اسلام کا معرکہ گرم تھا تو خواتینِ اسلام نے میدان کارزار میں دادِ شجاعت دی۔ حضرت سمیہؓ نے اپنی جان قربان کر دی۔

انصاری صحابیہ عفراءؓ نے حق و باطل کے معرکے میں کفار پر نیزوں سے تابڑ توڑ حملے کیے۔ اپنے ساتوں بیٹوں کو بھی اپنے ساتھ شریک رکھا۔ حضرت عفراءؓ دشمن پر حملہ کرتیں۔ وہ گھوڑے سے گرتا تو وہ اپنے بیٹوں کو حکم دیتیں کہ اس اسلام دشمن کا کام تمام کریں۔ اسی طرح اُم رومانؓ، ام عمارہؓ، ام سلیمؓ، فاطمہؓ بنت اسد، خنساؓ، خولہؓ، اسمؓا بنت ابی بکر نے بھی کفار کے خلاف ہر قسم کے جہاد میں حصہ لیا۔ فاطمہ بنت عبداللہ جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی ہوئی شہید ہو گئیں۔

اقبال نے انہی کے بارے میں کہا تھا: ''تو آبروئے اُمت مرحوم ہے۔ ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے۔'' حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کی دعوت پر فاروق اعظمؓ نے اسلام قبول کیا تو اُم حکیمؓ کی ترغیب پر حضرت عکرمہؓ مسلمان ہوئے تو ام سلیمؓ کی دعوت پر حضرت ابوطلحہؓ مسلمان ہوئے۔ حضرت ام عمارہؓ نے جنگ احد میں جس بہادری و جاں نثاری کا مظاہرہ کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت صفیہ، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ، حضرت خولہؓ، حضرت جویریہؓ نے جو کارنامے سرانجام دیے، وہ مسلم خواتین کے باب کا ایک شاندار حصہ ہے۔ اس طرح کی سینکڑوں ہزاروں روشن مثالیں ہیں۔

Marfat.com

عورت کو میراث نصف کیوں دی گئی؟ اسلام میں تو عورت کو نصف میراث دی گئی ہے جبکہ بعض مذاہب میں عورت کو یکسر محروم کر دیا گیا ہے۔ دیکھنے میں تو ایسا لگتا ہے کہ عورت کو کم دیا گیا ہے، لیکن حقیقت میں عورت کو نصف میراث دینے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے عورت کو کمانے کا مکلّف نہیں بنایا بلکہ دوسروں کے ذمہ لگا دیا کہ وہ اس کی کفالت کریں۔ اسلام میں کوئی عورت ایسی نہیں جس کا کوئی نہ کوئی کفیل نہ ہو۔

مغرب کی ستم ظریفی ملاحظہ کیجیے جب تک مغربی معاشرے میں عورت جوان اور حسین ہوتی ہے تب تک اس کی ''قدر و قیمت'' ہوتی ہے۔ جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جائے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ اس کی حیثیت عضو معطل کی سی ہو جاتی ہے۔ اس کا ٹھکانہ ''اولڈ ہاؤسز'' ہوتا ہے۔ ''اولڈ ہاؤسز'' کے رہائشی اپنے پیاروں کی ملاقات کے شدت سے منتظر رہتے ہیں، لیکن یہ انتظار کی یہ آس آنکھوں میں سجاتے قبر میں اُتر جاتے ہیں، جبکہ اسلام نے عورت کی کفالت کا ذمہ لے کر اس کو بے فکر کر دیا ہے۔ عورت کا صرف ایک کفیل نہیں بلکہ باپ، بھائی، بیٹا اور شوہر کی صورت میں بہت سارے کفیل بنا دیے تاکہ اس کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ کسبِ معاش کے لیے انسانوں کے جنگل میں خود نہ نکلنا پڑے۔

نصف حصہ اس کو محض اس کی ذاتی ضروریات کے لیے مل جاتا ہے جو کافی ہوتا ہے جبکہ مرد کو دگنا حصہ دراصل دوسروں کے لیے دیا جاتا ہے۔ عورت کو طلاق کا حق کیوں نہیں ہے؟ یہ بات طے ہے کہ خواتین طبعی طور پر جذباتی ہوتی ہیں۔ اگر اس نازک رشتے کو عورت کے ہاتھ میں دے دیا جائے تو رشتے بہت جلد ٹوٹنے لگ جائیں۔ شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد فریقین آپس میں جدائی اختیار کر لیں جس سے معاشرے میں بدترین بگاڑ پیدا ہو جائے۔ اس کے علاوہ اگر عورت جدا ہونا ہی چاہتی ہے تو شریعت نے طلاق کا متبادل ''خلع'' کا اختیار دیا ہے، لہٰذا وہ اس شق کو استعمال کر کے جدا ہوسکتی ہے۔ پھر عورت کو طلاق کا حق مل

Marfat.com

بھی سکتا ہے۔ مرد کو اجازت ہے کہ وہ طلاق کا حق عورت کو تفویض کر دے، چنانچہ جن کو اس پر تکلیف ہے وہ اپنی خواتین کو یہ حق دے دیں۔

عورت کو ایک نکاح سے زیادہ کی اجازت کیوں نہیں؟ اس میں سب سے بڑا فساد یہ ہے کہ اس طرح نسب ثابت کرنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا اور اخلاقیات کا جنازہ نکل جائے گا۔ ایک عورت کے کئی حصہ داروں میں وہ خونریز جنگ چھڑ جائے گی کہ الامان والحفیظ۔ عورت کو ایک وقت میں ایک سے زیادہ نکاح کا اختیار تو عیسائیت، یہودیت تک میں بھی حاصل نہیں ہے، جبکہ اسلام نے نسب کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

کسی آدمی کا نسب مشکوک ہو جانا اس کے لیے عمر بھر کی شرمندگی کا باعث بن جاتا ہے۔ پھر اس کی آنے والی ساری نسلوں میں یہ پریشانی رہے گی۔ اس کے لیے اسلام نے عورت کو زیادہ شادیوں کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے میں تو پوری نسل کی تباہی کا خطرہ ہے۔ لہٰذا اللہ نے رشتے متعین کر دیے کہ فلاں فلاں رشتے حلال ہیں اور فلاں فلاں رشتے حرام ہیں۔ کن سے جسمانی تعلق قائم کرنے کی اجازت ہے اور کن سے ممانعت ہے۔

سب سے بڑی بات یہ کہ عورت کا جو فرضِ منصبی ہے وہ نیک، صالح اولاد معاشرہ کو مہیا کرنا ہے۔ اولاد کی تربیت کا نہایت اہم فریضہ ادا کرنا ہے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں لگا رہنا ہے۔ وہ نظام جس میں مسلمان مردوں اور عورتوں کی عصمت محفوظ ہے وہ اسلام کا نظام ہی ہے۔ اس کے علاوہ سب سراب ہے۔ آنکھوں کا دھوکہ ہے۔

مغربی تہذیب یہ ہے کہ عورتوں سے زیادہ سے زیادہ جنسی تسکین حاصل کی جائے اور کوئی ذمہ داری بھی نہ آئے۔ اس لیے وہ عورتوں کو زیادہ سے زیادہ باہر نکال رہے ہیں۔ اس کے لیے مغرب نے سب سے زیادہ توجہ بے حیائی، بے پردگی اور فحاشی و عریانی پر دی

Marfat.com

ہے۔کون نہیں جانتا کہ بے پردگی کے بے شمار نقصانات ہیں۔

گھر تباہ ہو جاتا ہے۔اس گھر میں سکون نہیں رہتا۔میاں بیوی میں ہم آہنگی نہیں رہتی۔ دونوں میں بداعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔اولاد تباہ اور آوارہ ہو جاتی ہے۔ان کی تربیت نہیں ہوسکتی۔انہیں والدین کی توجہ اور شفقت بھی حاصل نہیں ہوتی۔انسان کی تربیت میں سب سے بڑا حصہ محبت کا ہوتا ہے اور اس گھر میں محبت نہیں رہتی۔

عصمت برباد ہونے سے انسان کا انتہائی قیمتی زیور لٹ جاتا ہے اور آپس کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔عصمت انسانی تعلقات کی بنیاد ہوتی ہے۔جب یہ ٹوٹ جائے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔معاشرہ برباد ہو جاتا ہے۔

''خاندان'' معاشرے کا بنیادی یونٹ ہے، لہٰذا جب خاندان برباد ہوا تو پورا معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔ انسان ہر لمحے سکون کا متلاشی ہے۔ دنیا میں ہر انسان خواہ کسی بھی حیثیت کا مالک ہے، وہ سکون کی تلاش میں رہتا ہے۔اس ماحول میں جہاں رشتہ داریاں ختم ہو جاتی ہیں وہاں صرف شہوت پوری کرنا ''رشتہ داری'' ہوتی ہے۔امریکی و یورپی معاشرے میں ہر جگہ خواتین اور بچیاں مردوں کی ہوس اور درندگی کا نشانہ بنتی رہتی ہیں۔ یہ دراصل حیوانوں کا معاشرہ کہلوانے کا مستحق ہے۔

Marfat.com

4 / 3

من گھڑت داستانیں/عورت کی آزادی کے نعرے

خواتین کے حقوق سے متعلق عالمی سطح پر بے شمار این جی اوز کام کر رہی ہیں جن کا بنیادی مقصد دنیا بھر کی حکومتوں کو اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ اپنے ملک کی خواتین کی آزادی، حقوق اور تحفظ کو یقینی بنائیں، لیکن حقوقِ نسواں کا جھنڈا بلند کرنے والی تنظیموں کے ارکان دوسروں پر ظلم وستم کی من گھڑت داستانیں، فرضی واقعات اور قسما قسم ترغیبات سناتے ہیں تاکہ مسلمان خواتین کی ہمدردیاں حاصل کریں اور اپنے ''آقاؤں'' سے بڑی بڑی رقمیں بٹوریں، مگر خود ان کے گھر کی حالت عبرتناک ہے۔

مغربی معاشرے میں بظاہر ''عورت کی آزادی'' کے خوشنما نعرہ ہیں، لیکن درحقیقت وہ فطرت کے قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے بدترین ظلم وستم، جنسی تشدد اور استحصال کا شکار ہیں۔ مغرب نے خواتین کے حقوق کے نام پر انہیں کولہو کا بیل بنا رکھا ہے۔ صنف نازک کو ہر میدان میں گھسیٹ رکھا ہے۔ ان دوشیزاؤں کے اصل حقوق اس طرح پامال اور غصب کر لیے گئے ہیں کہ ان کی المناک داستانیں سن اور پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

آپ ذرا ان ''ترقی یافتہ'' ممالک میں عورتوں اور معصوم بچیوں پر ہونے والے قیامت خیز مظالم کی اک ہلکی سی جھلک تو ملاحظہ فرمائیے۔ ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق صرف امریکا میں عورتوں پر تشدد کے تقریباً 7 لاکھ واقعات ہوئے ہیں جبکہ گینگ ریپ اور اغوا کے

Marfat.com

کیس اس کے سوا ہیں۔ حالیہ برسوں کے دوران ہر 100 میں سے 33 خواتین کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے جن میں کم عمر بچیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔

''نیشنل کرائم وکٹی مائزیشن سروے'' کی رپورٹ کے مطابق: ہر ڈھائی منٹ میں کہیں نہ کہیں کوئی جنسی زیادتی کا شکار ہوتا ہے۔ ہر 6 میں سے ایک امریکی عورت جنسی زیادتی کا شکار ہوتی ہے۔ زنا بالجبر کے واقعات میں امریکا جیسے ملک میں صرف 33 فیصد نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی کیونکہ زنا بالجبر وہ واحد جرم ہے جس میں متاثرہ فرد کو بڑی مشکل سے اپنی بے گناہی ثابت کرنا پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے امریکی قوانین اور عدالتی نظام کی طرف سے جنسی جرائم کے مرتکب افراد کو عملاً تحفظ فراہم کرنے کے رجحان کے باعث بہت سی خواتین ایسے مظالم اور جرائم کی رپورٹ درج کروانے سے گریز کرتی ہیں۔

مزید یہ کہ امریکی معاشرے میں جنسی زیادتی کا شکار ہونے والی خواتین کی حوصلہ شکنی اور ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے اسکولوں میں آٹھ آٹھ، دس دس سال کی معصوم بچیاں حاملہ ہو رہی ہیں۔ ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق 2004ء میں دنیا کے 155 ممالک میں خواتین پر مختلف انداز میں تشدد کیا جاتا رہا جس میں گھریلو تشدد سرفہرست ہے۔ رپورٹ کے مطابق مغرب میں عورتوں کی موت اور معذوری کا ایک بڑا سبب گھریلو تشدد ہے۔ عورتوں کی بڑی تعداد اپنے سابقہ اور موجودہ شوہروں کے ہاتھوں قتل کردی جاتی ہیں اور وہ عورتیں جنہیں گھریلو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے ان کی عمر 16 سے 44 سال کے درمیان ہوتی ہے۔ امریکا میں عورتیں ظلم وستم سے محفوظ نہیں ہیں۔

ایک دوسری رپورٹ کے مطابق سال بھر میں امریکا کی پچاس ریاستوں میں تقریباً سات لاکھ واقعات گھریلو تشدد کے رونما ہوئے جبکہ گینگ ریپ اور اغوا کے کیسز اس کے علاوہ ہیں۔ اسپین میں بھی عورتوں کی ایک بڑی تعداد گھریلو تشدد کا شکار ہے۔ حکومت ملکی

Marfat.com

عدالتیں انہیں تحفظ دینے میں ناکام رہی ہیں۔ انسانی حقوق کی ایک تنظیم نے اسپین سے تعلق رکھنے والی ایک عورت کا ذکر اپنی رپورٹ میں کیا ہے جس پر اس کا شوہر جسمانی ونفسیاتی تشدد کرتا تھا اور ایک دن بالآخر اس کو گھر میں قتل کر دیا۔ جنوبی افریقہ میں بھی عورت تشدد کی چکی میں پس رہی ہے۔ اکثر مرد اپنی عورتوں کو تشدد کے بعد گولی مار کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ غریب اور جنگ زدہ ممالک میں عورت مزید بُرے طریقے سے استحصال کا شکار ہے۔ ان ممالک میں خواتین اپنے تحفظ کے لیے کوشاں نظر آتی ہیں۔ ایک دوسری تحقیقی رپورٹ کے مطابق روس میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے صورتِ حال انتہائی ابتر ہے۔

روسی حکومت نے اس بات کو تسلیم کیا کہ 1999ء میں تقریباً چودہ ہزار عورتیں اپنے ہی خاندان کے مردوں کے ہاتھوں تشدد کا شکار ہوئیں، اس کے باوجود حکومت نے مردوں کے ہاتھوں خواتین پر ہونے والے ظلم وزیادتی کی روک تھام کے لیے کوئی قانون نہیں بنایا۔ بھارت دنیا کی بڑی جمہوری ریاست ہے۔ وہاں پر بھی عورت ظلم، ناانصافی اور تشدد کا شکار ہے۔ بھارت میں بیشتر خاندانوں میں لوگ اپنی بیٹیوں کو بوجھ تصور کرتے ہیں اور ان کی تربیت پر پیسہ خرچ کرنا ان کے نزدیک پیسے کا ضیاع ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق بھارت میں حالیہ دو برسوں میں عورت کے خلاف تشدد میں اضافہ ہوا ہے۔ بھارت میں ہر 26 منٹ بعد کسی نہ کسی عورت کو پیٹا جاتا ہے۔ ہر 34 منٹ بعد کسی عورت کا ریپ ہوتا ہے۔ ہر 43 منٹ بعد کسی نہ کسی عورت کو اغوا کر لیا جاتا ہے اور ہر 93 منٹ بعد کسی نہ کسی عورت کو کم جہیز لانے پر جلا کر مار دیا جاتا ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق امریکا میں ہر سال 10 لاکھ کمسن بچیاں ناجائز بچے پیدا کرتی ہوں اور تقریباً اتنی ہی اسقاطِ حمل کرواتی ہوں۔ جو عمر ان کے کھیل کود کی ہوتی ہے اس میں وہ مغرب کے ہوس پرست مردوں کے لیے کھلونا بن جاتی ہیں۔ 2008ء میں فرانس میں 70 سالہ بدبخت شخص، کم سن معصوم بچیوں کو جنسی تشدد کا نشانہ بناتا اور بعد میں اسے قتل کر دیتا

Marfat.com

تھا۔ جنوبی کوریا میں ایک امریکی فوجی نے ساٹھ سالہ خاتون پر جنسی تشدد کیا ہے۔

یہ ہے حقوق نسواں کے علمبرداروں کا سیاہ چہرہ۔ خود ان ترقی یافتہ ممالک کی عورتیں اتنے ظلم وستم اور زیادتی کا شکار ہیں کہ اس کا پانچ فیصد بمشکل اسلامی ممالک میں ہوتا ہے۔

یہ پانچ فیصد بھی انہیں کی تہذیب وثقافت اور کلچرل اپنانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ بھی درحقیقت انہی کا دیا ہوا تحفہ ہے...... لیکن افسوس کہ میڈیا پر ان ممالک کا مکمل کنٹرول ہونے کی وجہ سے یہ رپورٹیں ''گھر'' سے باہر نہیں آتیں، کیونکہ یہ رپورٹیں اصل میں ایک خوفناک حقیقت ہوتی ہیں جن کے ظاہر ہونے سے ان کا سات پردوں میں چھپا مکروہ چہرہ بے نقاب ہوتا ہے۔

جب کبھی گھر کا بھیدی ہی لنکا ڈھا لیتا ہے تو ان کا ''حقوقِ نسواں'' کا بھانڈا بیچ چوراہے پھوٹ جاتا ہے جو اسلامی ممالک میں عالمی سطح پر حقوق نسواں کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کے منہ پر طمانچے کے مترادف ہوتا ہے۔ پوری دنیا میں ''خواتین کے حقوق کے علمبردار'' ہونے کا دعویٰ کرنے والے امیر ترین ممالک میں یہ صورتِ حال انتہائی شرمناک، افسوس ناک اور انسانیت کے لیے کلنک کا ٹیکہ ہے۔

مغرب نے صنف نازک پر ''حقوق نسواں'' کے خوشنما نام پر وہ ظلم ڈھایا ہے کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ اور اطمنان قلب نہیں، جبکہ مسلمان ہونے والی عورتیں اپنے آپ کو مکمل محفوظ سمجھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے مسلمان ہونے والوں میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔ ایک سبب تو اس مادر پدر معاشرے سے تنگ آئے ہوئے افراد کا اسلام کی جانب راغب ہونا ہے جبکہ دوسری اہم وجہ ان مظالم اور ناانصافیوں کا ری ایکشن ہے جو سامراجی طاقتیں، اسلام، عالم اسلام اور مسلمانوں پر روا رکھے ہوئے ہیں۔

انصاف سے دیکھیں تو امریکا اور یورپ میں عورت بدترین نسلی امتیازات، استحصال اور ظلم کا شکار ہے۔ اس سے تنگ آ آ کر مغرب کی پڑھی لکھی اور مشہور ومعروف عورتیں دائرہ

Marfat.com

اسلام میں داخل ہو رہی ہیں۔2011ء میں برطانیہ کے سابق وزیر اعظم ٹونی بلیئر کی خواہر نسبتی ''لارن بوتھ'' نے اسلام قبول کیا تھا۔انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد کہا تھا: ''اب میں شراب نہیں پیتی۔نماز پڑھنے سے سکون ملتا ہے۔حجاب پہن کر اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی ہوں۔قرآن کی تلاوت سے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔میں اسلامی تعلیمات سے شدید متاثر ہوں۔میں نے مسلمانوں کو مغربی پروپیگنڈے سے مختلف پایا ہے۔''

جس دن ٹونی بلیئر کی سالی نے اسلام قبول کیا اسی دن چینی کمپنی کے ایک اعلیٰ افسر نے بھی علی الاعلان اسلام قبول کر کے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ان دونوں کے اسلام قبول کرنے کے واقعے کو مغربی دنیا کے اخبارات نے شہ سرخیوں سے شایع کیا تھا۔ان کے قبولِ اسلام کی وجہ قرآن کا مطالعہ،غریبوں کی مدد،مظلوموں کی حمایت بنی ہے۔حضرت عمر فاروقؓ کے قبولِ اسلام کے واقعے سے لے کر ٹونی بلیئر کی سالی تک اکثریت کے اسلام قبول کرنے کا بنیادی سبب قرآن کا مطالعہ بنا ہے۔

شہزادی ڈیانا پر لکھی جانے والی کتاب "The Diana Choricles" کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ بھی مسلمان ہو گئی تھیں کیونکہ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت اور قرآن پاک کا بغور مطالعہ کیا تھا۔جس کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ اگر کوئی مذہب مبنی بر حق ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔لیڈی ڈیانا کو انہی لوگوں نے قتل کروایا جو نہیں چاہتے تھے کہ یہ اسلام قبول کرے۔قرآن کا بغور مطالعہ کرنے والا ابدی سچائی سے محروم نہیں رہتا۔وہ ایک نہ ایک دن حقیقت کو پا لیتا ہے۔یہ قانون ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

دنیا میں 1476233470 مسلمان آباد ہیں۔جن میں سے ایک ارب ایشیا میں، 400 ملین افریقہ، 44 ملین یورپ میں اور 6 ملین امریکا میں رہتے ہیں۔دنیا میں ہر

Marfat.com

پانچواں انسان مسلمان ہے۔ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کی تعداد کے ساتھ مسلمانوں کا تناسب کچھ اس طرح سے بنتا ہے ہر ہندو کے مقابلے میں 2 مسلمان اور ہر یہودی کے مقابلے میں ایک سو مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد میں پہلے بتدریج اضافہ ہو رہا تھا، لیکن نائن الیون کے بعد تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ روزانہ اوسطاً دنیا بھر میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد 1500 افراد سے زیادہ ہے۔

ہالینڈ کی آبادی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کے قریب ہے جس میں 12 لاکھ سے زائد مسلمان ہیں۔ تناسب کے اعتبار سے یورپ کے جس ملک میں زیادہ مسلمان ہیں وہ ہالینڈ ہی ہے۔ مختلف رپورٹوں کے مطابق دو سالوں میں صرف امریکا و یورپ میں چار لاکھ افراد حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ سوئزر لینڈ میں بتیس ہزار خواتین مشرف بہ اسلام ہو چکی ہیں۔ اسپین میں بھی ایک لاکھ سے اوپر اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ فرانس میں بھی اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ ویسے امریکا اور فرانس میں اسلام دوسرا بڑا مذہب شمار ہوتا ہے۔ آسٹریا میں تیسرا بڑا مذہب ہے۔ آسٹریا میں نائن الیون کے بعد 36 ہزار عیسائیوں نے اسلام قبول کیا ہے۔

برطانیہ میں بچوں کے لیے ''محمد اور احمد'' نام مقبول ترین بن گئے ہیں۔ برطانیہ میں پیدا ہونے والے 6928 بچوں میں سے 5991 بچوں کے نام ''محمد'' رکھے گئے ہیں۔ مقامِ مسرت ہے ان اسلام قبول کرنے والوں میں درجنوں معروف و مشہور افراد بھی ہیں۔ کرکٹر محمد یوسف، امریکی باکسر محمد علی کلے، سمیرا نامی معروف عیسائی رہنما، برطانوی صحافی ایوان ریڈلے، ماہر تعلیم پروفیسر غازی احمد اور دیگر بے شمار حضرات و خواتین اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہوئے مسلمان ہو چکے ہیں۔ تقابلِ ادیان پر مطالعہ کرنے والی غیر جانبدار برطانوی مصنفہ اور اسکالر ''آرم اسٹرانگ'' نے اسی سچائی کو بیان کیا ہے کہ میں نے 30 سال تمام مذاہب کا مطالعہ کیا۔ میں سمجھتی ہوں اسلام تمام مذاہب کے لیے رہنما کردار ادا کرسکتا ہے۔''

Marfat.com

ریاست ہائے متحدہ امریکا کے محکمہ تعلقات عامہ کی جاری کردہ رپورٹ بعنوان ''امریکا میں اسلام'' بھی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ امریکی تھنک ٹینکس نے اپنی مشترکہ رپورٹس میں کہا ہے اگر اس طرح لوگ مسلمان ہوتے رہے تو 2021ء تک اسلام امریکا کا پہلا بڑا مذہب ہوجائے گا جو امریکا کے لیے خطرے کی علامت ہے۔ نومسلموں میں اکثریت خواتین کی ہے۔ ظلم کی چکی میں پسی ہوئی یہ عورتیں مسلمان کیوں نہ ہوں جبکہ امریکا و یورپ نے خواتین کے حقوق کے نام پر بے دردی سے کولھو کا بیل بنا رکھا ہے۔ ان دوشیزاؤں کے اصل حقوق اس طرح پامال کر رکھے ہیں کہ ان کی داستانیں سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ انسانیت شرما جاتی ہے۔

دراصل عورت کو اگر اس کا حقیقی منصب اور اس کی فطری صلاحیتوں کے مناسب مقام دیا جائے تو معاشرے کی بڑی برائیاں اپنی موت آپ مرجائیں، لیکن کسی نے عورت کو اتنا ''تنگ ماحول'' فراہم کیا کہ اس کا دم ہی گھٹ گیا تو کسی نے لباس سے بھی بے نیاز کردیا۔ کسی نے اپنی انڈسٹری چلانے کے لیے عورت کو انتہائی سفاک طریقے سے استعمال کیا تو کسی نے اپنے پالتو جانوروں سے بھی کم حیثیت دی۔ اسلامی ممالک میں بھی عورت کے حوالے سے بعض رسمیں اور پابندیاں ایسی ہیں جنہیں ختم ہونا چاہیے۔ ان بے جا پابندیوں اور بے ہودہ رسموں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ معاشرے کے بگاڑ اور جہالت سے پیدا ہوئی ہیں۔''

میرے سامنے اس وقت مختلف رپورٹس ہیں جو کہ خواتین پر ہونے والے مظالم سے متعلق ہیں، حدود آرڈیننس کے حوالے سے رپورٹیں ہیں، مختلف کتابیں ہیں جن میں کسی نے چہرے کے پردے پر نکتہ چینی ہے۔ کسی نے اس کے لباس پر گفتگو کی ہے۔ ایک تراشے میں خواتین کی اسمگلنگ کا ذکر ہے۔ چند خبریں ''ریپ'' سے متعلق ہیں۔ ایک میں عورتوں کی اجتماعی آبروریزی کا ذکر ہے۔

Marfat.com

سیکولر طبقے سے تعلق رکھنے والے صحافی دوست کا مقالہ ہے، جس میں لکھا ہے مسلم معاشرے میں بھی عورت کو مکمل آزادی ہونی چاہیے۔ وہ بھی مردوں کے شانہ بشانہ چلے۔ وہ نوکری کرے۔ وہ اکیلی سفر کرے۔ وہ برقع کی قید سے آزاد ہو۔ وہ جیسا چاہے لباس پہنے۔ وہ اپنی پسند کی شادی کرے۔ خودمختاری کا اس کو حق حاصل ہونا چاہیے۔ جس طرح مرد کو پسند ناپسند کا اختیار ہے اسی طرح عورت کو بھی ہونا چاہیے۔ عورت کو کسی بھی کام پر مجبور نہ کیا جائے۔ عورت کی حیثیت پارٹنر کی ہونی چاہیے۔ عورت پر کوئی معاشی، اخلاقی یا مذہبی پابندی بھی نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ کسی قسم کا امتیازی سلوک بھی نہیں ہونا چاہیے۔''

ایک کرب ناک خط ملاحظہ کیجیے۔ خط میں لکھا ہے۔ ''میں نے ایک ایسے گھر میں آنکھ کھولی جہاں شروع ہی سے پردے کا اہتمام ہوتا تھا بلکہ پورے گھر میں دینی اور شرعی ماحول تھا۔ 22 سال تک میری طرف کسی نے غلط نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ میں مکمل سکون اور راحت کی زندگی گزار رہی تھی۔ بعدازاں میری شادی ایک ایسے گھرانے میں ہوگئی جہاں روشن خیال اور مغرب زدہ ماحول تھا، چنانچہ میں بھی آہستہ آہستہ اس ڈسپوزیبل کلچر میں ڈھلتی چلی گئی۔ پردہ میں نے چھوڑ دیا، نیم برہنہ لباس شروع کر دیا...... یہاں تک کہ ''ہمسفر'' بھی تبدیل کر لیا...... اب میری عمر 45 سال ہے اور میں بے یارومددگار ہوں اور ہر وقت پریشان ہی پریشان رہتی ہوں۔ دنیا کی ہر آسائش ہونے کے باوجود ''بے سکون'' ہوں جبکہ اس سے قبل دنیاوی آسائشوں کے کم ہونے کے باوجود صرف دین پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے مکمل سکون اور راحت میں تھی۔ میں اب دوبارہ پہلی والی زندگی کی طرف لوٹنے کا سوچتی ہوں، لیکن میرے حالات ایسے نہیں کہ میں لوٹ سکوں۔ بس میں اپنی مسلمان بہنوں سے کہنا چاہتی ہوں کہ وہ شریعت کے مکمل احکام کے مطابق زندگی گزاریں۔ اسی میں ان کا تحفظ ہے، سکون واطمینان ہے۔''

Marfat.com

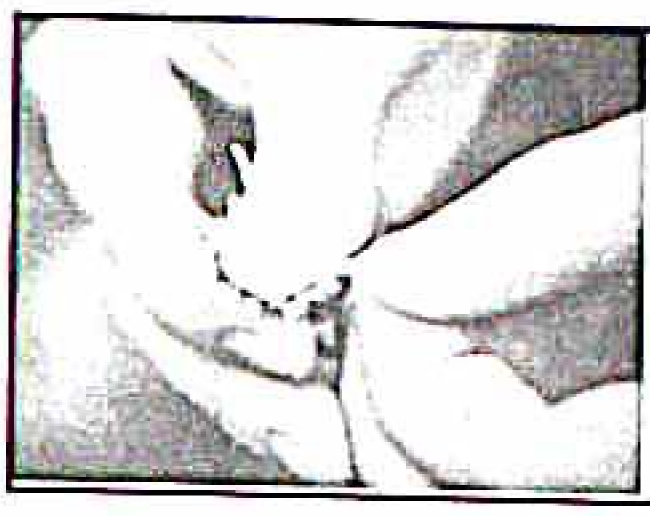

4 / 5

یہ ظلم نہیں تو کیا ہے؟/نو خیز کلیوں کو مسلنے والے!

وجودِ زن تصویرِ کائنات میں رنگ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خلوص ومحبت سے گندھا ہوا عورت کا وجود خوشی ومسرت سے بھرپور بہار آفریں زندگی کی ضمانت ہے۔ جہاں عورت مرد کی زندگی سنوارنے کا سبب بنتی ہے وہیں گھریلو ماحول میں بھی کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر عورت اپنے آپ کو واقعتاً ''عورت'' بنالے تو معاشرے میں پھیلے ہوئے جرائم کی شرح کم ہوجائے، لیکن سوال یہ ہے کہ حقوق نسواں اور حدود آرڈیننس کے علمبرداروں کو کون بتائے کہ عورت کی مظلومیت کے اسباب وہ نہیں ہیں جن کا ڈھنڈورا تم پیٹتے ہو۔

جن اسباب کو تم بیان کرتے ہو وہ تو اس کے تحفظ، امان اور راحت کے ضامن ہیں اور جس کو تم عورت کی آزادی کہتے ہو اس میں تو عورت کی عزت تارتار ہوتی ہے، ہوس کا نشانہ بنتی ہے، اجتماعی زیادتیاں ہوتی ہیں، ناانصافی ہوتی ہے۔ تم کہتے ہو کہ اس کے چہرہ کا پردہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ لباس بھی مختصر ہونا چاہیے حالانکہ ان واقعات کا سبب اگر کسی مرد کی بے راہ روی اور کمینگی بنی ہو تو بھی اس میں بڑی حد تک کارفرما عورت کی حرکات وسکنات اور اس کے وہ افعال ہوتے ہیں جو اس کی چال ڈھال سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر عورت مکمل پردے میں ہو تو یہ ناخوشگوار واقعات پیش نہ آئیں۔

اسلام نے عورت کو گھر کا ماحول فراہم کرکے اس کو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کا مقدس

Marfat.com

رشتہ فراہم کیا جبکہ مغرب اور مغرب زدہ لوگوں نے گھر سے باہر نکال کر عورت کو بھی تباہ کیا اور اپنا خاندانی نظام بھی برباد کر ڈالا۔ آج مغرب پریشان ہے اور پھر عورت کو گھر تک محدود کرنے پر سوچ رہا ہے کیونکہ عورت کو "باہر" نکالنے میں جتنے نقصانات ہو رہے ہیں ان کی تلافی ممکن نہیں۔ بس ایک ہی حل ہے کہ عورت کو اس کے فطری فریضے کی ادائیگی کے لیے گھر کی ملکہ بنا دیا جائے، لیکن افسوس کہ ہم عورت کو "باہر" نکالنے کے لیے طرح طرح کے ایسے بل منظور کروانے پر تلے ہوئے ہیں جن کی شقیں اور بنیادی مقصد ہی شریعت سے بھی متصادم ہے۔

اگر عورت کو مظلومیت سے نکالنا ہے تو پھر اس سے مکمل پردہ کروانا ہوگا، اسے معاشرے کی غلیظ نظروں سے بچانا ہوگا، اس کی دینی تعلیم کا خوب اہتمام کرنا ہوگا، اسے معاش کی فکر سے آزاد کرنا ہوگا، اسے بازار، دکان، دفتر، انڈسٹری اور تجارت کے لیے بکاؤ مال بننے سے بچانا ہوگا۔ اگر یہ کام نہ کیے تو عورت کی عزت اسی طرح تار تار ہوتی رہے گی۔ وہ ظلم و جبر کی چکی میں اسی طرح پستی رہے گی۔ عورتوں کی اسمگلنگ ہوتی رہے گی۔ خودکشیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ ان کے ساتھ ریپ ہوتے رہیں گے۔ وہ اجتماعی زیادتیوں کا شکار ہوتی رہے گی۔ وہ نفسیاتی مریض بنتی رہے گی۔ ان کو دفتروں میں گھسیٹا جاتا رہے گا اور نادان لڑکیاں دھوکہ باز اور ہوس پرست مردوں کے ساتھ بھاگ کر عبرت ناک انجام تک پہنچتی رہیں گی۔

حقوقِ نسواں کے علمبردار جن چیزوں کو اختیار کر کے عورت کو مظلومیت سے نکالنا چاہتے ہیں وہ اسباب تو اس کی مظلومیت کے ہیں ہی نہیں۔ عورتوں کے تحفظ کے لیے بل منظور ہوتے رہیں گے، لیکن ان پر عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ سے حوا کی بیٹیوں کے آنچل بدستور تار تار ہوتے رہیں گے۔ ہم حدود قوانین کو نام نہاد روشن خیالی کی بھینٹ چڑھاتے رہیں گے، لیکن قوم کی بیٹیاں وڈیرو، چودھریوں، سرداروں، خانوں اور جاگیرداروں کے شکنجے میں

Marfat.com

اسی طرح پستی رہیں گی۔ حقوقِ نسواں سے متعلق قوانین بنتے رہیں گے، لیکن بنتِ حوا کا تحفظ نہیں ہوگا کیونکہ یہ لوگ سمجھنے میں غلطی کررہے ہیں۔ جن چیزوں کو وہ آزادی کہتے ہیں وہ عورت پر ظلم ہے اور جن کو وہ ظلم کہتے ہیں ''بنتِ حوا'' کی حقیقی آزادی وہی ہے۔ شیخ سعدی نے ایسے ہی موقع کے لیے شاید کہا تھا۔

ترسم کہ نرسی بکعبہ اے اعرابی

کہ ایں راہ کہ تو میروی بترکستان است

''مجھے ڈر ہے کہ تو کعبہ تک ہرگز نہیں پہنچے گا کیونکہ جس راستہ پر تو چل رہا ہے یہ ترکستان جاتا ہے، مکہ جاتا ہی نہیں۔'' جسے تم آزادی کہتے ہو درحقیقت وہ عورت کا استحصال ہے۔ جسے تو دقیانوسی کہتے ہو اصل میں وہی عورت کو ملکہ بناتا ہے۔

10 مارچ کو خواتین کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ مارچ کا مہینہ آتے ہی اقوام عالم میں عورت کے حقوق، مساوات اور آزادی کے نعرے بلند آہنگ کے ساتھ گونجنے لگتے ہیں۔ اخبارات ایڈیشن نکالتے ہیں۔ سول سوسائٹی اور این جی اوز پنج ستارہ ہالوں میں کانفرنسیں کرتی ہیں۔ کروڑوں روپے کے اخراجات سے مختلف سرگرمیاں سرانجام پاتی ہیں۔ حکومت بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں رہتی اور بلند و بانگ دعوؤں کے ساتھ سرکاری تقریبات بھی منعقد کی جاتی ہیں، مگر عام عورت کی قسمت میں ہر سال وہی محرومی، مجبوری اور زندگی کی تلخیاں برقرار رہتی ہیں، کیونکہ صرف اُسی تلخی، محرومی اور مجبوری ہی کا ہر طرف آوازہ جو گونج رہا ہوتا ہے۔

ایسے میں ہر باشعور پاکستانی کا یہ فرض ہے کہ حقائق اور اعداد و شمار کی روشنی میں زندگی کی ان تلخیوں اور محرومیوں کو بھی کم کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ زندگی کی ان خوشیوں اور رعنائیوں کا بھی ذکر کرے جو ہمارا معاشرہ، ہماری اقدار اور ہمارا دین ہماری

Marfat.com

زندگیوں میں شامل کرتا ہے۔ اسی سلسلے میں 2014ء میں ویمن اینڈ فیملی کمیشن جماعت اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام ایک مشاورت میں یہ طے پایا تھا کہ ہم ہر سال کسی ایک نامور مسلم خاتون کو بطور رول ماڈل دنیا کے سامنے لائیں تا کہ ہماری روایتی معاشرے کی غیر اسلامی رسوم کی اڑتی ہوئی دھول میں ان خواتین کا جو موثر کردار زمانے کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے اُسے سامنے لایا جائے، پہلے مرحلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ مطہرہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو بطور رول ماڈل پیش کیا گیا۔ یہ مضمون ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی صاحبہ نے لکھا تھا۔

''انسانی تاریخ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ طاہرہؓ کی طرح کی خواتین کم ہی نظر آتی ہیں جنہوں نے خواتین کے لیے عمل کی راہیں آسان تر اور روشن تر بنائی ہیں۔ اُن کی یہ عظمت تو قابل رشک ہے ہی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی ایمان لانے والی انسان ہیں، مگر اُن کی یہ عظمت ہماری نظروں سے پوشیدہ رہتی ہے کہ انہوں نے خود اپنے لیے اُس ذات بابرکات کو تلاش کیا اور منتخب کیا جس کے لیے علامہ اقبال کہتے ہیں کہ

آ یہ کائنات کا معنی دیریاب تو

نکلے تیری تلاش میں قافلہ ہائے کو بہ کو

انہوں نے عرب کی مالدار ترین خاتون ہوتے ہوئے امیر ترین رؤسائے عرب کے رشتے ٹھکرائے۔ اُس دُرِّ یتیم کو جسے محبوب دو جہاں بننا تھا۔ اس وقت پہچانا جب ابھی اس کے گوہر کو اللہ نے آشکار نہ کیا تھا۔ یہ حضرت خدیجہؓ کی فراست کی انتہا تھی۔ ان کے مقدر کی خوش نصیب تابانی کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سے 15 سال بڑی اور دو دفعہ بیوہ ہو جانے کے بعد بھی اُن کا پیغام قبول کیا۔ روئے زمین کے سب سے بڑے خوش قسمت جوڑے ہونے کا اعزاز اُن کے حصہ میں آیا۔

آج یوم خواتین پر حقوق نسواں اور عورت کی آزادی اور مساوات کا بڑا چرچا ہے، مگر ہم

Marfat.com

اُن خواتین کا وہ معاشرتی رول دنیا کے سامنے نہیں لا پا رہے اور نہ ہی اُس پر عمل درآمد کے لیے کوئی طریقۂ کار وضع کر رہے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کا یہ فیصلہ کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود منتخب کیا۔ اُن کی رائے کی آزادی اور ان کے حقوق کے حاصل ہونے کا ایسا اعلان ہے کہ جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ سیرت نبوی پر غور کریں تو ایک عرب شاعر نے اُن پر طنز کرتے ہوئے شعر کہا تھا کہ جب سے اس دنیا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں، عورت کے حقوق کا بڑا چرچا ہے۔

حضورؐ نے ساری عمر حضرت خدیجہؓ کا بہت پیار اور احترام سے ذکر کیا، کیونکہ انہوں نے وفا محبت اور قربانی کی لازوال داستان رقم کی ہے۔ خاندان نبوت کی ایسی آبیاری کی ہے کہ اُس میں اپنا تن بھی جلایا، اپنے من کو بھی وفا کی بھٹی میں تپایا اور اپنے دھن کو بھی قربان کیا۔ وہ مکہ کی انتہائی کامیاب اور مشہور تاجرہ تھیں جن کے تجارتی قافلے شام اور یمن تک تجارت کے لیے جایا کرتے تھے، لیکن پھر شعب ابی طالب کی گھاٹیوں میں تین سال تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایثار وقربانی کا ایسا رشتہ نبھایا کہ تاریخ اس طرح کی مثال دینے سے قاصر ہے۔ حضرت خدیجہؓ کو بطور رول ماڈل سامنے رکھتے ہوئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا معاشرہ ان کے تاریخ ساز کردار سے عمل کی راہوں کو روشن کر سکے۔ ہم بھی اپنی عورتوں کو ویسے ہی حقوق دیں۔ اُن کی اسی طرح سے حوصلہ افزائی کریں۔ انہیں محبت اور حفاظت کے حصار مہیا کریں، کیونکہ ایک روایت کے مطابق بی بی حوا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا اور پسلی دل کے قریب اور بازو کے نیچے ہوتی ہے۔ عورت کی فطرت کو اسی طور پر پیدا کیا گیا کہ وہ محبت سے حفاظت کی محتاج ہوتی ہے اور جس عورت کو بھی یہ حصار میسر آجائیں وہ ہر ناممکن کام کو ممکن کر جاتی ہے۔

ہماری یہ بدقسمتی رہی ہے کہ جس تاریخ اور جس معاشرے کو مردوں اور عورتوں نے مل کر بنایا ہے اُس میں سے عورت کو غائب کر دیا گیا ہے۔ اسی لیے دنیا نے ہماری تاریخ اور

Marfat.com

معاشرے دونوں کا ادھورا اور ناقص تصور لے لیا ہے۔ اسلام کا خوبصورت اور روشن چہرہ دنیا کو دکھانے کے لیے ہمیں ان منور کرداروں کو سامنے لانا ہوگا جنہوں نے روایت شکن اقدامات کر کے عورت کو ان کے حقوق دلائے۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی دلجوئی کی اور تسلی کے وہ تاریخی الفاظ رقم کیے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفیق ہستی کو وحی کی گراں بار ذمہ داریاں سنبھالنے میں ڈھارس ملی۔ وہ نبوت کی پہلی ڈھال بنیں۔ ہر جگہ اپنے محبوب شوہر کی غم گساری کی۔

آپؐ نے بھی اُن کی ایسی حوصلہ افزائی کی کہ اُن کی صلاحیتیں اور بھی پروان چڑھیں۔ اُن کے اعتماد میں مزید اضافہ ہوا۔ اُن کے ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اور نکاح نہ کیا۔ یہ بھی اُن کا ایک بہت مبارک اعزاز ہے کہ اُن کی وجہ سے خانہ نبوت کو اولاد عطا ہوئی۔ اُن کی اتنی منفرد اور بابرکت ذات تھی کہ اللہ نے اُن کو نوع انسانی کے سب سے مبارک گھرانے کا مرکز محبت بنایا۔ عورت اپنے خاندان اور گھر کا مرکز محبت ہوتی ہے، اسی لیے قرآن کریم میں صنفی مساوات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ فرماتے ہیں: ''جواب میں اُن کے رب نے فرمایا میں تم سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے اُن کے سب قصور میں معاف کردوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ اُن کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔ (سورہ آل عمران)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد حضرت خدیجہؓ نے ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر اسلام قبول کیا۔ آپ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہوئے آپ پر ایمان لائیں۔ علامہ ابن اثیر اپنی مشہور کتاب ''اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ'' میں لکھتے ہیں: ''وہ خلق خدا میں سب

Marfat.com

سے پہلے اسلام لانے والی تھیں۔ اس معاملہ میں نہ کسی مرد اور نہ کسی عورت نے اُن سے سبقت کی۔''

ہم بھی آج حضرت خدیجہؓ کے کردار کو سامنے رکھتے ہوئے وطنِ عزیز میں عورت کے لیے راہ عمل متعین کریں۔ معاشرے میں اُس کے استحصال پر کڑی نظر رکھیں۔ اُس کے لیے محبت اور حفاظت کا ماحول بنانے کا انتظام کریں۔ مردوں کے اس معاشرے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی شفقت کو عام کریں۔ وہی ماحول بنائیں جس میں زندہ درگور ہوتی عورت کو انسانیت کا شرف ملا۔ سر اٹھا کر جینے کا سلیقہ ملا، رائے کی آزادی ملی اور اس کی صلاحیتوں کو اُجاگر کیا گیا اور اس کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اُس کے خاندان کے مرکز محبت ہونے کے کردار کو ہی اتنی اہمیت دی گئی کہ اُس دور کی عورت کو اس غلط فہمی کا موقع ہی نہ مل سکا کہ گھر ایک قید خانہ ہے۔

اُس نے گھر کو جنت بنا کر اُسی کردار کو اتنا فعال طریقے سے ادا کیا کہ اُس نے ایک ایسی نسل تیار کی کہ جس نے وہ معاشرہ تخلیق کیا جو آج بھی ڈیڑھ ارب انسانوں کے لیے آئیڈیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آیئے! اس یوم خواتین پر اُنہی مدہم ہوتے ہوئے نقوش کو تازہ کریں جن میں ہمارے پاس دنیا کی امامت بھی تھی اور آخرت کی فضیلت بھی۔ ہم نے اپنی تاریخ بھی فروزاں کی تھی اور ہمارا جغرافیہ بھی پھیل رہا تھا۔ اپنی اُس کھوئی ہوئی عظمت کو بازیاب کرانے کے لیے آئیں حضرت خدیجہؓ کے قدموں میں بیٹھ کر اپنے لیے عمل کی راہیں تلاش کریں اور اپنے حصے کی شمع جلاتے جائیں۔''

◆ ◆ ◆

کم از کم دو صدیاں گزری ہیں جب مغرب نے خدا کو اپنے براعظم سے باہر دھکیل دیا تھا۔ آنے والی سروے رپورٹوں کے مطابق اب باقاعدگی سے ہفتہ وار چرچ جانے والوں کی تعداد وہاں محض گیارہ فیصد رہ گئی ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ یورپ میں اب گرجا گھر

Marfat.com

باقاعدگی سے فروخت کیے جانے لگے ہیں۔ مغرب کی نمایندگی اس وقت چونکہ بہترین طور پر امریکا کر رہا ہے، اس لیے اخلاقی و مذہبی طور پر صورتِ حال وہاں بھی بہت بدتر ہے۔

ازدواجی لحاظ سے امریکا کا حال آج یہ ہے کہ نہ تو وہاں کا کوئی شوہر اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ اس کی شریک حیات کسی دوسرے مرد کے ساتھ ''تعلقات'' سے بچی ہوئی ہے اور نہ کوئی بیوی اپنے شوہر کے بارے میں کوئی صحت مند و مثبت رائے دے سکتی ہے۔

صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ''Gayism'' اور ''Lesbianism'' کے سبب واشنگٹن میں ایڈز کا جان لیوا مرض وبائی صورت اختیار کرگیا ہے، جبکہ کینسر کے مقابلے میں اس کی شرح بھی زیادہ ہے۔ بتایا گیا ہے 12 سال سے کم عمر بچوں میں بھی اس مرض نے اپنے پنجے گاڑ لیے ہیں، کیونکہ ''جنس'' وہاں سب سے سستی سے بنی ہوئی ہے اور ہر عمر کے افراد کے لیے وہ آزادی سے دستیاب بھی ہے۔

دوسری جانب امریکی فوج میں بھی جنسی حیوانیت عروج پر جارہی ہے۔ مرد فوجی افسران کے نزدیک ماتحت فوجی خواتین ان کے لیے دلبستگی کے سامان کے علاوہ کوئی اور حیثیت نہیں رکھتیں۔ اس ضمن میں خود امریکا ہی سے بے شمار رپورٹیں اور کتابیں منظرعام پر آرہی ہیں۔ ''ننگوں کے عوامی کلب'' کا قیام اس بدکاری کی ایک اور بگڑی ہوئی شکل ہے جس کا رواج بھی وہاں بڑھتا جارہا ہے۔

ایک معروف امریکی پادری ڈیوڈ ویلکرز نے اس ضمن میں خبردار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مختلف گناہوں کی دلدل میں پھنس جانے کے باعث نت نئے عذابِ الٰہی امریکا کا مقدر بن گئے ہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے مذہب کے یہ نگراں پادری خود بھی بڑے پیمانے کی بدکاریوں میں ملوث ہیں۔ گناہ بخشوانے کا جو اختیار وہ اپنے پاس رکھتے ہیں، اس کے باعث وہ شاید ہی کسی صنفِ نازک کو اپنے شکنجوں سے باہر نکلنے دیتے ہیں۔

حیرت انگیز طور پر سابق امریکی صدر ''جمی کارٹر'' بھی امریکا کے اس اخلاقی بحران پر چیخ

Marfat.com

اُٹھے ہیں۔ اپنی کتاب "Our Endangered Values: Moral Crisis" میں وہ لکھتے ہیں: ''امریکی لڑکیاں فرانسیسی لڑکیوں کے مقابلے میں 7 گنا زیادہ تعداد میں ایک ناجائز بچے کی ماں ہیں۔'' وہ کہتے ہیں ہم جنس پرستی سے متعلق جب امریکیوں سے دریافت کیا جاتا ہے تو ان کی اکثریت اس کے حق میں رائے دیتی ہے، نیز یہ کہ زیادہ آمدنی رکھنے والے 35 ممالک میں ہونے والے مجموعی قتل سے 19 گنا زیادہ قتل امریکا میں ہوتے ہیں۔''

نظریاتی عیسائیوں کا کہنا ہے کہ اسقاطِ حمل، اسکول میں کی جانے والی مناجاتِ اسمبلی اور ہم جنس افراد کی شادی کے معاملے پر وہ اپنی جنگ مسلسل ہار رہے ہیں۔ سروے میں بتایا گیا کہ آج سے 30 سال قبل جو والدین شراب کا ایک گلاس پینا بھی حرام تصور کرتے تھے، وہ آج اسی ''حرام شے'' سے بڑی آزادی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ایک اور عوامی جائزے کے مطابق امریکی محکمہ صحت نے انکشاف کیا ہے کہ خودکشی کرنے والے 63 فیصد اور گھروں سے بھاگ جانے والے نوے فیصد نوجوان وہ ہیں جو بن باپ کے گھروں سے تعلق رکھتے ہیں۔

دوسری طرف امریکی محکمہ انصاف نے انکشاف کیا ہے امریکی جیلوں میں موجود نوجوان مجرموں کی 70 فیصد، نفسیاتی مریضوں کی 85 فیصد، ریپ کے نوجوان مجرموں کی 80 فیصد اور اسکولوں سے ڈراپ آؤٹ ہونے والوں کی 71 فیصد تعداد کا تعلق بن باپ کے گھروں سے ہے۔

ایک امریکی سائنس دان ''بارک گولڈ مین'' کا کہنا ہے: ''ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں جتنی ہلاکتیں ہوئی تھیں، اس سے زیادہ ہلاکتیں ہر سال امریکا میں شراب نوشی کے باعث ہوتی ہیں، جبکہ لڑکیوں میں خودکشی کی شرح لڑکوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ اس کی بڑی وجہ ایک ریسرچ کے مطابق نوجوانوں کا بڑھتا ہوا ڈپریشن ہے۔ والدین کی عدم توجہ، معاشرے میں عدم تحفظ، بے جا مالی ذمہ داریاں اور دُہری تہری مصروفیات نے وہاں کی لڑکیوں کو ڈپریشن

Marfat.com

کا مریض بنا دیا ہے۔''

اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے معروف امریکی اداکارہ ''میڈونا'' نے کہا ہے امریکیوں کی نئی تہذیبی روایات...... جسے نیا عالمی نظام ہی کہنا چاہیے...... امریکی بچوں کے لیے زہر قاتل ہیں۔'' ایک امریکی ڈاکٹر نے اپنی ایک بوڑھی مریضہ کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے اس کے کلینک میں 70 سال کی ایک بوڑھی عورت لائی گئی تھی جس کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی تاہم علاج سے وہ رفتہ رفتہ بہتری کی طرف مائل ہو رہی تھی۔

ایک دن اس کی بیٹی اس سے ملنے آئی تو ڈاکٹر نے کہا اب وہ اپنی ماں کو گھر لے جاسکتی ہے۔ بیٹی نے اس وقت تو کوئی جواب نہ دیا، لیکن گھر جانے کے بعد اس نے ڈاکٹر کو فون کرکے بتایا کہ بہتر یہی ہے آپ میری ماں کو کسی ''اولڈ ہوم'' میں داخل کرادیں۔ جیسے ہی یہ خبر بوڑھی عورت تک پہنچی تو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہی اس نے دم توڑ دیا۔ ڈاکٹر موصوف نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اس کی موت اس وجہ سے واقع نہیں ہوئی تھی کہ اس کا کولہا ٹوٹا ہوا تھا، بلکہ اس وجہ سے کہ اس کا دل ٹوٹا ہوا تھا۔''

آزادانہ شہوت پرستی اور اندھا دھند مادی دوڑ نے امریکیوں کو اب خاندان کی جکڑ بندیوں تک سے بھی بہت دور پھینک دیا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ وہ کیوں کسی ایک فرد تک محدود رہیں اور کیوں نہ کسی ''دوسرے'' سے لذت حاصل کریں۔ وہ سوچتے ہیں ان کے معاشرے میں جب انہیں کوئی سہارا دینے والا ہی نہ ہو اور جب سارے صدمے انہیں تنہا ہی جھیلنے ہوں، تو پھر وہ بالآخر خودکشی ہی کیوں نہ کرلیں؟

امریکی رسالے ''ٹائم'' نے 25 مئی 2009ء میں ایسے بعض نامور امریکی جوڑوں کی تصویریں شائع کی ہیں جو 1986ء، 1983 اور 2005ء سے آج تک بغیر شادی کے زندگی گزار رہے ہیں اور بقول ٹائم کے وہ اپنی اس غیر قانونی ازدواجی زندگی سے بہت خوش بھی ہیں۔ اس نے لکھا ہے اتنے طویل عرصے کے باوجود ان میں سے بعض کے ہاں صرف ایک

Marfat.com

اولاد پیدا ہوتی ہے اور بعض نے تو اولاد جنم نہ دینے کی قسم ہی کھا رکھی ہے۔ مضمون کا طویل عنوان ہے: ''شادی کی انگوٹھی کے سوا ہر چیز! کئی جوڑے ساتھ رہنے کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ شادی کے تکلف میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟''

تو یہ ہیں وہ تہذیبی تصاویر جو امریکا کے بارے میں اکثر و بیشتر ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔ تصویریں ظاہر کر رہی ہیں کہ آہستہ آہستہ امریکا از خود اپنی موت کو دعوت دے رہا ہے۔ جس بے خدا تہذیب کو کل انہوں نے اپنے ہاں خوش آمدید کہا تھا وہ تہذیب انہیں آج اپنے ساتھ لے کر مستقل تباہی کی طرف بھاگے چلی جا رہی ہے۔ عورتوں کی بے پناہ آزادی، میڈیا کی چکا چوند پیشکش، مادی دولت کی اندھا دھند دوڑ اور شراب نوشی کی بے اندازہ کثرت کے باعث اب ان کے لیے ممکن ہی نہیں رہا ہے کہ وہ چار پانچ صدیوں پہلے کے ماضی کی طرف واپس لوٹ جائیں، جہاں کبھی ان کا خاندان تھا، رواداری تھی، مذہب کی حکمرانی تھی اور ان کے گھر عورتوں کے مقاماتِ قرار ٹھہرتے تھے۔

پاکستان کا اشرافیہ طبقہ، ناخدایانِ اقتدار اور مغربی تہذیب کے بے عقل پیروکاروں کو سوچنا چاہیے جس بے خدا، گندی اور برہنہ تہذیب کو وہ پاکستان میں رواج دینا چاہتے ہیں، اس نے تو خود امریکا کو بھی اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ وہ کیوں نئی نسل کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں؟

ایک اور نکتے کی طرف آیئے! ''ایڈز'' کی بیماری دو وجہوں سے پیدا ہوئی ہے۔ ایک ہم جنس پرستی، ایک عورت کا کئی عورتوں، کسی مرد کا مردوں سے جنسی تعلق قائم کرنا۔ کئی یورپی ممالک میں ہم جنس پرستی قانوناً جائز ہے اور بعض میں اس کے جواز کے لیے تحریکیں جاری ہیں۔ مغرب میں ایڈز کی بیماری اس قدر پھیل چکی ہے اس کی تعداد ایک کروڑ سے تجاوز کر گئی ہے۔ ''ایڈز'' کے عالمی دن کے موقع پر جو اعداد و شمار اور تفصیلات سامنے آئی ہیں وہ ہوشربا

Marfat.com

اور عبرت آموز ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا اس بیماری کے نتیجے میں فحاشی وعریانی میں کمی آتی اور عفت وعصمت کی طرف لوگوں کا رجحان زیادہ ہوتا، لیکن اخلاقی وجنسی بے راہ روی میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔ بدقسمتی سے امریکی ویورپی حکام ودانشور ایڈز کی بیماری کو روکنے کے لیے یہ نہیں کہتے کہ ناجائز جنسی تعلق قائم نہ کرو، بلکہ کہتے ہیں ''حفاظتی تدابیر'' کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرو۔

ان تدابیر کے لیے باقاعدہ تعلیمی کورس منعقد ہوتے ہیں۔ ٹیلی ویژن اور اخبارات میں اشتہارات دیے جاتے ہیں۔ سینٹروں میں عملی تربیت دی جاتی ہے۔ کوئی تعلیم گاہ ایسی نہیں ہے جس میں جنسی تعلیم کا انتظام نہ کیا جاتا ہو۔ یونیورسٹیوں میں جہاں غیر شادی شدہ لڑکے اور لڑکیاں پڑھتے ہیں، وہاں ایڈز کی روک تھام کے لیے یہ انتظام کیا گیا ہے یونیورسٹی کے غسل خانے میں وہ خودکار مشینیں لگائی ہوئی ہیں، جن کے اندر پیسے ڈال کر کنڈوم نکل آتا ہے۔ ایسی باتیں مغربی اخبارات میں پڑھ کر مغربی معاشرے اور ان کی تہذیب وثقافت سے گھن آنے لگتی ہے۔

امریکا ویورپ میں "Swap Union" نامی ایک اور تنظیم ہے۔ اس تحریک کا منشور یہ ہے شادی شدہ عورت کو بھی اجازت ملنی چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کے علاوہ بھی جس کے ساتھ چاہے، جنسی تعلق قائم کر سکے۔ غرض اس معاشرے میں کوئی اخلاقی قدر سالم نہیں رہی۔ انتہائی حیرت اور عبرت ناک بات یہ بھی ہے جس معاشرے میں زنا اور بدکاری اتنی سستی اور آسان ہے۔ کسی بھی عورت کے ساتھ ناجائز تعلق قائم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ بر سرعام طوائفوں کا سلسلہ بے روک ٹوک جاری ہے۔

بعض ملکوں میں قانوناً عصمت فروشی کی اجازت ہے۔ عصمت فروشی کی باقاعدہ کمپنیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود امریکا میں زنا بالجبر کے جتنے واقعات ہوتے ہیں، دنیا میں

Marfat.com

کہیں نہیں ہوتے۔ جہاں رضامندی کے ساتھ یہ عمل کرنا اتنا آسان ہے، وہاں زنا بالجبر کی شرح تمام دنیا سے زیادہ ہے۔ تعددِ ازواج قانوناً ممنوع ہے، بلکہ شادی کو ایک گالی بنادیا گیا ہے۔ ایک سے زیادہ شادی کرلیں تو قید ہوجائیں اور دس فحش عورتوں کے ساتھ تعلق قائم کرلیں تو اجازت ہے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

مغرب کی بے راہ روی، عورت کے استحصال اور اس پر جنسی تشدد کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج مغربی معاشرے میں خاندانی نظام کا تیا پانچہ ہوچکا ہے۔ گورے بچے کو اس کا حسب نسب معلوم نہیں۔ ماں کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس کا یہ بچہ کس مرد سے ہے؟ مغرب میں خواتین کو ماں بننے کے بعد ہر جگہ ناپسندیدہ رویے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عورتوں کی ایک بڑی تعداد اپنے سابق شوہروں اور بوائے فرینڈز کے ہاتھوں قتل ہوتی ہے۔ مغربی تہذیب یہ ہے کہ عورتوں سے زیادہ سے زیادہ جنسی تسکین حاصل کی جائے اور کوئی ذمہ داری بھی نہ آئے۔

مغرب کی بے راہ روی کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج مغربی معاشرے میں خاندانی نظام کا تیا پانچہ ہوچکا ہے۔ گورے بچے کو اس کا حسب نسب معلوم نہیں۔ ماں کو یہ بھی یاد نہیں رہتا اس کا یہ بچہ کس مرد سے ہے؟ مغرب کی پوری کوشش ہے کہ یہی کالا قانون اور مادر پدر آزادیاں مسلم معاشروں میں بھی رائج ہوجائیں تاکہ مسلمانوں کا اپنے اللہ، رسول، قرآن اور اسلامی شعائر سے محبت اور تعلق کمزور ہوجائے۔

Marfat.com

4 / 6

جان رالز کی شہادت/ مغربی تہذیب کے کرشمے

کچھ دن قبل "Time" میں ایک تحقیقی مضمون آیا تھا امریکا میں غیر ثابت النسب افراد کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اس میں افسوس اس بات کا نہیں تھا یہ کیسی قوم پیدا ہو رہی ہے جو ثابت النسب نہیں ہے۔ اس بات پر اخلاقی اعتبار سے کوئی تشویش نہیں تھی۔ تشویش صرف یہ تھی جو بچے غیر ثابت النسب ہوئے ہیں۔ ان کا معاشی طور پر دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اور اس سے معاشرتی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ معاشی مسائل کی وجہ سے وہ یہ مسئلہ قابل غور تھا۔ فی نفسہ غیر اخلاقی ہونے کی وجہ سے نہیں۔ امریکی و یورپی معاشرہ اخلاقی طور پر تباہی کے دہانے کھڑا ہے۔

جب سے مغرب نے عورتوں کو گھر سے باہر نکالا تو ان کا خاندانی نظام تباہ و برباد ہو کر رہ گیا ہے۔ کون نہیں جانتا عورت کو گھر سے باہر نکالنے سے گھر تباہ ہو جاتا ہے۔ میاں بیوی میں ہم آہنگی نہیں رہتی۔ اولاد آوارہ ہو جاتی ہے۔ ان کی تربیت نہیں ہو سکتی۔ انسان کی تربیت میں سب سے بڑا حصہ محبت کا ہوتا ہے اور اس گھر میں محبت نہیں رہتی۔ عصمت برباد ہونے سے عورت کا انتہائی قیمتی زیور لٹ جاتا ہے۔ پھر خاندان ٹوٹنے اور برباد ہونے لگتا ہے اور خاندان معاشرے کا بنیادی یونٹ ہے لہٰذا جب خاندان برباد ہوا تو پورا معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔ ان مفاسد کو دیکھنے کے بعد یورپ میں یہ تحریک شروع ہے کہ عورت کو واپس گھر میں لایا جائے اور بڑے بڑے ممالک اور اہم ترین شخصیات اس کے لیے سر توڑ

Marfat.com

کوششیں کررہے ہیں۔

مغربی مفکرین اور دانشور چیخ اُٹھے ہیں کہ خدارا! عورت کا استحصال اور اس پر ظلم بند کیا جائے۔ یورپ میں اب یہ تحریک شروع ہے کہ عورت کو واپس میں گھر لایا جائے۔ بڑے بڑے ممالک اور اہم ترین شخصیات اس کے لیے سرتوڑ کوششیں کررہے ہیں۔ سوویت روس کے آخری صدر ''گورباچوف'' نے اپنی کتاب "Perestroika" میں لکھا ہے: ''عورت کو گھر سے باہر نکالنے کی وجہ سے کچھ معاشی فوائد تو ضرور حاصل ہوئے ہیں، لیکن خاندان کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ عورت کو واپس گھر لایا جائے تاکہ خاندانی نظام کی بحالی کے ساتھ ساتھ گھریلو سکون دوبارہ مل سکے جو کسی زمانے میں ہوا کرتا تھا۔''

مغربی تہذیب سے تنگ آکر اور اسلام کے خاندانی نظام سے متاثر ہوکر امریکی ریاست ''کیلی فورنیا'' کی ''زہرا گونزالیس'' نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ نومسلمہ نے کا کہنا تھا: ''مغربی تہذیب وثقافت قانونِ فطرت کے خلاف ہے۔ جو حقوق اور احکام اسلام نے عورت کو دیے ہیں، دیگر معاشرے اور مذاہب اس کی نظیر اور مثال لانے سے عاجز ہیں ہے۔ عورت کا جو فرضِ منصبی ہے وہ نیک، صالح اولاد معاشرہ کو مہیا کرنا اور حسب نسب کی حفاظت ہے۔ چرچ آف انگلینڈ کے سربراہ ''ولیمز'' کا وہ بیان ریکارڈ پر ہے جس میں انہوں نے دوٹوک کہا تھا: ''مغرب کو چاہیے وہ شریعت کے قانون کو اپنائے۔ جیسا پاکیزہ نظامِ عفت وعصمت اور خاندانی نظام اسلام نے دیا ہے وہ کہیں اور نہیں مل سکتا۔'' مغرب کی ایک اور گواہی ملاحظہ کیجیے! ''جان رالز'' (John Rawls) کو اسی صدی کا سب سے بڑا امریکی سیاسی فلسفی سمجھا جاتا ہے۔ اس کی آراء مغرب میں مستند مانی جاتی ہیں۔

جان رالز 21 فروری 1921ء کو امریکی ریاست ''میری لینڈ'' (Maryland) کے علاقے ''بالٹی مور'' (Baltimore) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ''بالٹی مور'' کے ایک اسکول سے حاصل کی۔ 1939ء میں گریجویشن کے لیے ''پرنسٹون یونیورسٹی'' (Princeton University) کا رُخ کیا۔ 1943ء میں اپنی گریجویشن مکمل کرتے

Marfat.com

ہوئے امریکی آرمی میں بھرتی ہوئے۔ 1950ء میں اسی یورنیوسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ اس کے بعد اسی یونیورسٹی میں 1952ء تک تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ 1962ء میں ''کارنل یونیورسٹی (Cornell University) میں فلاسفی کے پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ جان رالز کے دلچسپ موضوعات میں پولیٹیکل فلاسفی، لبرازم، جسٹس، پولیٹکس، سوشل کنٹریکٹ تھیوری شامل تھے۔ 81 برس کی عمر میں 24 نومبر 2002ء کو امریکی ریاست ''میساچوسٹس'' (Massachusetts) کے علاقے ''لیکسنگٹن'' (Lexington) میں وفات پائی۔ اس نے اپنے موضوع سے متعلق کئی تہلکہ خیز کتابیں لکھیں۔ اس اپنی آخری کتاب ''دی لاء آف پیپلز'' (The Law of peoples) میں مسلمانوں کے معاشرے کی دل کھول کر تعریف کی ہے۔ اس نے صاف صاف لکھا ہے کہ خلافتِ عثمانیہ میں غیر مسلموں کو جو آزادی حاصل تھی اس کا آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس نے اپنی اسی آخری کتاب ''دی لا آف پیپلز'' میں عالمی طاقتوں کی طرف سے خاندانی منصوبہ بندی کی مہم کے اسباب پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ مغربی ممالک اپنے ملکوں میں آبادی میں اضافے پر مراعات اور انعامات دیتے ہیں جبکہ تیسری دنیا خصوصاً مسلم ممالک میں آبادی میں کمی کی دوا مفت بانٹتے ہیں۔ بچوں کی روک تھام کے لیے آپریشن کی تجویز دیتے ہیں۔ رحم مادر کے جبری اخراج تک سے باز نہیں آتے۔ ''جان رالز'' نے یہ نکتہ بھی اٹھایا ہے کہ اب عالمی طاقتیں منصوبہ بندی کی مہم سے زیادہ فروغ تعلیم کی مہم پر اس لیے توجہ دے رہی ہیں کہ اس سے ان کا مقصد بدنامی مول لیے بغیر نیک نامی کے ساتھ زیادہ بہتر طریقے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

جان رالز لکھتا ہے:

Respecting human rights could also relieve population pressure within a burdened society, relative to what the economy of the society can decently sustain. [I do not use the term "overpopulation" here since it seems to imply the idea of optimal

Marfat.com

population; but what is that? When seen as relative to what the economy can sustain, whether there is population pressure is a clear enough question. I am indebted to Amartya Sen on this point.] A decisive factor here appears to be the status of women. Some societies-china is a familiar example-have imposed harsh restriction on the size of families and have adopted other draconian measures. But there is no need to be so harsh. The simplest, most effective, most acceptable policy is to establish the elements of equal justice for women. Instructive here is the Indian state of Kerala, which is the late 1970s empowered women to vote and to participate in politics, to receive and use education, and to own and manage wealth and property. As a result within several yerars Keral's birth rate fell below China's without invoking the coercive powers of the state [See Amartya Sen, "Population: Delusion and Reality", The New York Review of Books, September 22, 1994, pp. 62-71. On Kerala, see pp. 70ff. China's birth rate in 1979 was 2.8; Kerala's 3.0. In 1991 these rates were 2.0 and 1.8 respectively]

Like polices have been instituted elsewhere_for example. In Banglades, Colobia, and Brazil_with similar results. The elements of basic justice have proven themselves essential for sound social policy.] [Page No 109-110 of the Law of Peoples Harrasd Press 2003]

ترجمہ: ”گنجان آباد والے ملکوں میں بنیادی حقوق کا منشور آبادی کے دباؤ کو کم کر دینا ہے۔ اس تبدیلی کا تعلق معاشرے میں عورت کی حیثیت سے ہے۔ چین نے آبادی کم کرنے کے لیے سخت ترین قوانین نافذ کیے، مگر ظالمانہ رویے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

Marfat.com

آبادی روکنے کا بہترین، آسان، قابل قبول اور سادہ طریقہ یہ ہے کہ عورتوں کو تعلیم کے مواقع دے کر مساوی سیاسی، جمہوری، سماجی اور معاشرتی عدل مہیا کرنے کی ضمانت دی جائے۔ بھارت کی ریاست کیرالہ اس حکمت عملی کا مثالی نمونہ ہے۔ جہاں 1970ء میں عورتوں میں سیکولر تعلیم عام ہو جانے کے بعد ووٹ دینے کی آزادی اور جمہوری سیاسی عمل میں شمولیت کا موقع دیا گیا۔ کئی سالوں بعد خود بخود بغیر سخت قوانین کے کیرالہ میں بچوں کی شرح پیدائش چین سے بھی کم ہوگئی۔

1979ء میں چین میں شرح پیدائش 12.8 اور کیرالہ میں 3 فیصد تھی۔ 1991ء میں صرف 12 سال بعد کیرالہ میں شرح پیدائش صرف 1.8 فیصد رہ گئی جبکہ چین میں سخت ترین قوانین کے باوجود شرح کیرالہ سے زیادہ یعنی دو فیصد تھی۔ تعلیم، ملازمت، کاروبار، جائیداد، ملکیت، سیاسی انتخابی عمل میں شرکت، گھر کے بجائے بیرونی کاموں میں شمولیت کے ذریعے عورتوں کے لیے ممکن ہی نہیں رہا کہ وہ آزادی کے مزوں کے ساتھ بچوں کی پیدائش کی پابندیاں برداشت کر سکیں۔ لہٰذا کیرالہ کی خواتین جو سو فیصد تعلیم یافتہ ہیں، لڑکیوں کے اسقاط حمل میں بھارت میں سب سے آگے ہیں۔ تعلیم یافتہ عورتیں یہی کام کرتی ہیں۔ خود رحم مادر سے باہر نکل آتی ہیں، مگر اپنے ہم جنس کو رحم مادر میں دفن کر دیتی ہیں۔''

خواتین کی آزادی کے نعرے، ان کے بنیادی حقوق کی باتیں، نسوانی حقوق کے دعوے وہ امرت دھارا ہے جو آزادی، مساوات اور ترقی کے نام پر عورت سے ماں بننے کی تمنا اور بچے سے فطری پیار چھین لیتا ہے۔ اس طرح وہ اس کی آزادی میں حائل رکاوٹوں کو عملاً ختم کر دیتا ہے۔ پہلے صرف معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے حاصل کرتے ہیں، پھر اپنے معیار زندگی کو آزادی کے نام پر اتنا بلند کرتے چلے جاتے ہیں جس کی کوئی حد نہیں۔ آزادی کے نام پر لوگ زیادہ سے زیادہ سرمایہ کمانا چاہتے ہیں۔ ان کی اصل توجہ سرمایے میں اضافے پر ہوتی ہے۔ دیگر امور ان کے لیے بے کار اور فضول ہو جاتے ہیں۔

خاندانی نظام ایسے بچائیں

Marfat.com

مغرب دیگر ملکوں کی بڑھتی ہوئی آبادی سے خوف زدہ ہے۔ آبادی کا ''بم'' اس وقت دنیا کا خطرناک ترین اسلحہ ہے جس کے مالک تیسری دنیا کے پسماندہ ممالک ہیں، کیونکہ غریب ممالک کے نوجوانوں کو جب روزگار نہیں ملتا تو وہ ترقی یافتہ ممالک کا رخ کرتے ہیں۔ وہاں ان کی شرح آبادی کا ایک حد سے زیادہ بڑھ جانا ان ممالک کے لیے مسئلہ پیدا کرتا ہے، جو کم آبادی کے حامل ہیں اور ان کی عورتیں آزادی کے جھانسے میں آ کر بچے پیدا کرنے کے جھنجھٹ سے بھی آزاد ہو چکی ہیں، لہٰذا مغرب ان کی آبادی کم کرنا چاہتا ہے۔ دنیا کی ساٹھ فیصد آبادی چین سے لے کر وسط ایشیا تک ہے۔ یہی مغرب کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ اگر یہ آبادی کم ہو تو مغرب کی مصنوعات کی کھپت کہاں ہوگی؟ لہٰذا ایک جانب وہ ان کی شرح افزائش روکنے کی کوشش کرتا ہے، دوسری جانب اپنی نسل بڑھانے کی بھی کوشش کرتا ہے۔

45 سال قبل چین میں ایک بچے سے زائد پر پابندی لگادی گئی تھی۔ ایک سے زائد بچے جننے والوں پر بھاری بھرکم جرمانے بھی عائد کیے گئے۔ چین کے ایک مشہور فلم ڈائریکٹر کو ایک سے زیادہ بچے ہونے کی وجہ سے 12 لاکھ ڈالر کا جرمانہ ادا کرنا پڑا تھا۔ ''جانگ یی موہ'' پر یہ جرمانہ اس وقت عائد کیا گیا تھا جب انہوں نے چین کی ایک بچہ پالیسی کی خلاف ورزی کرنے کا اعتراف کیا۔ ''موہ'' کی عمر 63 سال جبکہ ان کی بیوی چین تگ 32 سال کی تھی۔ یاد رہے چین میں 1970ء میں بڑھتی ہوئی آبادی پر قابو پانے کے لیے ایک بچہ پالیسی کا نفاذ کیا گیا تھا، لیکن رفتہ رفتہ چین میں ایک بچہ پالیسی تیزی سے غیر مقبول ہو رہی تھی۔ ملک کے سیاسی رہنماوں کو ڈر تھا کہ ملک میں نوجوان آبادی کی کمی کے سبب کارکنوں کی تعداد میں کمی نہ آ جائے۔ اس کے علاوہ عمر رسیدہ افراد کی دیکھ بھال کرنے والے والوں کی بھی کمی ہو سکتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق چین میں 2050ء تک ایک چوتھائی سے زیادہ آبادی کی عمر 65 برس سے زیادہ ہوگی، بلکہ چین کے بہت سے علاقوں میں اس وقت

Marfat.com

بھی یہ حالت ہوگئی تھی کہ بچہ ایک ہے جو روزگار کے لیے دور دراز علاقے میں گیا ہوا ہے اور پیچھے رہ گئے صرف بوڑھے والدین۔ ان کی دیکھ بھال کرنے والا اور سنبھالنے والا کوئی نہ بچا تھا۔ یہ نوجوان مشکل کا شکار ہوگیا تھا کہ میں اپنے والدین کی خدمت کروں یا پھر روزگار کماؤں؟ ان حالات کے بعد پھر کہیں جا کر اربابِ اختیار نے سوچا اور اس پالیسی میں نرمی کی۔ 2013ء میں چین کی قانون ساز اسمبلی نے ایک بچہ پالیسی میں نرمی کی تجاویز کی باقاعدہ منظوری دی تھی۔

اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کا خاندانی نظام برقرار رہے، ان کا حسب نسب معلوم رہے، حرام کاری، زنا کاری سے بچا رہے، معاشرہ تباہی سے بچ جائے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ اپنی عورتوں سے نوکریاں نہ کرواؤ۔ دکانوں کا شوپیس نہ بنواؤ۔ عورت کو گھر کی چار دیواری تک محدود کر دیں۔ مرد بیوی بچوں کا کفیل ہوتا ہے اور عورت بچوں کی پرورش کرتی ہے۔

آپ خود سوچیں جب عورت بن سنور کر باہر نکلے گی، پورا پورا دن دفتروں میں نوکریاں کرے گی، مال کی حرص و ہوس میں اس قدر منہمک ہو جائے گی کہ اس سے بچے کو دودھ پلانے کا موقع بھی نہ ملے بلکہ وہ شادی جیسے اہم فریضہ سے بھاگنے لگے۔ اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے ''پارٹنر'' اور ''بوائے فرینڈ'' بنانے لگے تو پھر ''گھر'' اور ''خاندان'' جیسا اہم ترین یونٹ کیسے برقرار رہے گا؟ بچے کون پیدا کرے گا، ان کی پرورش اور تربیت کون کرے گا؟

حیرت کی بات ہے کہ امریکا و یورپ اور دیگر ممالک جنہوں نے عورتوں کو مادر پدر آزادیاں دیں، گھروں سے نکال کر دفتروں میں بٹھایا، اس کے ایسے خطرناک نتائج نکلے کہ مغربی دانشور چیخ اُٹھے۔ ان کا گھریلو اور خاندانی نظام تیاپانچا ہوگیا۔ عورتوں نے بچے پیدا کرنے چھوڑ دیے۔ ان کی نسلیں ختم ہونے لگیں۔ جنسی بے راہ روی نے پورے معاشرے

Marfat.com

کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو اب چند سالوں سے مغرب مختلف طریقوں سے کوشش کر رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح عورت کو گھر میں واپس لایا جائے۔ فطرت سے بغاوت کا بُرا انجام وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ اور بھگت چکے۔

ایک ہم مسلمان ہیں کہ مغرب کا تھوکا اور پھینکا ہوا نظام اپنانے کے لیے مرے چلے جا رہے ہیں۔ اپنی عورتوں کو مغربی آداب و تہذیب سکھا کر اور سیکولر تعلیم دلوا کر گھروں سے اُٹھا کر دفتروں کی ''زینت'' بنا رہے ہیں۔ عورت کو جن کاموں اور امور کی تعلیم دلوانی چاہیے ادھر نہیں جا رہے۔ عورت کو امور خانہ داری، بچوں کی پرورش و تربیت کی ٹریننگ دینی چاہیے۔ عورت کو صاف صاف بتا دینا چاہیے کہ تیرا اصلی کام کفالت کرنا نہیں بلکہ پرورش کرنا ہے۔ تیرے بیٹھنے کی جگہ دفتر نہیں گھر ہے۔ تیرے حسن کے کرشمے بازاروں میں نہیں، گھر میں شوہر کے سامنے ہونے چاہیے۔

مغربی دنیا کا سب سے بڑا سیاسی فلسفی آج ببانگ دھل کہہ رہا ہے کہ کل مسلمان خواتین کو سیکولر تعلیم دلوانے کا اصل مقصد ان کو گھروں سے باہر نکالنا ہے تاکہ یہ بچے نہ جن سکیں اور مسلمانوں کی تعداد بتدریج کم سے کم تر ہوتی رہے جبکہ وہ اپنی قوم کو مشورہ دیتا ہے کہ خواتین کو گھروں تک محدود کر دو تاکہ وہ بچے جنیں۔ ان کی تعداد میں اضافہ ہو، خاندانی نظام بحال ہو سکے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا تھا ؎

طوطیا من موطیا تو ایس گلی نہ جا
ایس گلی دے جٹ بُرے اے لیندے پھائیاں پا

''میرے پیارے طوطے! تم اس گلی کی طرف نہ جاؤ کیونکہ اس گلی کے جاٹ بہت برے ہیں۔ وہ آزاد پنچھیوں کو اپنے پھندے میں پھانس لیا کرتے ہیں۔''

تو میرے مسلمان بھائیو! اور ماؤں بہنو! بے شک تم اپنی بچیوں کو ہر قسم کی تعلیم دلواؤ،

Marfat.com

لیکن ان سے نوکریاں ہرگز ہرگز نہ کرواؤ، انہیں گھروں سے باہر نہ نکالو، انہیں ماں بننا سکھاؤ، انہیں بچوں کو پرورش اور تربیت کا بتاؤ۔ مغربیت کو چھوڑیں مشرقیت کو اپنائیں۔ ماڈرنیت کو چھوڑیں روحانیت کو اپنائیں۔ مغربی خرافات کو چھوڑیں مشرقی اقدار کو اپنائیں۔ اسی طرح ہمارا خاندانی نظام مضبوط اور مستحکم رہ سکے گا۔

مغربی، یورپی اور دیگر ترقی یافتہ ممالک کی خواتین میں ماں سے بننے سے گریز کر رجحان تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک میں خواتین میں بچے پیدا نہ کرنے کی مختلف وجوہات ہیں۔ جاپان میں مہنگائی نے خواتین کو بچے پیدا نہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جب تک دونوں والدین کام نہ کریں بچے پالنا ناممکن ہے۔ وہاں تنہا زندگی اس لیے بھی مثالی ہے خواتین گھر میں رہتی ہیں جبکہ مرد بیس بیس گھنٹے کام کرتے ہیں۔ ورلڈ اکنامک فورم کے مطابق 70 فیصد خواتین شادی کے بعد ملازمت ترک کر دیتی ہیں۔

اعداد و شمار کے مطابق ہر 4 میں سے ایک لڑکی کو شادی کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ 40 فیصد لڑکیاں بچے پیدا ہی نہیں کرتیں۔ 90 فیصد خواتیں اکیلے رہنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ آبادی کی ماہر پروفیسر ''ٹوموی یماگوچی'' کہتی ہیں مذہبی رجحان کی کمی، زلزلے، جنسی بے راہ روی کا شکار کرنے والی فلموں اور مہنگی ترین رہائش نے بچے پیدا کرنا ناممکن بنا دیا ہے۔ تائیوان میں بھی صورت حال جاپان جیسی ہے۔ مہنگائی نے یہاں پر خواتین کے لیے بچے پیدا کرنا مشکل بنا دیا ہے۔ روس میں معاملات کچھ مختلف ہیں۔ روس میں ماں کو بچے کی پیدائش کے تھوڑے دنوں بعد ہی ملازمت پر جانا پڑتا ہے تو پھر وہ بچے کیسے پیدا کرے گی؟

ایسے ممالک میں اگر خواتین مائیں بننا بھی چاہیں تو وہ نہیں بنتیں کیونکہ وہ حالات کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ کئی صنعتی اور زرعی ممالک میں خواتین سے دونوں کاموں کی توقع کی جاتی

Marfat.com

ہے یعنی وہ بچے بھی پیدا کرے اور ملازمت بھی کرے جس کی وجہ سے ان میں بچے پیدا نہ کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق امریکا میں 18 سال کی عمر تک پرورش کرنے کے لیے 2لاکھ 34 ہزار 9 سو ڈالر خرچ آتا ہے۔ اگر آمدنی ایک لاکھ ڈالر سے زیادہ ہے تو یہ خرچ 3 لاکھ 90 ہزار ڈالر تک بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے خواتین کے لیے بچے پیدا کرنا خوف کی صورت اختیار چکا ہے۔

امریکا میں اس وقت بچے پیدا کرنے کی شرح 2007ء سے 2011ء تک 9فیصد کم ہوگئی ہے۔ 1970ء میں 10 میں سے ایک خاتون جبکہ 2010ء میں 5 میں سے ایک خاتون چاہتی تھی کہ وہ ماں نہ بنے۔ 1976ء میں 40 سے 44 سالہ خواتین جنہوں نے کبھی بھی بچے پیدا نہیں کیے وہ 10 سے 18 فیصد جبکہ 2008ء میں ایسی خواتین 80 فیصد ہوگئیں۔ 33 فیصد امریکی یقین کرتے ہیں شادی کرنے سے سماجی معیار بڑھتا ہے جبکہ 40 سے 44 سالہ 49 فیصد خواتین رضا کارانہ طور پر مائیں نہیں بنتیں۔ یورپی ممالک میں صورتحال مختلف ہے۔ مثلاً: اٹلی میں ایک تہائی خواتین نے کبھی بچے پیدا ہی نہیں کیے۔ امریکا میں شرح پیدائش تو کم ہوگئی ہے۔ امریکا میں زیادہ آمدنی والی 8 میں سے ایک خاتون بچے نہ پیدا کرنے کی توقع کرتی ہے۔ درمیانی آمدنی والی 14 میں سے ایک اور کم آمدنی والی 20 میں سے ایک خاتون ایسی توقع کرتی ہے۔

امریکا میں مامز مارکیٹ 2.4 کھرب ڈالر تک ہے جو کہ امریکا کے دفاعی بجٹ سے دگنی ہے۔ 2007ء میں بچوں کی نگہداشت پر آنیوالا خرچ 62.3 ارب ڈالر تھا۔ اعداد و شمار کے مطابق 1984ء سے 2008ء تک ماں نہ بننے والی سیاہ فام خواتین میں 30 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں میساچوسٹس یونیورسٹی (University of Massachusetts) کی سوشیالوجسٹ جینیفر ہکس کہتی ہیں کہ سیاہ فام خواتین روایتی ماں بننے سے انکار کر رہی ہیں۔ اس کی 8 بڑی وجوہات ہیں۔ جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

Marfat.com

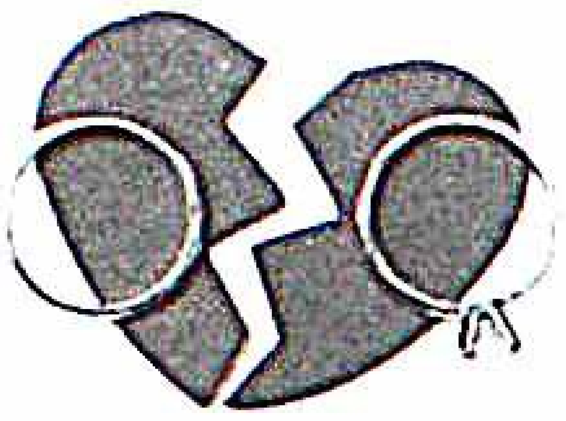

4 / 7

طلاق اور خاندانی نظام/ ایک مسئلہ، کئی حل

طلاق کی وبا پوری دنیا میں تیزی سے پھیل رہی ہے۔ دیگر ممالک کی طرح سعودی عرب میں بھی طلاق کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے، بلکہ امسال 2014ء کی ایک رپورٹ کے مطابق سعودی عرب دنیا کے ان ممالک میں شامل ہے، جہاں طلاق کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ 2012ء میں 31 ہزار سے زیادہ طلاقیں ہوئیں جس کی شرح 21 فیصد کے لگ بھگ بنتی ہے۔ سعودی وزارتِ انصاف کے اعداد وشمار کے مطابق 2014ء میں شادی کے بندھن میں بندھنے والے ایک لاکھ 48 ہزار جوڑوں میں سے 31 ہزار سے زیادہ کی شادی طلاق پر منتج ہوئی جبکہ 3449 جوڑوں نے عدالت کے ذریعے شادی ختم کی۔

عرب ذرائع ابلاغ کے مطابق طلاق کے واقعات میں سے اکثر معمولی اور کچھ مضحکہ خیز وجوہات کی بنا پر پیش آئے۔ مثال کے طور پر 2012ء میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو اس لیے طلاق دینے کی کوشش کی کیونکہ اس نے شوہر کے کہنے پر اپنا ٹوئٹر اکاؤنٹ بند نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک نامعلوم سعودی شہری نے شادی کے 10 ماہ بعد اپنی اہلیہ کو اسمارٹ فون کی ایپ کی مدد سے طلاق کا پیغام بھیجا۔ پھر کہا کہ یہ پیغام حادثاتی طور پر چلا گیا تھا، تاہم اس کی اہلیہ نے یہ پیغام مقامی جج کی عدالت میں پیش کیا جس نے طلاق کو صحیح قرار دے دیا۔

طلاق کے اس روز افزوں رجحان کی وجہ سے سعودی حکام شادی سے قبل نوجوان جوڑوں کے لیے کاؤنسلنگ کو لازمی قرار دینے پر غور کر رہے ہیں۔ اس تجویز کے

Marfat.com

مطابق نکاح نامے کی تصدیق کے لیے شادی کی تربیت کا سرٹیفکیٹ پیش کرنا لازم ہوگا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ شادی سے قبل میرج کاؤنسلر سے تربیت کی تصدیق کروانا لازمی قرار دیا جانا چاہیے۔ اس سے جوڑے کو ایک دوسرے کے لیے اپنی ذمہ داریوں کا بہتر طریقے سے احساس ہوگا۔ معاشرتی معاملات کی سعودی مبصر کا کہنا ہے کہ ملک میں تقریباً 40 فیصد طلاقیں اس لیے ہوتی ہیں کہ شوہر اپنی بیویوں پر نوکری چھوڑنے کے لیے دباؤ ڈالتے ہیں جبکہ 60 فیصد کا تعلق بیوی کی تنخواہ پر شوہر کے کنٹرول کے معاملے سے ہوتا ہے۔

سعودی عرب میں قانوناً ایک خاتون اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کام نہیں کرسکتی۔ وہ اسے کام کرنے سے روک سکتا ہے۔ اس امر کا تعین بھی کرسکتا ہے وہ کہاں کام کرے اور کہاں نہیں؟ طلاق کے رجحان میں اضافے کی وجہ سعودی شوہروں کی جانب سے اپنی بیویوں سے روا رکھے جانے والے سلوک کو بھی قرار دیا جاتا ہے۔ اس ملک میں ہر 6 میں سے ایک خاتون کو روزانہ بدکلامی اور ذہنی اور جسمانی طور پر استحصال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یہ استحصال کرنے والوں میں سے 90 فیصد ان کے شوہر یا والد ہوتے ہیں۔ طلاق لینے والے جوڑوں میں سے زیادہ تر جوان جوڑے ہیں جو کہ شادی کے ایک یا دو سال بعد ہی علیحدگی چاہتے ہیں۔ طلاق کے ان واقعات کی وجہ سے نوجوان سعودی خواتین میں شادی سے قبل اپنی تعلیم مکمل کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے تاکہ مستقبل میں ایسی کسی صورتحال میں انہیں اپنے بل بوتے پر زندگی گزارنے میں مشکلات درپیش نہ ہوں۔ یہی حال دیگر ممالک کا بھی ہے۔ خاندانی نظام کے بکھرنے میں طلاق کا بنیادی کا کردار ہے۔ اس پر قابو پانے کی اشد ضرورت ہے۔

Marfat.com

2014ء میں معروف ایٹمی سائنسدان اور دانشور جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب نے اسلامی تہذیب وثقافت اور مسلمانوں کے خاندانی نظام پر ایک جامع تحریر لکھی تھی۔ اس میں انہوں نے ثابت کیا تھا مسلمانوں کی تہذیب وثقافت، رسم و رواج، طور و اخلاق اور معاشرت تمام تہذیبوں اور معاشروں سے بہتر اور اچھی ہے اور مغربی تہذیب پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ مغربی دانشوروں کی تمام تر توجہ ومرکز انفرادی آزادی پر مبذول ہے۔ وہ کسی حال میں بھی اس سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے، ان کا خاندان اِنتشار کا شکار ہے، بچے والدین کی عزّت نہیں کرتے، بغیر نکاح کے لڑکے لڑکیاں ساتھ رکھتے ہیں، حرام کے بچوں میں دن دگنا رات چوگنا اضافہ ہو رہا ہے، طلاق کی شرح میں بھی بے حد اِضافہ ہو رہا ہے.....'' اس پر ڈاکٹر صاحب کو ایک مغربی دانشور نے خط لکھ کر بتایا کہ ایسا نہیں ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب اور مغربی دانشور ''بل سلیمن'' کا جو دلچسپ مکالمہ ہوا، اس کا اردو ترجمہ اور خلاصہ کچھ یوں تھا۔ من وعن ملاحظہ کیجیے۔

بل سلیمن: ''میں مانتا ہوں مغربی عوام انفرادی آزادی کے نہایت پرجوش حامی ہیں۔ اس میں وہ رتی برابر بھی رعایت کرنے کو تیار نہیں۔ پھر بھی ہم اپنی آزادی کا کچھ حصّہ ان وجوہات کی بنا پر قربان کرنے کو تیار ہیں۔ (1) دہشت گردی کے خطرات کی وجہ سے ہم چند سرکاری اداروں کو اپنی ای میل اور دوسری مواصلات کو چیک کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ (2) ہم کسی بھی فرد کو کسی دوسرے فرد کو آزادی سے تکلیف دینے یا دھمکی دینے یا قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ (3) ہماری آزادی ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم کسی کو مذہب تبدیل کرنے یا ہمارا مذہب اختیار کرنے پر مجبور کریں۔ (4) ہم جس سے چاہیں شادی کریں اور جب چاہیں طلاق دے سکتے ہیں۔ مرد اپنی بیوی کو بزورِ قوّت اپنی بیوی نہیں بنائے رکھ سکتے۔ اسی طرح بیوی اپنے شوہر کر بزورِ قوّت اپنا شوہر بنے رہنے پر مجبور نہیں کرسکتی اور نہ ہی اس پر حکم چلاسکتی ہے۔''

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر خان: ''اس قسم کے انتظامی قوانین جن سے افراد کی آزادی کو اجتماعی مفادات کے بہانے غصب کرلیا جائے ایک عام طریقہ کار ہے۔ میں مغربی اقوام کے انفرادی آزادی کے جوش کے بارے میں تبصرہ کررہا تھا جس کی آڑ میں وہ کردار واطوار...... مثلاً: باپ بیٹی، بہن بھائی، ماں بیٹے وغیرہ وغیرہ کے درمیان جنسی تعلقات، ہم جنسی تعلقات، حمل گرانا، بغیر نکاح کے جنسی تعلقات اور بچے پیدا کرنا، کم سنی میں لڑکیوں کو جنسی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دینا، اولاد کو والدین کو طلاق دینا کا حق دینا شامل ہیں۔ ان اعمال وکردار سے خاندانی یکجہتی یعنی قدیم ترین ادارہ برائے تاریخ انسانی جس کی وجہ سے ہماری اجتماعی خاندانی میل ومحبت قائم ہوتی ہے وہ تتر بتر ہوگئی ہے۔

بل سیلمن: ''مغربی خاندانی زندگی کے انتشار کی وجہ یہ نہیں ہے کہ انفرادی آزادی میں ذرا بھی لچک نہیں ہے۔ دراصل ہم ایک شوہر اور بیوی کو اختلافات کی موجودگی میں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کرتے جبکہ ان میں لڑائی جھگڑے بھی ہورہے ہوں۔ ہم اس پر اختلاف رائے رکھ سکتے ہیں کہ طلاق اچھا عمل ہے یا بُرا عمل ہے۔ خاندانوں کے انتشار کی وجہ عموماً مالی معاملات، دماغی حالات، جذباتی کیفیت اور دوسرے کئی اَسباب پر منحصر ہے۔''

ڈاکٹر عبدالقدیر خان: ''کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ ہر قوم و طبقے کے قوانین وسوشل اصول ایسے ہونے چاہئیں جن میں شادی کو ختم کرنے یا طلاق دینے کی مکمل سہولت ہونی چاہئے خواہ ان کی کوئی بھی وجوہات ہوں۔ نہ ہی مجھے اس سے اختلاف ہے شادی کے ٹوٹنے میں لاتعداد وجوہات ہوتی ہیں اور ہر فریق کے مدنظر اپنے نظریات و مفادات ہوتے ہیں۔ ہم اس کو ایک عام اصول کے طور پر لاگو نہیں کرسکتے۔ میرا نظریہ ہے مغرب یا مغربی معاشرے میں انفرادی خودغرضی تیزی سے پروان چڑھ رہی ہے جس کی وجہ سے ہر فرد اپنی ذاتی خواہشات خواہ وہ معاشی ہوں یا جنسی کی بنیاد پر خاندانی یکجہتی کو قربان

Marfat.com

کر دیتا ہے۔ وہاں افراد میں خاندانی زندگی، شادی یا ازدواجی زندگی کی خاطر کچھ قربانی دینے کے بجائے طلاق پر عمل کرنا ایک آسانی طریقہ سمجھ لیا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے ضعیف والدین کو نظر انداز کر کے عمر رسیدہ لوگوں کے گھروں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ میں یقیناً اس کو ایک عام رواج نہیں کہنا چاہتا، مگر بدقسمتی سے ضعیف والدین کو ایک بوجھ سمجھا جانے لگا ہے اور ان کو گھریلو محبت، دیکھ بھال میسر نہیں ہوتی۔ یہ بتا کر مجھے نہایت افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ بُری عادت اب ہمارے معاشرے میں بھی تیزی سے سرایت کر رہی ہے حالانکہ قرآن اور مذہب نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں ہم کو اس بارے میں ہدایات دیتے ہیں۔"

بل سیلمن: "یہ حقیقت کہ مغربی ممالک میں طلاق کی تعداد بہت زیادہ ہے بُری چیز نہیں ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہتر ہے کہ مغربی سوسائٹی میں قوانین شوہروں کو اپنی بیوی پر ظلم و ستم کرنے یا غلام سمجھنے یا ایک گائے کی طرح استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔"

ڈاکٹر عبدالقدیر خان: "میں نے پہلے ہی عرض کیا ہے اور مانتا ہوں ہر سوسائٹی اور قوم کو ایسے قوانین کی اجازت ہونی چاہئے جن کی مدد سے شادی کی ناکامی کی موجودگی میں طلاق کی اجازت ہونی چاہئے۔ میں اس سے بھی اتفاق کرتا ہوں کہ کسی بھی شوہر یا بیوی کو ایک دوسرے پر جبر، ظلم و ستم یا ذہنی و جسمانی طور پر تکلیف دینے کی اجازت نہیں ہونا چاہئے۔ تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو علم ہو جائے گا اسلام کی آمد سے عورتوں کو ذلّت اور غلامی سے نجات ملی۔ ان کو سوسائٹی میں مساوی درجہ دیا گیا اور بچپن میں زندہ دفن کیے جانے کی لعنت سے نجات ملی۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو یہ حق دیا وہ اپنے شوہر کو خود پسند کرے، اس کو مناسب مہر کا حق دینے اور وراثت میں اس کا حصّہ مقرر کیا جو اس سے پہلے ناپید تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی حکم دیا کہ عورت پر لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کا نام استعمال کرے۔ آپؐ کی اپنی زوجہ حضرت خدیجہؓ ہمیشہ اپنے والد نہ کہ آپؐ کے

Marfat.com

نام سے پکاری جاتی تھیں۔

وہ تاجر تھیں اور آپؐ سے تجارت کے سلسلے میں جان پہچان ہوئی تھی اور آپؐ کی ایمانداری، خلوص، نرم مزاجی، بردباری سے متاثر ہو کر شادی کی تھی۔ اس طرح ہمارے سامنے ہمارے رسولؐ کی شادی کی شکل میں ایک سنہری مثال موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ جنت عورت کے قدموں کے نیچے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمان شادی کو انسانی سوسائٹی کا نہایت اہم جز سمجھتے ہیں اور اس کو قائم رکھنے کے لیے ہر ممکن جائز کوشش کرتے ہیں۔ جس طرح بل سیلمن آپ اپنی آزادی کا کچھ حصّہ اپنی سیکیورٹی وغیرہ کی خاطر اپنی حکومت اور اداروں کو دینے میں فخر محسوس کرتے ہیں اسی طرح ہم بھی اپنے خاندان کو متحد رکھنے اور خاندانی روایات کو قائم رکھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں خواہ اس میں ہمیں اپنی ذاتی آزادی کا کچھ حصّہ قربان ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔''

بل سیلمن: ''میں پچھلے 42 سال سے ایک ہی خاتون سے شادی کی گزار گزار رہا ہوں۔ میں یہ قبول کرتا ہوں کہ بعض اوقات مرد اور عورتیں قانونی طور پر شادی کے بندھن میں نہیں بندھنا چاہتے ہیں بلکہ جذباتی اور مالی وجوہات کی بنا پر ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ میں یہ بھی قبول کرتا ہوں کہ بعض اوقات مرد مردوں کے ساتھ اور عورتیں عورتوں کے ساتھ رہنا...... جنسی تعلقات...... پسند کرتے ہیں۔ میں یہ بھی قبول کرتا ہوں کہ بعض اوقات ایک مرد ایک سے زیادہ بیویاں رکھتا ہے، مگر ہمارے یہاں یہ قانونی طور پر جائز نہیں ہے۔ میں ایک عورت کے بارے میں جانتا ہوں کہ جس نے 14 بار شادیاں کیں اور 8 شوہروں کو ہلاک کر دیا۔ بعض اوقات یہ بہتر ہے کہ باہمی رضامندی سے شادی ختم کر دی جائے۔ ہمارے یہاں اس میں حکومت دخل اندازی نہیں کرتی۔''

ڈاکٹر عبدالقدیر خان: ''خود ہمارے یہاں جوڑے کو طلاق کی کھلی اجازت ہے یا تو یہ باہمی رضامندی سے ہو جاتی ہے یا اگر رضامندی نہ ہو تو ایک پارٹنر عدالت جا کر اپنا حق

Marfat.com

طلاق استعمال کر کے طلاق لے سکتا ہے۔ حکومت کسی پر جبر نہیں کرتی کہ نا رضامند جوڑا ساتھ رہے۔ قرآن مجید میں غیر مبہم الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ طلاق جائز ہے، لیکن اس پر اس وقت عمل کیا جائے جب افہام و تفہیم اور صلح صفائی کے تمام راستے بند ہو گئے ہوں۔ گویا اس کو سب سے ناپسندیدہ عمل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو...... خصوصی حالات میں یعنی جب جنگوں کی وجہ سے لاتعداد جوان بیوہ عورتیں تھیں...... چار شادیوں کی اجازت دی (نہ کہ ان کو حرام کی سہولت) اور ساتھ میں یہ بھی حکم دے دیا کہ ان کے ساتھ مساوی سلوک کرو اور انتباہ کیا کہ یہ کام تمہارے لیے بہت مشکل ہوگا۔ یہی نہیں اللہ نے زندگی کے ہر شعبہ میں میانہ روی کی سخت ہدایت کی ہے۔ بدقسمتی سے مسلمان اس پر عمل نہیں کر رہے جس کی کئی وجوہات ہیں، مگر خاص وجہ معاشی بدحالی اور غربت ہے۔''

یہ ایک طویل مکالمہ تھا جس میں سے ہم نے چند مطلوبہ پیراگراف یہاں پر من و عن نقل کیے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت اور واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا خاندانی نظام آئیڈل ہے۔ تمام مذاہب اور اقوام کو اس کی پیروی کرنی چاہیے۔ اسی سے معاشرے میں بہتری آئے گی۔

Marfat.com

بنتے بگڑتے خاندان/فرضی کہانیاں اور مکالمے

اب آخر میں اپنے گھر کو بہتر بنانے کے متعلق ایک فرضی مکالمہ پیش خدمت ہے۔ امید ہے پسند آئے گا اور گھر کے معاملات بہتر کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوگا۔ سلیم اور علی دونوں اچھے دوست ہیں۔ دینی و دنیاوی امور میں ایک دوسرے کے اچھے معاون اور مشیر ہیں۔ ایک مرتبہ دونوں میں خانگی امور اور ازدواجی زندگی سے متعلق گفتگو ہوئی، جو ہم سب کے لیے بہترین نصیحتوں پر مشتمل ہے۔ اس لیے یہ مکالماتی گفتگو ہدیہ قارئین کی جارہی ہے جس کے تناظر میں ہم بھی اپنی اصلاح کر کے اپنے گھر کو جنت بنا سکتے ہیں۔

''سلیم نے اپنے دوست علی کو بتایا ہم میاں بیوی آپس میں نہایت خوش وخرم ہیں۔ ایک دوسرے کی رعایت کرتے ہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر ایک دوسرے کے دکھ سکھ کا احساس کرتے ہیں۔ میری اہلیہ تو بڑی ہمت اور دانشمندی سے میری ضروریات اور میرے مزاج کا پورا خیال رکھتی ہے۔ میں شام کو جب گھر لوٹتا ہوں تو وہ میری منتظر ہوتی ہے۔ خندہ پیشانی سے میرا استقبال کرتی ہے۔ میری خدمت اور راحت کا ازخود خیال رکھتی ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اسے کہا ہو آج تم میرے لیے فلاں چیز پکادو یا میری خوشی کے لیے اچھے کپڑے پہنو۔

تم تو معاشرے کی موجودہ روش کو جانتے ہو کہ عورتیں گھروں میں سادہ لباس میں رہتی

Marfat.com

ہیں اور شادی بیاہ یا کسی تقریب میں جانا ہوتو خوب بن سنور کر جاتی ہیں۔ گویا ان کی زیب وزینت سب کے لیے ہے، مگر شوہر کے لیے نہیں حالانکہ شادی کے بعد عورت کی زیب وزینت اور حسن وجمال کا اولین مستحق خاوند ہی ہے۔ اب میں خود بھی اس کے کپڑوں اور زیب وزینت کی ضروریات کا خیال رکھتا ہوں اور میں خود بھی ایسا رہتا ہوں کہ وہ مجھے دیکھے تو اس کا دل بھی خوش ہوجائے۔

علی بھائی! میں نے جب سے یہ حدیث مبارکہ پڑھی ہے: ''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہو۔'' اسی دن سے میں نے اپنے بیوی بچوں کے بارے میں اپنے رویے اور مزاج کو حسن سلوک میں تبدیل کرنے کی کوشش شروع کردی اور مجھے اپنے مرشد کی مشاورت سے اس میں کافی حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اس حدیث سے میری زندگی میں انقلاب آ گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی سے حسن سلوک کرنے والے کو سب سے بہتر فرمایا ہے۔ ذرا سوچیے! کس قدر مبارک تاکید ہے اور کتنے اہم معاملہ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔''

سلیم نے علی کی دلچسپی دیکھی تو کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ حضرت عائشہؓ کی دلجوئی کے لیے کیسی رعایتیں فرماتے کہ انصار کی بچیوں کو ان کے پاس کھیلنے کے لیے بلاتے، جب حضرت عائشہؓ پانی پیتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ سے پیالہ لے کر وہیں لب مبارک لگالیتے جہاں سے انہوں نے پیا تھا اور جب وہ ہڈی سے گوشت کھاتیں تو آپ گوشت والی ہڈی لے کر اسی جگہ سے کھاتے جہاں سے حضرت عائشہؓ نے کھایا ہوتا اور تو اور دو مرتبہ آپ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑنے کا مقابلہ فرمایا۔ ازواجِ مطہرات کی دلجوئی کا کس قدر خیال فرماتے اگر وہ اِدھر اُدھر کے قصے یا گزرے ہوئے واقعات بیان کرتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر سنتے رہتے اور خود بھی کبھی اپنے گزشتہ واقعات سناتے۔''

Marfat.com

''علی بھائی! جب سے میں نے اس طرح کے واقعات پڑھے ہیں، میں نے اتباع سنت کی نیت سے انہیں اپنے معمولات میں شامل کیا ہوا ہے۔ جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کا یہ درخشاں باب پڑھا ہے اسی وقت سے میں نے اس پر عمل شروع کر دیا جس کی برکت سے میں آج پرسکون زندگی بسر کر رہا ہوں اور حقیقت یہی ہے کہ سیرت طیبہ اپنانے اور عملی زندگی میں نافذ کرنے کی چیز ہے نہ کہ منانے کی۔''

علی نے پوچھا: ''ماشاء اللہ آپ تو مثالی حسن سلوک کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ کیا آپ کی اہلیہ بھی اس طرح آپ کی رعایت کرتی ہیں؟''

سلیم بولا: ''میں نے آپ کو پہلے بھی بتا دیا ہے کہ وہ میری ضروریات کا ہی نہیں بلکہ میرے مزاج کی بھی رعایت رکھتی ہے اور میرے کہنے سے پہلے از خود میری راحت کا خیال رکھتی ہے۔ ہم دونوں میاں بیوی صبح اکٹھے سیر کو جاتے ہیں۔ وہ میری چاہت کے مطابق خود کو اسمارٹ رکھتی ہے اور اپنی جسامت وغیرہ کا خوب خیال کرتی ہے، حتیٰ کہ بچے جننے میں بھی وہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس لیے وقفہ کا خیال رکھتی ہے تاکہ اپنی اور بچوں کی صحت وتربیت کو صحیح انداز میں نبھا سکے جو کہ شرعی فریضہ ہے۔ ان احتیاطی تدابیر کی وجہ سے وہ مجھے ہر روز نئی نویلی دلہن کی طرح دکھائی دیتی ہے۔''

علی نے کہا: ''کیا آپ میں کبھی لڑائی جھگڑے کی نوبت بھی آئی ہے؟''

سلیم نے کہا: ''نہیں۔ جب ہم ایک دوسرے کی راحت کا خیال رکھتے ہیں۔ شرعی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہیں تو پھر لڑائی جھگڑے کی نبوت کہاں سے آئے؟ کیا تم نے نہیں سنا کہ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ میری شادی کو پچاس سال کا عرصہ بیت چکا ہے، لیکن لڑائی جھگڑا تو دور کی بات، کبھی مزاج بدل کر اہلیہ سے بات کرنے کی نوبت نہیں آئی۔''

''علی بھائی! یہ سب اسلامی تعلیمات اور بزرگوں کی دعاؤں کی برکات ہیں کہ ہم دونوں میاں بیوی ایک اللہ والے سے اصلاحی تعلق قائم کیے ہوئے ہیں۔ ہر معاملے میں ان کی

Marfat.com

راہنمائی میں چلتے ہیں اور وہ حکمت وبصیرت سے جو بھی فیصلہ فرما دیتے ہیں ہم دونوں دل وجان سے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے اللہ والوں کی رہنمائی اور دعائیں تمام دینی ودنیاوی امور میں انمول دولت ہیں۔ انہی کی برکت سے دین ودنیا سنورتے ہیں اور ایک بزرگ کے بقول دنیا میں جنت یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں نیک ہوں اور ایک ہوں اس طرح ہماری زندگی بھی جنت بنی ہوئی ہے۔''

علی بولا: ''سلیم بھائی! آج یہ نشست میرے لیے کافی قیمتی ثابت ہوئی ہے۔ مجھے زندگی کے بہترین اصول ہاتھ لگے ہیں۔ میں بھی آپ کے سامنے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں بھی اپنی زندگی کو پرسکون اور خوشحال بنانے کے لیے اسوہ حسنہ پر عمل شروع کرتا ہوں تا کہ میرا گھر بھی جنت کا نمونہ بن جائے۔ آج کی ملاقات سے پہلے میں ازدواجی راحت وسکون کے لیے دوسری شادی کا خواہش مند تھا۔ آپ نے مجھے ہزار جھنجھٹ سے بچالیا۔''

آج کل ایک دوسرے پر اعتماد کم اور شک کی وبا پھیلتی چلی جارہی ہے۔ اسی وجہ سے گھرانے ٹوٹ رہے ہیں اور خاندانی نظام میں دڑاریں پڑرہی ہیں۔ گزشتہ دنوں ہمارے ایک دوست نے بتایا کہ ہماری شادی 2005ء میں ہوئی۔ یہ رشتہ خالص میرے والدین کی پسند تھا۔ میں نے انہیں مکمل اختیار دے رکھا تھا وہ جہاں چاہیں، بات پکی کرلیں۔ میں خوش قسمت تھا۔ میرے والدین کا انتخاب عمدہ نکلا۔ انہوں نے میرے لیے جس شریکِ حیات کا چناؤ کیا، وہ ہر لحاظ سے قابلِ رشک تھا۔ شکل وصورت اور سیرت کے لحاظ سے اس میں کوئی کمی نہیں تھی۔ تقریباً 2 سال بعد اللہ نے ہمیں ایک پیاری بیٹی سے نوازا۔ چھ سال بعد ہمارے گھر میں 3 بچوں کی آمد سے بہار کا سماں ہوگیا، لیکن نجانے کس کی نظر لگی، پھر سب کچھ غارت ہوگیا۔

یہ 2011ء کی بات ہے۔ ایک دن میں گھر آیا تو اہلیہ کا طرزِ عمل یکسر مختلف تھا۔ اس

Marfat.com

سے پہلے جب میں کام سے گھر واپس آتا، میری اہلیہ استقبال کرتیں اور حقیقت یہ ہے کہ دن بھر کی تھکن اسی استقبال سے دور ہوجاتی۔ مجھے تشویش ہوئی خدانخواستہ کوئی واقعہ رونما نہ ہوگیا ہو۔ اہلیہ سے بات کی، دوسری طرف سے سرد مہری۔ میں نے اس دن اسے کرید نے کی بہت کوشش کی، لیکن ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ تقریباً تین چار دن تک یہی صورتِ حال رہی۔ میں نے چند دن بعد مشکل سے اپنی اہلیہ کو اعتماد میں لیا۔ بالآخر اس نے ایک بات بتائی، جس پر میں خوب ہنسا۔

میری اہلیہ نے بتایا چند دن پہلے آپ کو جس خاتون کا فون آیا تھا، وہ کون تھیں اور کیا چاہتی تھیں؟ میں نے اسے بتایا کہ دفتر میں کام بڑھنے کی وجہ سے اسسٹنٹ کے طور پر خاتون ملی ہے۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا اتنا طویل عرصہ گزارنے اور میرے مزاج کو سمجھنے کے بعد تمہیں اس قسم کا شک کرنے سے پہلے ہزار بار سوچنا چاہیے تھا۔ میں نے اپنی اہلیہ کو مزید تفصیلات بتائیں۔ اسے قائل کرنے اور اس کے ذہن سے شبہات کی گرد اُڑانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مجھے اس میں وقتی طور پر کامیابی بھی ملی، لیکن چند دن بعد صورتِ حال پھر وہی تھی۔ میں ذراسی بات کروں، مجھے جواب ملتا ہے آپ ویسے نہیں رہے، جیسے پہلے تھے۔ آپ بدل گئے ہیں۔ حالانکہ میں پہلے سے بڑھ کر اپنی اہلیہ کا خیال رکھنے لگا تھا، تاکہ اس کی غلط فہمی دور ہوجائے، مگر بدقسمتی سے میری مزید توجہ اس کے مزید شبہات کا سبب بن رہی تھی۔ ایک دن میں اہلیہ اور بچوں کو پی اے ایف پارک لے کر گیا۔ وہاں اسے بٹھا کر خلوص اور محبت کی ہزار یقین دہانیاں کرائیں۔ وہ بھی وقتی طور پر ''آمنا وصدقنا'' کہہ دیتی، مگر نجانے کیوں اس کے ذہن پر سوار شکوک وشبہات کا ایسا بھوت سوار ہوگیا تھا جسے اُتارنا اب میرے بس میں نہیں رہا تھا۔

میں اس دباؤ کے ماحول سے تنگ تھا۔ میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا، جس کے ذریعے میں یہ باور کراسکوں کہ میں جو کہہ رہا ہوں، حقیقت پر مبنی ہے۔ چند دن بعد کسی بات پر

Marfat.com

ہماری تلخی مزید بڑھی۔ میں دلبرداشتہ ہوکر گھر سے نکلا اور فیصلہ کیا اب میں واقعی اس راستے پر چلوں گا جس پر میری اہلیہ مجھے چلانا چاہتی ہے۔ میں نے اب تک اپنی اسسٹنٹ کو صرف دفتری امور میں بطورِ نائب دیکھا تھا، مگر اگلے دن میں نے واقعی اس سے دفتری امور کے علاوہ بھی پینگیں بڑھانا شروع کردیں۔ پہلے میں بالکل بے قصور تھا، اس لیے میرے لیے اہلیہ کی باتیں ناقابل برداشت تھیں، لیکن اب معاملہ حقیقت پر مبنی تھا اور شاید یہی وجہ تھی اس کی باتیں میرے لیے زیادہ تلخ ثابت نہیں ہورہی تھیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک دن میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور میں دفتر نہیں جاسکا۔ میں بستر پر لیٹا تھا۔ میری اہلیہ بھی قریب ہی تھی۔ میرے موبائل پر میسج آیا۔ موبائل تک ہاتھ بڑھانے سے پہلے ہی اہلیہ نے اسے اُٹھالیا۔ بس پھر کیا تھا، ایک قیامت بپا ہوگئی۔ پیغام دفتر سے میری اسسٹنٹ کا تھا۔ اس نے اس انداز میں مجھ سے نہ آنے کی وجہ پوچھی تھی جو کسی بھی بیوی کے لیے ناقابلِ قبول ہے۔ دباؤ کا ماحول تو چل رہا تھا، مگر اب اہلیہ کو اپنے تمام شکوک وشبہات حقیقت پر مبنی نظر آنے لگے۔

اسی بیماری کی حالت میں ہمارے درمیان خوفناک جنگ چھڑی۔ میری اہلیہ نے اپنا سامان اُٹھایا۔ بچے بھی اسکول سے آچکے تھے، انہیں ساتھ لیا اور مجھے اسی طرح بیمار چھوڑ کر میکے چلی گئی۔ اب میرے پاس دو راستے تھے: میں اپنی ازدواجی زندگی سے مایوس ہوجاؤں اور ایک نئی زندگی کا آغاز کروں۔ اس معاملے پر ایک دو بار میری اپنی اسسٹنٹ خاتون سے بھی بات ہوئی تھی۔ وہ میرے ساتھ مکمل تعاون کے لیے تیار تھی۔

دوسرا راستہ یہ تھا، میں اپنی اہلیہ کے پاس جاؤں۔ اپنے سسرال والوں کو اعتماد میں لوں۔ انہیں بتاؤں کہ اس راستے پر کیسے چلا؟ پھر جو کچھ ہوا، اس پر احساسِ ندامت کا صاف صاف اظہار کروں، آیندہ کے لیے اعتماد کی فضا بناؤں، مگر دوسری تجویز کے آتے ہی میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے آنا شروع ہوئے۔ مثلاً: اگر میں اہلیہ کو راضی بھی کروں۔ وہ وقتی

Marfat.com

طور پر مان بھی جائے اور سسرال والے بھی میری اس خطا کو معاف کر دیں، تب بھی کیا اہلیہ کے ذہن میں پہلے سے پیدا شدہ شکوک ختم ہو جائیں گے؟ کیا وہ واقعی مجھ پر پہلے کی طرح اعتماد کرنا شروع کر دے گی؟ میرے عزیز رشتہ دار بھی اس معاملے سے خبر دار ہو چکے تھے۔ کیا میرے لیے ممکن ہوگا کہ میں ان تمام لوگوں کا اعتماد حاصل کر سکوں؟

ان تمام پہلوؤں پر سوچتے ہوئے بالآخر میں نے فیصلہ کیا اہلیہ کو کسی صورت راضی نہیں کروں گا۔ اگر اسے احساس ہے، وہ خود رابطہ کرے گی۔ میں دو دن بیمار پڑا رہا۔ میرا کسی نے حال احوال نہ پوچھا۔ میں نے مجبور ہو کر اپنی اسسٹنٹ کو فون کیا اور اسے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اگلے دن وہ میرے فلیٹ پر آئی۔ اس نے میرے ساتھ غمخواری کی۔ میرے دل میں بھی اس کے لیے ہمدردی پیدا ہوئی۔ میں نے اسے اگلے دن دوبارہ آنے کا کہا اور اسے بتایا کہ میں ایک اہم معاملے پر بات کرنا چاہتا ہوں۔

وہ اگلے دن آئی۔ میں نے اسے اپنا مدعا بتایا۔ شاید وہ پہلے سے ہی تیار تھی۔ وہ مان گئی اور اس طرح اگلے ہفتے میری دوسری شادی ہوگئی۔ میری پہلی اہلیہ کو پتا چلا۔ اس پر ایک اور قیامت برپا ہوگئی۔ مختصر یہ کہ میری پہلی اہلیہ نے مجھ سے علیحدگی چاہی۔ مجھے اپنے بچوں سے بے پناہ محبت تھی۔ میں ان کے بغیر رہنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ میں نے بہت کوششیں کیں کہ کسی طریقے سے اپنے بچوں کی خاطر معاملے کو سنبھال سکوں۔ دوسری شادی کا خمار بھی اُتر چکا تھا۔ چنانچہ میں نے انہیں یہاں تک کہا اگر اعتماد کی فضا کے لیے دوسری بیوی کو طلاق دینا ضروری ہو، میں یہ بھی کرنے کو تیار ہوں، لیکن جواب ملا کہ ہمیں آپ پر اب اعتبار نہیں رہا ہے۔ لہٰذا اس طرح میری خوشحال زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔''

یہ ''ع ؤ'' کی حقیقی داستان ہے، لیکن یہ صرف ان کی کہانی نہیں۔ کتنے ہی ایسے گھر ہیں جو محض غلط فہمی اور انا کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ بیوی کے بے جا شکوک اور شوہر کی ہٹ

Marfat.com

دھرمی ایک ہنستے بستے گھر کو اُجاڑ دیتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس معاملے میں مشرق اور مغرب میں کوئی تفریق نہیں رہی۔ اخبارات میں خبر آئی ہے کہ دنیا کے طاقتور ترین صدر بارک اوباما اور ان کی اہلیہ کے درمیان بھی جنگ شدت اختیار کر گئی ہے اور بات علیحدگی تک پہنچ چکی ہے۔ اس سے پہلے بھی اوباما اپنی ازدواجی زندگی سے اتنے مایوس ہو گئے تھے کہ خدشہ ظاہر ہونے لگا تھا کہیں وہ خودکشی نہ کرلیں۔ موجودہ تنازع کی وجہ یہ بیان کی جا رہی ہے کہ اوباما نے ڈنمارک کی وزیراعظم کے ساتھ تصویر کھنچوائی۔ اس پر مشعل اوباما طیش میں آگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ خاندانی نظام، گھروں کی آبادی اور بربادی مشرق کا مسئلہ ہے نہ مغرب کا۔ یہ ایک عالمگیر مسئلہ بن چکا ہے۔ اس مسئلے نے انسانیت کو ایک دوراہے پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ اسلام نے اس قسم کے مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے راستے بتائے ہیں۔

قرآنی آیات واقعی پوری انسانیت کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔ خصوصاً خاندانی نظام کو برقرار رکھنے اور ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ان آیات کو اپنے قلب وجگر میں اُتارنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ آیات خاص ازدواجی زندگی کے لیے نہیں، لیکن اس میں خوشحال ازدواجی زندگی کا مکمل فارمولا موجود ہے۔ آپ علیحدگی کی جتنی کہانیاں پڑھیں گے، آپ کو ان آیات میں بیان کی ہوئی انسانی کمزوریوں اور خرابیوں کا نتیجہ نظر آئیں گی۔ مجھے یقین ہے اگر ''ع و'' کے واقعے میں ان آیات کو سامنے رکھا جاتا تو ان کا گھر کبھی نہ ٹوٹتا۔

گھروں اور معاشروں کو برباد کرنے سے بچانے کے لیے سورۂ حجرات کی آیات ہیں: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اُڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے

خاندانی نظام ایسے بچائیں

Marfat.com

القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو، تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔''

Marfat.com

باب 5

ازدواجی زندگی ایسے گزاریں

Marfat.com

5 / 1

خوشگوار ازدواجی زندگی کے سنہری اصول

جس طرح ہم یہ سوچتے ہیں جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں، اسی طرح گوروں کے دیس یورپ اور امریکا میں بھی یہ خیال عام ہے کہ شادیاں تو ہم سے کہیں دور ستاروں میں طے ہوتی ہیں۔ جو خوش قسمت ہیں اُن کو اچھے جیون ساتھی مل جاتے ہیں۔ جن کے مقدر خراب ہوں، اُن کو بُرے ساتھیوں سے پالا پڑتا ہے۔

کیا واقعتاً ایسا ہی ہے؟ اب ہمیں ساری عمر قسمت پر رشک کرتے یا نصیبوں کو کوستے ہی گزارنی ہوگی؟ جی نہیں! سچائی اس تاثر سے بالکل مختلف ہے۔ یہ محض ستاروں کا کھیل نہیں۔ خوشگوار ازدواجی زندگی کے لیے ہمیں خود بھی ہاتھ پاؤں مارنے پڑیں گے۔ وقت اور ذہن کو استعمال کرنا پڑے گا۔ بزرگوں کے تجربات سے بھی فائدہ اُٹھانا ہوگا۔ علماء کی ہدایات اور دینی تعلیمات کا علم بھی ضروری ہے، لیکن بہت سے جوڑے ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہیں۔ وقت اور توانائی صرف کیے بغیر ہی وہ خوشگوار زندگی کے طلب گار ہوتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ جب سوچے سمجھے بغیر شادی کو دوسرے عام امور کی طرح غیر ذمہ داری سے نبھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو پھر معاملات میں رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ کئی طرح کے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ گھر کی پریشانی باہر کی پریشانی سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے اور جب تک گھریلو مسائل کا حل نہ نکل آئے، دیگر شعبہ ہائے زندگی کے امور بھی متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ تو پھر خوشگوار اور پُرسکون زندگی کیسے حاصل ہو؟ ازدواجی امور کے ماہرین کے مطابق مثالی اور خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے والوں کے بیسیوں سنہری اصول اور کئی راز ہیں۔

Marfat.com

5 / 2

پہلا اصول......اچھے اور بُرے وقت کے ساتھی بنیے

کسی تعلق کی مضبوطی کا دار و مدار اس بات پر ہوتا ہے کہ اچھے اور بُرے وقتوں میں دو افراد ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں؟ اگر آج ایک جوڑا تنگدستی کی زندگی گزار رہا ہے تو عین ممکن ہے کل اُن کے ہاں خوشحالی کا دور دورہ ہو۔

غربت کے زمانے میں اگر بیوی شکوے شکایتیں اور بے جا فرمائشیں کرنے کی بجائے شوہر کا ساتھ دیتی ہے، اُسے مایوسی کے گرداب سے نکال کر عزم اور حوصلے کے ساتھ ترقی کے راستے پر گامزن رکھتی ہے تو یقیناً شوہر کے دل میں بھی اُس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوگا۔

وہ اُسے اپنے گھر کی رانی اور دل کی ملکہ سمجھے گا اور اُسے یہ احساس ہمیشہ اس بات پر تیار کرتا رہے گا کہ جب بھی اللہ نے وسعت دی، وہ اپنے جیون ساتھی کی تمام محرومیوں کا ازالہ کرے گا۔ آج اگر اُس کی بیوی اُس کی خاطر اپنی تمناؤں، آرزوؤں اور خواہشوں کی قربانی دے رہی ہے تو کل وہ بھی بہترین وفاداری کا مظاہرہ کر کے اُس کے دل کو خوشیوں سے بھر دے گا۔

سب سے بڑی بات یہ کہ مشکل وقت ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے سبب آسانی سے کٹ جائے گا، بالآخر محنت رنگ لائے گی۔ حالات بدلیں گے اور اپنے ساتھ خوشیاں

Marfat.com

لائیں گے۔ چنانچہ مثالی جوڑے خوب جانتے ہیں اچھے اور بُرے وقت میں باہمی محبت قائم رکھنا اور ایک دوسرے کا ساتھ دینا ان کی اپنی ذمہ داری ہے، لہٰذا جو لوگ یہ ذمہ دار خوش دلی سے نبھاتے ہیں، اس کا ثمر اُن کو ملتا ہے۔

Marfat.com

5 / 3

دوسرا اصول......غلط نظریے کی اصلاح کیجیے

مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ۔

ہمارے معاشرے میں شادی کے چند برس بعد ہی مختلف جھمیلوں میں پھنس کر اچھے بھلے میاں بیوی بھائی بہن لگنے لگتے ہیں۔ دوسرے جذبے اور ضرورتیں اُن پر اس طرح حاوی ہوجاتی ہیں کہ زندگی بے کیف اور بے رنگ ہونے لگتی ہے۔ غیر محسوس طریقے سے جنم لینے والی یکسانیت اور بوریت کے باعث روزانہ کی چخ چخ شروع ہوجاتی ہے۔

اگر ایک طرف سے کبھی یکسانیت کی ساکن جھیل میں کنکر پھینکا بھی جاتا ہے تو دوسرا اپنے خیالات اور مصروفیات میں اس قدر کھویا ہوا ہوتا ہے کہ اس کی توجہ ہی اُس طرف نہیں جاتی۔ گویا دونوں طرف یہی حال ہوتا ہے......مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ......

مگر وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ یہ ایک غلط نظریہ ہے جو اُن کے لاشعور میں بیٹھا ہوا ہے۔ محبت محبت ہوتی ہے۔ وہ قدیم جدید پہلی یا دوسری نہیں ہوا کرتی اور نہ ہی محبت آسانی سے مرا کرتی ہے، البتہ وقتی حالات کے باعث دب ضرور جاتی ہے۔

چنانچہ خوش باش جوڑے دیگر احساسات کو کبھی بھی اپنی محبت پر غالب نہیں آنے دیتے۔ اس کے نتیجے میں وہ ازدواجی زندگی میں آنے والے بحرانوں کا زیادہ جرأت کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ جب کبھی آپ کی ازدواجی زندگی میں تلاطم برپا ہو تو طوفانی لہروں پر سوار ہونے کی بجائے چند لمحوں کے لیے رُک جائیں اور یاد کریں شادی کے شروع کے دنوں میں اپنے جیون ساتھی کے بارے میں آپ کے کیا احساسات تھے؟

Marfat.com

5 / 4

تیسرا اصول......خوبیوں اور خامیوں سمیت قبول کریں

ہر شخص میں کوئی نہ کوئی خامی ضرور ہوتی ہے۔ ہم فرشتے نہیں ہیں، انسان ہیں۔ غلطی سے اکثر اوقات ہم یہ سمجھ لیتے ہیں شادی ہمیں دوسرے فرد کو اپنی مرضی اور مزاج کے مطابق ڈھالنے کا لائسنس دے دیتی ہے۔

یوں ہم اپنے ساتھی کی اصلاح پر جت جاتے ہیں۔ ہر معاملے میں اُس کی خامیاں تلاش کرنے لگتے ہیں۔ چاہے اس عمل میں وہ خوبیاں بھی تباہ ہوجائیں جن کی وجہ سے وہ ہمیں اچھا لگتا ہے۔

یہ طریقۂ کار ہی غلط ہے۔ اس کے نتیجے میں ہر وقت اپنے جیون ساتھی سے متعلق ہمارے ذہن میں صرف منفی تصویریں ہی بنتی رہتی ہیں۔ کسی بھی واقعے میں خواہ ذمہ دار کوئی اور ہو، لیکن ہمارا اصلاحی ذہن فوراً ہمارے جیون ساتھی کو ہی قصوروار قرار دیتا ہے۔

اس سے ازدواجی زندگی کا سکون تباہ ہوجاتا ہے۔ اصلاح کا فریضہ اللہ والوں کے سپرد کرکے ہمیں اپنے جیون ساتھی کی خوبیوں پر نظر رکھنی چاہیے۔

اگر اُس میں ایک خامی ہے تو کوئی نہ کوئی خوبی بھی ضرور ہوگی۔ غصے اور لڑائی جھگڑے کے وقت اگر ہم ایک دوسرے کو خامیاں گنوانے کی بجائے خوبیوں کی فہرست بنانا شروع کردیں تو ایک دم سکون ہوجائے گا۔

Marfat.com

خوشگوار زندگی صرف اُن جوڑوں کو نصیب ہوتی ہے جو جانتے ہیں ہمیں ایک دوسرے کو خوبیوں اور خامیوں سمیت قبول کرنا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح کا عمل اپنے رویوں کی اصلاح کے ذریعے لاشعوری طور پر ہونا چاہیے۔ زبردستی کوئی اصلاح نہیں ٹھونسنی چاہیے۔

Marfat.com

5 / 5

چوتھا اصول......دل کی بات زبان پر لائیں

پیار کے خوابوں میں سے ایک یہ ہے ہمارا جیون ساتھی خود ہمارے دل کی باتوں کو سمجھے۔ جب ایسا نہیں ہوتا تو ہمیں مایوسی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی تو احساس ہوتا ہے ہمارے ساتھ فریب کیا گیا ہے۔ یہ اندازِ فکر نامناسب ہے۔

اصل میں یہ توقع ہی غیر حقیقت پسندانہ ہے ہمارا ساتھی ہمارے ذہن و دل کی گہرائیوں میں پلنے والی آرزوؤں کو خود بخود پڑھ لے گا۔ پھر ان کی تکمیل کے لیے سرگرم ہو جائے گا۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں ان کے جیون ساتھی ان کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں اس میں خود ان کی کوششوں کا دخل ہے۔

سیدھی سی بات ہے جب تک ہم اپنے باطن کو نمایاں نہ کریں، دوسرے اُس سے آگاہ نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ جب میاں بیوی ایک دوسرے کو اپنی ضرورتیں، اُمنگیں اور ناراضگی کا اصل سبب بتاتے ہیں تب مسائل حل ہونا شروع ہوتے ہیں۔

اگر ممکن نہ ہو تو اشاروں کنایوں سے ان کا اظہار کرتے رہیں۔ تب ہی آپ کا ساتھی ان کو جان پائے گا، لہٰذا ایک دوسرے کو سمجھنے کو معمہ مت بنائیں۔

دل کی بات زبان پر لائیں۔ اگر آپ اُسے دل میں رکھیں گے تو مسائل بڑھتے چلے جائیں گے اور خوشیاں آپ سے کہیں دور چلی جائیں گی۔

Marfat.com

5 / 6

پانچواں اصول...... جیون ساتھی سے بددیانتی نہ کریں

نئے دور کا نیا چلن ہے۔ اب ازدواجی بندھن سے ماورا گناہوں کے مواقع عام ہیں۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے سے میل جول کا عام موقع ملتا ہے۔

اب ایک عام رویہ یہ بنتا جا رہا ہے اگر میں کوئی چکر چلا دوں اور میری بیوی یا میرا شوہر اس سے بے خبر رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اُس کو تو کوئی نقصان یا تکلیف نہیں پہنچ رہی۔

یاد رکھیے! ایسا ہرگز نہیں۔ اس قسم کا رومان انسان کو اخلاقی طور پر تباہ کر دیتا ہے۔ اس سے ازدواجی زندگی لامحالہ متاثر ہوتی ہے۔

میاں بیوی کی باہمی محبت کا بندھن ٹوٹنے لگتا ہے جبکہ اس بندھن کے پُرخلوص احترام سے دل کو اطمینان ملتا ہے۔ ہمیں اپنا راز چھپانے کے لیے داؤ پیچ نہیں کھیلنے پڑتے نہ ہی کسی بھید کے افشار ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔

جب ہم بددیانتی سے کام لیں، اپنے ساتھی سے دَغا کریں تو ہم اس سے آگاہ ہوتے ہیں۔ ضمیر ہمیں ملامت کرتا ہے۔ گناہ کا احساس ہم پر چھایا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ہمیں خود سے گھن آنے لگتی ہے۔ جب ہم اپنے آپ سے ہی محبت نہ کریں تو دوسروں سے کیا خاک ہوگی، لہٰذا خوشگوار ازدواجی زندگی کے لیے ضروری ہے اپنے جیون ساتھی سے ہر قسم کی بددیانتی سے بچیں۔ اعتماد کی فضا کو کبھی خراب نہ ہونے دیں۔

Marfat.com

چھٹا اصول...... خودغرضی سے بچیں

بالغ محبت لینے اور دینے میں توازن رکھتی ہے۔ بے ساختہ خلوص محبت کا راز ہے۔ خوشگوار زندگی اس بات کا تقاضا کرتی ہے ہم اپنی ضرورتیں روک کر اپنے ساتھی کی ضرورتیں پوری کریں۔

ہر حال میں اس اصول پر عمل کرنا ضروری نہیں، مگر عمومی رویہ یہی ہونا چاہیے، اس لیے جب ہم دوسرے فرد سے کچھ لینے کی بجائے اُس کو کچھ دینے پر تیار رہتے ہیں تو ہمیں محبت کا اور بھی زیادہ احساس ہوتا ہے۔

جب آپ کسی کو کچھ دیتے ہیں تو وہ بھی آپ کا دامن بھرنے پر آمادہ رہتا ہے، دینے کا عمل بے ثمر نہیں تاہم اس معاملے میں ایک احتیاط ضروری ہے کسی کو اس ارادے سے کچھ نہ دیں کہ وہ بھی بدلے میں آپ کو کچھ دے گا۔

اس طرح ایسے شریکِ حیات کی خواہش پوری کرنے پر نہ تُلے رہیں جو آپ کی محبت کی قدر ہی نہیں کر رہا۔

سب سے زیادہ مسرت انگیز شادیاں وہ ہوتی ہیں جن میں میاں بیوی خودغرضی کے احساس کے بغیر ایک دوسرے کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ میکے یا سسرال سے کوئی لالچ رکھے بغیر ایک دوسرے کے کام آتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

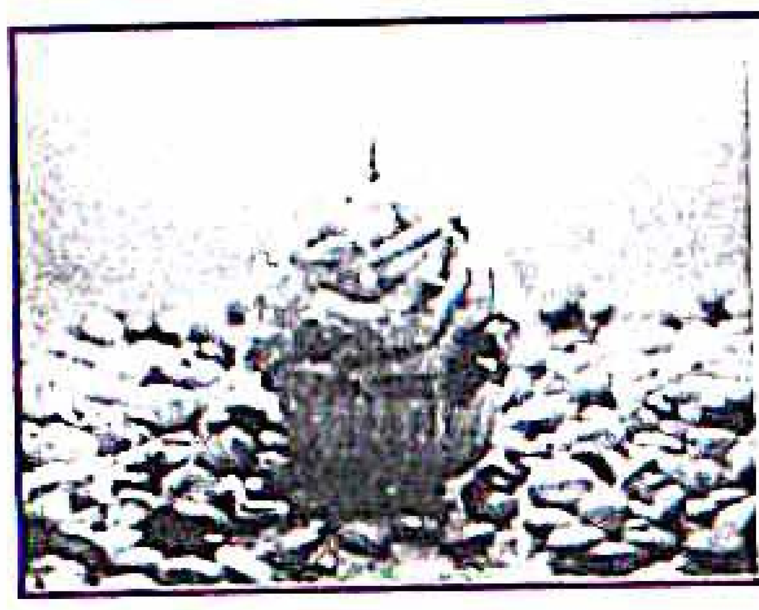

5 / 8

ساتواں اصول...... غیر متوقع خوشیوں کا اہتمام کریں

میاں بیوی محبت بھری زندگی گزار رہے ہوں تو وہ مل کر خوش ہونا پسند کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے لیے چھوٹی چھوٹی خوشیاں تلاش کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ خوشگوار ازدواجی بسر کرنے والے جوڑے ایک دوسرے کے لیے غیر متوقع خوشیوں کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں، لیکن دل جیت لیتی ہے۔

مثال کے طور پر شوہر گھر لوٹتے ہوئے راستے سے پھول یا اپنی اہلیہ کی من پسند کھانے کی کوئی چیز خرید لیتا ہے یا بیوی تھوڑے تھوڑے پیسے بچا کر اچانک اپنے شوہر کو اُس کی پسند کی کوئی چیز تحفے کے طور پر پیش کرتی ہے۔

تحفہ وصول کرتے ہوئے میاں بیوی کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی چمک سے زندگی کا لطف دوبالا ہوجاتا ہے۔

بات اصل میں کسی تحفے کی نہیں بلکہ ایک دوسرے کا خیال رکھنے کی ہے۔ جب ازدواجی زندگی سے اس قسم کی بظاہر چھوٹی موٹی باتیں ختم ہوجائیں تو جان لیجیے شادی بے لطف اور بے جان ہوتی جارہی ہے۔

وقت آگیا ہے کہ اس میں دوبارہ زندگی پیدا کرنے پر سنجیدگی سے توجہ دی جائے۔

Marfat.com

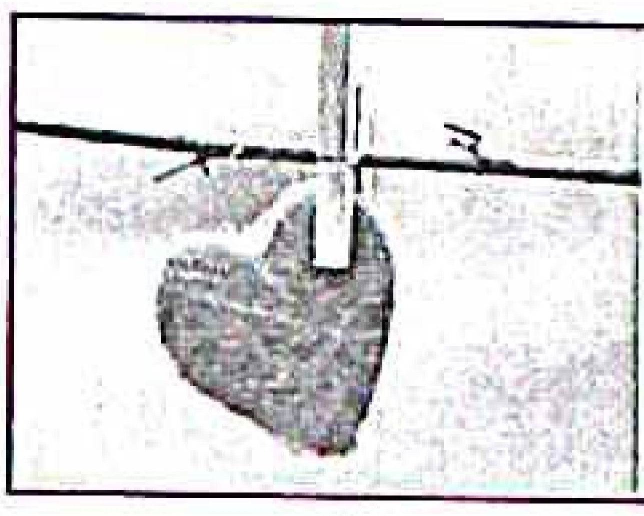

آٹھواں اصول......ضرورتوں کا خیال رکھیں

مرد گھر سے باہر سارا دن فکر معاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ سفید پوش گھرانوں میں شوہر عموماً روزی روٹی کے چکر میں شام کو تھک ہار کر گھر واپس لوٹتے ہیں۔

بعض اوقات بالخصوص گرمیوں کی چھوٹی راتوں میں کراچی جیسے شہر میں جب لوڈ شیڈنگ، گرمی اور مچھروں کے باعث آدمی سکون سے سو بھی نہیں سکتا تو نیند پوری نہ ہونے کے باعث مزاج میں چڑچڑاپن، سردرد اور تھکاوٹ کا ہو جانا قدرتی بات ہے۔

ایسے میں اگر کسی بات پر بدمزگی ہو جائے تو بیوی کو چاہیے تھوڑا برداشت کرلے اور فوری طور پر اپنے شوہر کو پُرسکون ماحول فراہم کر کے اُسے اپنی نیند پوری کرنے دے۔ کیونکہ جیسے ہی وہ تروتازہ ہوگا، اُس کی خوش مزاج واپس لوٹ آئے گی۔

اسی طرح بسا اوقات گھر میں مہمان آجاتے ہیں۔ بیوی کو مسلسل کام کرنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ تھک کر ٹوٹ جاتی ہے۔

ایسے میں شوہر کا یہ فرض بنتا ہے اُس پر مزید کسی اضافی کام کا بوجھ مت ڈالے۔ پہلے اُسے آرام کرنے دے تاکہ اُس کی تھکاوٹ دور ہو سکے۔

بہتر صورت تو یہ ہے کام سمیٹنے میں اُس کا ہاتھ بٹائے۔ اس طرح جب میاں بیوی ایک دوسرے کی لازمی ضرورتوں کا خیال کرتے ہیں تو ناخوشگواری کے واقعات بہت کم رونما ہوتے ہیں۔

Marfat.com

5 / 10

نواں اصول...... مشترکہ دلچسپیاں تلاش کریں

خوشگوار ازدواجی زندگی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے میاں بیوی کے درمیان مشترکہ دلچسپیاں موجود رہیں۔ مشترکہ دلچسپیاں موجود ہوں تو میاں بیوی فرصت کے اوقات سے اکٹھے لطف اُٹھاسکتے ہیں۔

اگر یہ دلچسپیاں نہ ہوں تو جب بھی چھٹی کا دن آئے گا، میاں منہ اُٹھا کر اپنے دوستوں کے ساتھ باہر نکل جائے گا۔

اہلیہ محترمہ سارا دن ڈائجسٹ پڑھتی رہیں گی یا ہمسایوں کے گھر کے چکر لگانا شروع کردیں گی، اس لیے میاں بیوی کو چاہیے ایسی مشترکہ دلچسپیوں اور مشغلوں کو فروغ دیتے رہیں۔

صرف آپس میں باتیں کرنے کے لیے باقاعدگی سے وقت نکالیں۔ گپ شپ لڑائیں۔ ایک دوسرے کو چھیڑیں۔ جملے کسیں۔ لطیفے سنائیں۔

بچوں جیسی حرکتیں کریں اور ہنستے ہنستے ایک دوسرے کے لیے خوش باشی کے مواقع فراہم کریں۔

Marfat.com

5 / 11

دسواں اصول......زندہ دل بنیں!

میری پیاری بڑھیا شکر کی پڑیا۔

خوشگوار زندگی کا تعلق عمر کے ساتھ نہیں ہوتا۔ ایک نوجوان جوڑے کی زندگی بہت روکھی پھیکی ہوسکتی ہے۔ اس کے برعکس بوڑھے میاں بیوی بہت زندہ دل ہوسکتے ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ دو افراد خواہ بوڑھے ہوں یا جوان اُن کی رفاقت خوشیوں کا وسیلہ بننی چاہیے نہ کہ اذیت کا سبب۔ خوش باش زندگی بسر کرنے والے بڑھاپے میں بھی اپنے پرانے دنوں کو یاد کر کے اپنے تعلق ناطے کو مضبوط بناتے رہتے ہیں۔

وہ مل کر ماضی کے واقعات دہراتے ہیں۔ اُن وقتوں پر ہنستے بھی ہیں۔ جب ان کو کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تھا، مگر انہوں نے مل کر، ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر مشکلات کا مقابلہ کیا۔

ہم نے ایک ضعیف العمر بوڑھے کو دیکھا جو اپنے ہی جیسی ناتواں جھریوں بھرے چہرے اور جھکی ہوئی کمر والی بیوی کو پکارتے ہوئے کہہ رہا تھا: ”میری پیاری بڑھیا......شکر کی پُڑیا......واہ رے میری گڑیا“ بڑھیا جواباً کہہ رہی تھی:

”اپنی عمر دیکھو اور اپنے کرتوت دیکھو اور دونوں ہی اس بات پر اپنے پوپلے منہ سے کھلکھلا کر ہنسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ ہے خوشگوار ازدواجی زندگی......!!!

Marfat.com

انور غازی کی وہ کتابیں جو شایع ہو چکی ہیں

- فاتح کون؟
- دوراہا
- عافیہ
- دینی مدارس
- نکتہ در نقطہ
- رمضان کیسے گزاریں؟
- کارزار
- قلم کی قسم
- شہزادے کی کہانی
- شیخ اُسامہ
- حرمین کے مسافر
- نقوشِ بندگی

انور غازی کی دیگر زیرِ طبع کتب

علماء اور جدید فلسفے

جدید ذہنوں میں اُٹھتے سوالات اور ان کے تشفی جوابات

اولیاء اللہ کے قدموں میں

قدیم خانقاہوں اور مدارس کا تعارف اور احوال

حوا کی بیٹی

مظلوم خواتین کو این جی اوز کس طرح اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں؟

طرزِ زندگی

آداب زندگی پر ایک تہلکہ خیز کتاب

Marfat.com

"زندگی ایسے گزاریں" سیریز کی پہلی کتاب

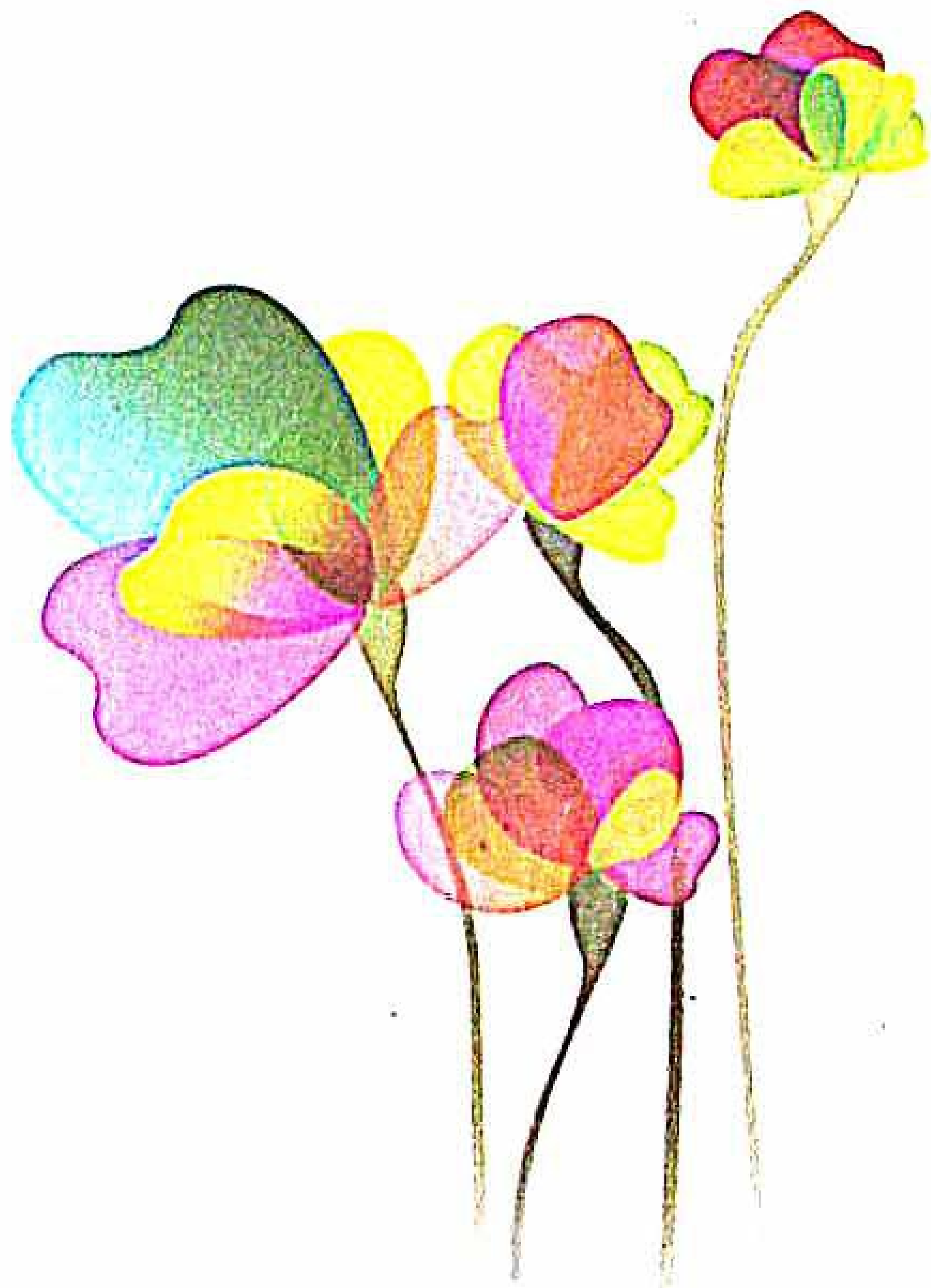

خاندانی نظام ایسے بچائیں

انور غازی

الحجاز کراچی

Marfat.com